نام کتاب ——— یدِ بیضاء

تالیف ——— حامی عبیدی دینپوری

طباعت ——— کمبائن پرنٹرز لاہور

قیمت ——— آفسٹ پیپر: چالیس روپے

چارسدہ پیپر: تیس روپے

تعداد ——— ایک ہزار

○
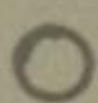
ناشران

خانقاہ عالیہ قادریہ راشدیہ دینپور شریف ضلع خانپور

انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ، لاہور

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۸	تاج الاولیاء حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹی رح	۱۷
۷۲	ٹبی کورائیاں سے بستی گھوٹیا (خان پور) میں	۱۸
۷۳	شادی	۱۹
۷۴	رفیقۂ حیات	۲۰
۷۷	خرقۂ خلافت	۲۱
۷۸	دل کی بے قراریاں نہ گئیں	۲۲
۸۱	دین پور شریف کا قیام	۲۳
۸۶	وطن سے رشتہ داروں کا ورود	۲۴
۸۷	مولانا عبید اللہ سندھی کی دین پور شریف میں آمد	۲۵
۸۹	امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶
۹۵	حضرت سید العارفین رح کا وصال	۲۷
۹۶	حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رح کی بیعت	۲۸
۹۷	حضرت شیخ التفسیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ	۲۹
۹۸	مدرسہ تعلیم القرآن کا قیام	۳۰
۹۹	صاحبزادہ سراج احمد کی ولادت اور وفات	۳۱
۱۰۱	خواجہ غلام فریدؒ کا شوق ملاقات	۳۲
۱۰۲	میاں غلام رسول خان کی وفات	۳۳
۱۰۳	نمونہ خلقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۳۴
۱۰۷	صاحبزادہ مولانا عبد الہادی کی ولادت	۳۵
۱۰۸	امام الاتقیاء حضرت مولانا عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ	۳۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

کلماتِ تشکّر

آج میں اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوں کہ اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمایا۔ چھوٹی عمر ہی میں مجھے اپنے اکابر کے کام میں لگنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ سب حضرت ثانی مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ اُن کی بیعت نے مجھ ایسے حقیر ترین انسان کے قلب و نظر میں انقلاب برپا کر دیا۔ اور دل دماغ کے ویران اور تاریک گوشے اللہ کے نام سے چمکنے لگے۔ زمانۂ طالب علمی کے فوراً بعد سب سے پہلا کام جو خدا نے مجھ سے لیا وہ سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ کے بدر منیر سراج العارفین اعلیٰحضرت مولانا خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کی اشاعت کا تھا۔ یہ عظیم الشان تصنیف لکھنے کی سعادت میرے مخدوم زادہ گرامی قدر میاں خلیل احمد صاحب دین پوری کو نصیب ہوئی جو علمی حلقوں میں حامی عبیدی دین پوری کے نام سے معروف ہے۔

لاہور سے متعلقین و متوسلین کی ایک جماعت ایک دفعہ حضرت اقدس مدظلہٗ کی قیادت میں دین پور شریف حاضر ہوئی تو حضرت ثانی مولانا عبدالہادی دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ہی مسرت کے ساتھ ہمارے حضرت مدظلہٗ کو یہ خوشخبری سنائی کہ میاں خلیل احمد دین پوری نے جس کتاب کو لکھنے کا کام شروع کیا تھا وہ مکمل ہو چکی ہے۔ اس لئے حضرت نے فرمایا کہ اب اس کی اشاعت کا مرحلہ درپیش ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اس پر حلال طیّب مال خرچ ہو۔ گو جماعت

کے کئی متوسلین اور متعلقین نے اسے چھپوانے کی پیش کش کی ہے۔ لیکن میرا دل نہیں
مانتا۔ ہمارے حضرت اقدس مدظلہٗ نے جواباً عرض کیا کہ انشاء اللہ یہ سعادت
ہم حاصل کریں گے۔ اس طرح کتاب کا مسودہ لاہور آگیا حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنی جیبِ خاص سے کتاب کی طباعت کے لیے تین ہزار روپے بھی
عنایت فرمائے۔ اب کسی دیندار اور نیک کاتب کی تلاش شروع ہوئی۔
چنانچہ شادباغ لاہور کے رہنے والے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید
باصفا جناب عبداللطیف صاحب کو کتابت کی سعادت نصیب ہوئی۔

۱۹۷۷ء کے موسم سرما کی ایک یخ بستہ شام کو احقر حضرت رائپوری
رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب مدظلہٗ کی
خدمت میں حاضر ہوا اور کتابت کے مرحلہ سے گذرنے کی تفصیل گوش گذار
کی۔ خطاط پاکستان حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ کتابت کی سرخیاں
لکھنے کی سعادت وہ حاصل کریں گے۔ چنانچہ تمام بڑی سرخیاں اور ذیلی عنوانات
کی فہرست شاہ صاحب کو پیش کی گئی اور حضرت شاہ صاحب نے کمال
شفقت و مہربانی سے اپنی مصروفیات کے باوجود اسے اپنے دستِ مبارک
سے مکمل فرمایا۔ کتاب چھپ کر تیار ہوئی تو جلد بندی کا مسئلہ درپیش تھا کہ
دین پور شریف سے حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشویشناک علالت کی خبر پہنچی
لاہور سے ایک بہت جماعت دین پور شریف روانہ ہوئی جن کے ساتھ یہ
ناکارۂ خلائق بھی تھا۔ غیر مجلّد کتاب ساتھ لیتے گئے۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ
کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا۔ حضرتؒ نے کتاب دیکھ کر اپنی دلی مسرت کا
اظہار فرمایا اور ان حضرات کو بہت دعاؤں سے نوازا جنہوں نے اس کتاب
کی اشاعت میں حصہ لیا تھا۔

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت دین پوری حضرت امروٹی کے بعد اپنے شیخ اور مربّی حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عشق اور لگاؤ تھا۔ اس عشق اور تعلق کی جلوہ فرمائیاں حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں دیکھی جا سکتی تھیں۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عادات و معمولات بالکل حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تھے۔ قدرتی طور پر حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو زندگی میں ایسے ہی حالات و واقعات سے سابقہ پڑا جس طرح کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ کو پیش آئے۔
انجمن خدام الدین لاہور کا عکسی قرآن مجید جو حضرت لاہوریؒ کی زندگی کی ایک خواہش تھی۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری ایام میں اس کی طباعت کا کام شروع ہوا۔ طباعت مکمل ہونے کے بعد ابھی جلد بندی باقی تھی کہ قرآن کا ایک غیر مجلد نسخہ ڈمی کی صورت میں بنا کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا گیا۔ حضرت لاہوریؒ نے اُسے بہت پسند فرمایا اور جن حضرات نے اس کی طباعت میں کسی بھی طرح حصّہ لیا تھا، ان کے لیے بہت دعائیں فرمائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد قرآن مجید کی جلد بندی ہوئی۔ بعینہٖ اسی طرح "ید بیضاء" کے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آیا۔ اس کی جلد بندی بھی حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد عمل میں آئی۔

کتاب کی تکمیل کے بعد اس کی تقریب رونمائی لاہور کے ایک بڑے ہوٹل میں منعقد کی گئی۔ وہاں پر اس کے انعقاد کا مقصد یہ تھا کہ وہ حلقے جو اپنی مخصوص وضع قطع کے سبب مساجد اور مدارس سے دُور رہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہمارے بزرگوں کی تاریخ اور کارناموں سے ناواقف ہیں۔ انہیں مدعو کیا جائے۔ تاکہ ان کے سامنے اکابر کی تعلیمات اور جنگ آزادی کے سلسلہ میں ان کی بیش بہا قربانیوں کا مجمل سا خاکہ پیش کیا جا سکے کہ ان کو پتہ چلے کہ

برعظیم کی آزادی اور پاکستان کا قیام دراصل کسی مغربی تعلیم یافتہ اور گریجویٹوں "سروں خان بہادروں" کی ہی رہین منت نہیں بلکہ ان بوریہ نشینوں کی قربانیوں کا حصہ ان سے کہیں زیادہ ہے۔

اس پُرشکوہ تقریب کی صدارت لاہور ہائیکورٹ کے سابق اور موجودہ فیڈرل شریعت کورٹ کے چیف جسٹس جناب آفتاب حسین نے کی اور شاندار الفاظ میں سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ کی دونوں جلیل القدر ہستیوں قطب العارفین حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوری اور تاج المشائخ حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رحمہم اللہ تعالیٰ کو خراج تحسین پیش کیا۔ جسٹس آفتاب حسین نے کہا کہ ہماری آزادی علمائے حق کی قربانیوں نشینوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ قوم کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی تھی اگر اکابر اہل اللہ کی رہنمائی میسر نہ آتی ہمیں چاہئے کہ علماء ربانی کے کارناموں سے قوم کو روشناس کرائیں۔ ممتاز محقق اور سکالر ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ نے کہا کہ اگر متحدہ ہندوستان کی تاریخ میں ان محسنین کی فہرست مرتب کی جائے جنہوں نے متحدہ ہندوستانی قوم پر احسان کیا ہے تو شیخ التفسیر کے گرامی قدر مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے دونوں شیوخ کا پلہ تمام قومی لیڈروں کی خدمات پر بھاری نظر آئے گا۔ اسلام آباد سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار "مسلم" کے ایڈیٹر اور مشہور شیعہ راہنما جناب آغا مرتضیٰ پویا نے کہا کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ اور ان کے ہم مشرب علماء ان کے استاذ گرامی امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے دونوں مشائخ حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ آسمان ہدایت کے وہ آفتاب و مہتاب ہیں کہ اگر وہ اپنی ضیاپاشیوں سے ظلمت کدہ ہند کو منور نہ کرتے تو آج بھی یہاں تاریکی ہوتی اور شاید ہندوستان انگریز کی غلامی سے

نکلنے والا آخری ملک ہوتا۔ یہ انہی سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلنے والے علماء و فقراء کی جانی و مالی قربانیوں اور فہم و فراست کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان نے نہ صرف سب سے پہلے سامراج سے چھٹکارا پایا اور آزادی حاصل کی۔ بلکہ اس سے تمام دنیا کی مجبور و مقہور اور بے کس اقوام کو ایک ولولہ تازہ ملا۔ تمام محکوم قوموں کی غلامی کی زنجیریں ایک ایک کرکے ٹوٹنے لگیں۔ اور ہندوستان کی آزادی کے بعد سامراج سے آزادی حاصل کرنے والوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور (گریٹ بریٹین) "GREAT BRITIAN" سمٹ کر مائیکرو برٹین "MICRO BRITIAN" میں تبدیل ہو گیا اور آج آئرلینڈ کے باشندوں کے خوابیدہ دماغوں پر بھی ان آزادی پسند اکابر کے گرم اور جوشیلے کی بھاپ پہنچی اور وہ بھی یورپ کے بنیا صفت انگریز سے اپنا حق طلب کرنے لگے۔ تقریب کی ابتداء میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی، پروفیسر محمد اسلم، پروفیسر احمد یار نے اپنی تقریروں اور حضرت احسان دانش نے اپنی نظم سے ان اکابر کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

اس تقریب میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث لاہور کے ممتاز علمائے کرام صحافیوں، پروفیسروں، وکلاء دانشوروں اور بہت سے ایسے لوگوں نے شرکت کی۔ جو غالباً اپنی زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ کسی ایسی تقریب میں شریک ہوئے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان مجاہد اور سرفروش اکابر کی قبروں پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور فرمائے جن کے طفیل ہمیں آزادی ملی اور آزاد قوموں کی صف میں ہم سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہوں۔

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

احقر محمد اجمل قادری عفی عنہ

نائب امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ ، لاہور

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم
صدر پاکستان قومی اتحاد سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد

مسلمان قوم نے ایجادات کی دُنیا میں تو بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اس نے علم وفن کے میدان میں بھی اپنی حیثیت تسلیم کرائی اور یہاں بھی وہ معرکے مارے کہ دُنیا حیران رہ گئی۔ اَن پڑھ اور سادہ لوح لوگوں نے جب معلم اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا اور نبوت کی زبان سے علوم ومعارف کا درس لیا تو ان کی زندگی میں شاندار انقلاب آگیا، ایسا انقلاب کہ وہ پھر خود ساری دنیا کے معلم واستاد بن گئے۔ انہوں نے جگہ جگہ درسگاہیں بنائیں علوم کے مراکز قائم کئے اور ایسے ایسے فنون ایجاد کئے کہ عقل انسانی دنگ رہ گئی۔

انہی فنون میں تاریخ وسیرت کا فن بھی ہے جو بلاشبہ ایک مقدس فن ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کا سفرِ حیات اپنی پوری جزئیات کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔

یہ فن جتنا عظیم ہے اتنی ہی اس میں دیانت وصداقت کی ضرورت ہے کیونکہ اگر انسان ان صفات سے عاری ہو کر یا محبت وعداوت کے خود ساختہ سانچے بنا کر اس فن کے میدان میں سفر شروع کر دے تو پھر یہ فن کہانی اور افسانہ بن کر رہ جاتا ہے جس کی شوخی وجسارت سے دنیا کا کوئی مقدس ترین انسان مقدس ترین جماعت اور مقدس ترین دور بھی محفوظ نہیں رہتا، جب تاریخ و سیرت کے لیے شاعری کا انداز اختیار کر لیا جائے تو پھر ہر وادی میں بھٹکنا مورخ کا مقدر بن جاتا ہے اور وہ رائی کو پہاڑ اور پہاڑ کو رائی بنانے میں

ذرا برابر نہیں ہچکچاتا، لیکن جب ایسا نہ ہو بلکہ وحیٔ الٰہی کی قائم کردہ میزان عدل سامنے ہو تو پھر تاریخ انسان کا بہترین شاہکار قرار پاتی ہے۔

○

بدقسمتی سے ہمارے یہاں یہ فن ایک عرصہ سے بندگان ہوس کی ترکتازیوں کا شکار ہو کر اپنا حسن وخوبی کھو چکا ہے اور عام طور پر اس سے اعتماد اٹھ چکا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میدان میں کام کرنے والے لوگوں نے قلم اٹھاتے وقت ذاتی خواہشات اور معاشرتی ماحول سے متاثر ہو کر اپنی محنت رائیگاں کر دی اور پھر تاریخی کتابوں کے عنوان سے جو الف لیلائی داستانیں سامنے آئیں تو اس پر کسی سلیم الفطرت کے اعتبار و اعتماد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

○

اور ہمارا دور تو اس اعتبار سے بہت ہی تاریک ہے کہ اس میں تاریخ کے نام پر لغو اور بیہودہ قصہ گوئی کا کاروبار اپنے عروج پر پہنچ گیا اور کتابوں کے اس ڈھیر سے حقیقت کا تلاش کرنا کارے دارد کا مصداق ٹھہرا۔

اس کی واضح وجہ ہماری بدلی ہوئی سوچ و فکر ہے جس پر دو سو سالہ دورِ غلامی کا تاریک سایہ پڑا ہوا ہے۔

غیر ملکی سامراج نے اپنے پنجے پوری طرح گاڑنے سے بھی پہلے ہمارے نظام تعلیم کو بدلا اور اس کی بنیاد محض "اپنی ضرورت" رکھی۔ یعنی ایسے افراد کی تیاری جو اس کی مشینری کے پرزے بن سکیں، ظاہر ہے کہ ہماری اور اس کی تہذیب، تمدن، معاشرت، زبان حتیٰ کہ معتقدات تک جدا جدا تھے کچھ لوگوں نے اس کے اس طرزِ عمل کی مزاحمت کی تو اس نے جبر کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس مزاحمت کو کچل دیا اور پھر جب خود ہمارے اندر کی کالی "بھیڑوں" نے اس کے مفادات کا تحفظ شروع کر دیا

اور ہر حال میں مدافعانہ پالیسی اختیار کر لی اور "مرعوبیت" کو زندگی کی معراج سمجھ لیا تو اس کا کام اور آسان ہو گیا۔

○
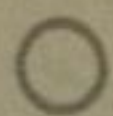
ہمارے علم و تعلیم کے سوتوں کو خشک کر کے اور اپنی من مرضی کے تعلیمی اڈے قائم کر کے اس نے جو زہر ہمارے حلق سے اتارا اس نے ہماری اجتماعی زندگی کو بری طرح مسموم کر دیا۔ بالخصوص تاریخ کا باب تو ایسا مسخ کیا کہ پناہ بخدا، اس نے ہمارے دین دار و دیانت دار اور سراپا خلوص و صداقت قائدین اور رہنماؤں کو لٹیرا، خائن اور بد دیانت ثابت کرنے کی کوشش کی، ہمارے شیر دل مجاہدین کو جو ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنے کو سعادت سمجھتے تھے ظالم و سفاک اور انسانیت کا دشمن ثابت کرنا چاہا، ہمارے علماء و صلحا اور اہلِ علم و دانش کو پست ہمت، حکمرانوں کا خوشامدی اور دربار کے وظیفوں پر پلنے والا طبقہ بتایا اور ہمارے عوام کو بے شعور و اُجڈ ثابت کرنے کی کوشش کی، اس کے قلم سے اورنگ زیبؒ عالمگیرؒ اور ٹیپو سلطانؒ تو کہاں بچتے اس نے صدیق و فاروق علیہما الرضوان کے دامن صحابیت تک کو داغدار کرنا چاہا، اس کی بدزبانی سے سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کیسے بچتے۔ اس نے تو خالد بن ولیدؓ اور محمد بن قاسم تک کو نہ بخشا اور ان کی انسانیت دوستی اور شرافت و خودداری کو داغدار کیا۔ وہ دورِ آخر کے علماء و صلحا کو کیوں کر بخشتا اس کی ناانصافی اور منتقمانہ ذہنیت نے صدر اوّل کی معروف عالم علمی و روحانی شخصیتوں کو نہ بخشا، اور ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ ناول کی زبان میں تاریخ لکھنے والے نادان دوستوں نے دشمن کا کام آسان کر دیا۔

○
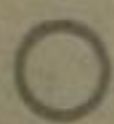
ان ساری چیزوں کے علاوہ جو چیز سب سے زیادہ مصیبت کا باعث بنی وہ یہ تھی کہ تاتاریوں کے ہاتھوں شہر علم و دانش بغداد کے کتب خانوں کی تباہی کے بعد سفید فام درندوں کے ہاتھوں برصغیر کا علمی سرمایہ بُری طرح لٹا کچھ تلف کر دیا گیا تو کچھ یورپ منتقل کر دیا گیا۔ اور پھر اس کو من مانے معنی پہنا کر اور اس کی عبارات میں تحریف کر کے مارکیٹ میں پھینک دیا گیا۔ یہ قوم جس کے ہاتھوں علم کی یہ گت بنی چونکہ تحریف کے میدان میں طاق تھی اور اس کا دست تحریف خدا کی کتاب "انجیل" تک کا حُلیہ بگاڑ چکا تھا۔ اس لیے انسانوں کے ہاتھوں لکھی ہوئی کتابوں کا بدلنا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔

اس طرح ہر فن اپنے قدرتی حسن و نکھار سے محروم ہو گیا۔ اور تاریخ نے تو "پولیس کی ضمنیوں" کی شکل اختیار کر لی۔

اس صورتِ حال کی اصلاح کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ آزادی کی نعمت حاصل ہونے کے بعد اربابِ اختیار و اقتدار اپنے ماضی کی طرف پلٹتے اور اہلِ بصیرت کی ایک ٹیم کو اس مقدس مشن پر لگاتے تاکہ وہ اس بے کنار سمندر میں غوطہ زن ہو کر دور تک گہرائیوں میں جاتی اور وہ موتی نکال کر لاتی جو ہماری ملی روایات کی چمک لیے ہوتے۔

لیکن چونکہ یہ طبقہ "نیرنگیِ سیاستِ دوراں" کے پیشِ نظر عظمتوں کے مصنوعی تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ اور حقیقی عظمت سے محروم تھا اس لیے اس نے اس میدان میں جو اہتمام کیا اس سے شرفِ انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔

○
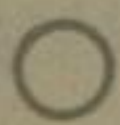
پھر اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو تو کیسے؟ اور تاریخ و سیرت کا واقعی حسن و نکھار سامنے آئے تو کیونکر؟ میرے خیال میں اس کی یہی صورت تھی اور ہے

کہ تاریخی عظمتوں کا وارث طائفہ منصورہ غیر سرکاری طور پر ایک اکیڈمی و ادارہ کا اہتمام کرتا اور باصلاحیت و باہمت نوجوانوں کی ایک کھیپ کو اس کام پر مامور کرتا کہ وہ زمین کی وسعتوں کو ناپے اور آسمان کی رفعتوں تک سفر کرے اور اپنے عظیم المرتبت اسلاف کے حسین کارنامے جہاں کہیں اسے جگمگاتے نظر آئیں انہیں سلک مروارید میں پروکر ایک قیمتی ہار و مقدس تحفہ قوم کے حضور پیش کر دے۔

اس انداز سے اگر کام ہوتا تو جھوٹ و بد دیانتی کا کاروبار کبھی کا دم توڑ چکا ہوتا اور قلم کے بیوپاری اپنے دلوں کی سیاہی کاغذوں پر نہ بکھیر سکتے۔ لیکن اسے مرعوبیت کہیئے یا تن آسانی کہ ایسی کوئی اجتماعی کوشش نہ کی گئی اور بازار صحافت کے ہاتھوں بار بار زخم کھانے کے بعد بھی اس کا اہتمام نہ کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ جو "علیٰ کل شیٔ قدیر" کی شان کا مالک ہے اور جو باطل کے تاریک ماحول میں حق کی شمع جلا کر بارہا اس دنیا سے اپنی عظمت و کبریائی کا اعتراف کروا چکا ہے اس نے انفرادی طور پر کچھ نوجوانوں کو اس طرف متوجہ کر دیا تاکہ وہ کمر ہمت باندھ کر ماحول کی تاریک چادر کو تار تار کر دیں اور اس کی جگہ وہ سفید و براق چادر تن دیں جو ہماری عظمت رفتہ کی آئینہ دار ہو۔

انہی نوجوانوں میں ایک ہمارے مخدوم زادہ جناب خلیل احمد حامی عبیدی ہیں جو برصغیر کی مشہور عالم خانقاہ دین پور شریف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت المخدوم الشیخ مولانا عبد الہادی دام مجدہم کے فرزند سعید اور لخت جگر ہیں۔

آں عزیز نے اپنے جد بزرگوار اور ہم سب کے مخدوم و محترم حضرت الشیخ مولانا غلام محمد صاحب دین پوری قدس اللہ سرہٗ کی سوانح حیات پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا۔ تو اپنے پیر و مرشد اور اپنے دادا بزرگوار کے فیض یافتہ حضرت الامام مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ سے اپنے ارادہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے ایک

مختصر مکتوب گرامی کے ذریعہ اس خیال کو اپنی آرزو و مراد قرار دے کر عزیز موصوف کو ہمت دلائی اور وہ اس کام میں لگ گئے۔ حامی صاحب نے طویل عرصہ کی جد وجہد کے بعد سرزمین جھنگ کے اس مردِ حق آگاہ جس نے خانپور کے مرکزی شہر کے قریب خونخوار درندوں کے مسکن میں ذکر الٰہی کا غلغلہ بلند کر کے دین پور شریف کی اسم بامسمیٰ بستی بسائی۔ کی سیرت و سوانح پر قلم اٹھایا تو شاید انہیں احساس ہوا کہ یہاں مسئلہ محض ایک ذات کا نہیں بلکہ ایک ایسے سلسلہ کا ہے جو تعلیم و تربیت خانقاہی کے ساتھ ساتھ جہاد و مجاہدہ کی زندگی کا خوگر ہے یہ سلسلہ حکیم الاسلام العارف الامام ولی اللہ الدھلوی قدس سرہٗ کی فکر و سوچ کے ترجمان اور جماعت ربانی کے سرخیل حضرت الامام الشیخ محمود حسن دیوبندی کی عالمگیر تحریکِ آزادی کا دوسرا نام ہے یہ سلسلہ کابل دیاغستان سے لے کر حجاز تک پھیلا ہوا اور دین پور شریف اس کا ایک اہم مرکز اور بانی بستی دین پور اس کا ایک ذمہ دار جرنیل تھا۔

اس احساس کے بعد حامی صاحب نے اس سلسلہ کے مالہ وما علیہ کو اپنی قلم کی لپیٹ میں لیا اور اپنے دادا ابا کی شخصیت و کردار اور خدمات دینی و ملی کے ساتھ ساتھ ان کے اکابر و شیوخ، احباب و رفقاء اور تلامذہ و معتقدین کی سیرت و کردار کا ایسا خوبصورتی سے تعارف کرایا جس کی ایک بلند عزم نوجوان سے توقع تھی۔

○

خاندانی و روحانی تعلق کے باوجود قلم جادہ اعتدال سے نہیں ہٹا اور عزیز موصوف نے کمال حزم واحتیاط کے ساتھ پوری سادگی سے واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب محض حضرت الشیخ العارف دین پوری کا تذکرہ ہی

نہیں رہی بلکہ ایک عہد و زمانہ کا تذکرہ بن گئی ہے۔

وہ عہد جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں . . . .

وہ عہد جب حق بات کہنا انگاروں سے کھیلنا اور موت کے منہ میں جانا تھا

وہ عہد ایسا تھا کہ اس میں ایک طرف منڈی و بازار میں انسانی ضمیر کی بولی ہو رہی تھی اور ایک طبقہ سر، خان بہادر اور اس طرح کے سامراجی خطابات کے ذریعہ اپنی قیمت وصول کر رہا تھا تو دوسری طرف علماء و صلحاء کی کھوپڑیوں سے محل تعمیر ہو رہے تھے۔ اور ان کے وجودِ پاک کو خنزیر کے چمڑوں میں سی کر زندہ جلایا جا رہا تھا اور ان میں سے ایک ایک فرد کو نصف نصف من لوہا میں باندھ کر عبور دریائے "شور" کی سزائیں دی جا رہی تھی اور ملکی جیلوں کے علاوہ مالٹا کے عقوبت خانے ان سے آباد کئے جا رہے تھے۔

اس عہد ستم میں دین پور شریف کے اس "قادری شیخ طریقت" نے ذکر و فکر میں مشغول درویشوں کو اسلحہ و بارود سازی پر لگایا اور انہیں جہاد کی عملی ٹریننگ دی۔

افسوس سرزمین ملتان کا ایک نوابزادہ قوم کی غلامی کی زنجیروں کو مزید مضبوط کرنے اور دورِ غلامی کو مزید طوالت دینے کا باعث بن گیا اور اس نے "ریشمی رومالوں" کے پیغام کا راز فاش کر کے وقتی منافع تو حاصل کر لئے لیکن اپنی عاقبت برباد کر لی۔ اس راز افشانی کے بعد "محرم راز" لوگوں کو جن مشکل وادیوں سے گزرنا پڑا وہ ظلم و بربریت کا انتہائی تاریک باب ہے لیکن وہ بلا نوشان محبت

"الحمد للہ کہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"

کہہ کر مرضی مولیٰ پر راضی ہر مصیبت خندہ پیشانی سے جھیلتے رہے اور دنیا پر ثابت کر گئے کہ ؎

عشق و آزادی متاعِ زیست کا سامان ہے
عشق میری جان آزادی میرا ایمان ہے

یہ کتاب اسی عہدِ ستم کا تذکرہ ہے ۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ خانقاہ نشینوں نے دینی انقلاب کی خاطر کیا کچھ کیا ؟ یقین کیجئے کہ آج اگر انگریز نہیں تو یہ انہی حضرات کی طویل جد و جہد اور قربانیوں کا ثمرہ ہے۔

اس اعتبار سے ہمارا فرض ہے کہ ہم آزادی کے ان متوالوں کے تذکروں سے ظلمت کدہ عالم کو منور کریں کہ وہ ہمارے محسن ہیں اور ان کا احسان ناقابلِ فراموش ا

حامی صاحب نے بارش کا پہلا قطرہ بن کر تن آساں لوگوں کو دعوت ایثار دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان کی محنت ضرور رنگ لائے گی اور یہ مقدس عمل انفرادیت سے اجتماعیت کا روپ دھارے گا اور پھر یہی تاریخ کا خزینہ ہمارے ہاتھوں میں ہو گا۔

میں اپنے محترم بزرگ حضرت میاں عبدالہادی صاحب مدظلہٗ اور ان کے بزرگوار والد قدس سرہٗ سے اپنی نسبت قائم کر کے سعادت کے حصول کی نیت سے یہ چند سطور لکھ رہا ہوں ورنہ " صاحب تذکرہ " کے متعلق اس لیے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آئندہ ساری کتاب اسی شخصیت کے محور پر گھومتی ہے۔ اللہ تعالیٰ میاں صاحب قبلہ کو ہماری سرپرستی کی خاطر تادیر صحت و سلامتی سے زندہ رکھے اور ہم سب کو ان کے فیوض سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے ۔ نیز حامی صاحب کی اس سعی و کوشش کو قبول فرمائے اور انہیں مزید ہمت بخشے کہ وہ نقشِ اول کے بعد نقشِ ثانی کی تیاری میں لگ جائیں کیونکہ اس تحریک اور اس کے مراکز پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

16.6.78

اِنتساب

اپنے مُرشد و مربّی (رحمۃ اللہ علیہ) کے اس مکتوب گرامی کے نام۔
جس نے مجھے اس کام کی تکمیل کا نیا عزم اور ولولہ عنایت کیا۔

عزیز القدر سلمکم اللہ تعالیٰ - از احقر الانام احمد علی عفی عنہ : السلام علیکم ورحمۃ اللہ
جس کام کا آپ نے ارادہ کیا ہے "وہ میرے دل کی بات ہے" اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق
عطا فرمائے کہ اسے تکمیل تک پہنچائیں۔ مَیں اسقدر عدیم الفرصت ہُوں کہ کام بہت
اور وقت تھوڑا ہے۔ علاوہ اس کے مسلسل جلسوں کی شرکت کے وعدے۔ آج
یوم الخمیس کی عصر کے بعد یہ خط دیکھا اور جواب لکھ رہا ہُوں اور کل انشاءاللہ تعالیٰ جمعہ
کی شام کو سفر پر چلا جاؤں گا۔

جب دین پور شریف حاضر ہُوں گا۔ اس وقت وقت ملا تو کچھ عرض کر دوں گا

۸ رمارچ ۱۹۵۶ء

ناچیز
حاؔمی عُبیدی

حرفِ آغاز

یہ دور کسی ایک فرد کا نہیں ہے۔ شخصیات پرستی کا زمانہ بیت چکا ہے اور وقت نے اپنے انداز بدل لیے ہیں۔ تاریخ کا تیز رو دھارا، اب شخصیات (شہنشاہوں اور فاتحوں) کی سمت سے مُڑ کر اجتماعیت، ملک و ملّت اور پُوری انسانیت کے لیے رواں دواں ہے تاریخ و سوانح کے اسلوب بدل گئے ہیں۔ اب کوئی انسان عظیم نہیں ہے۔ کوئی فرد غیر فانی نہیں ہے اور کوئی ہستی ضروری نہیں ہے۔ قوم اور اجتماعیت سب کچھ ہے۔ معاشرہ اور جماعت کو اوّلیت حاصل ہے۔ اب کوئی "بڑا آدمی" اس لیے بڑا نہیں کہ وہ کسی بڑے خاندان کا فرد۔ یا کسی بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ تاریخ اس کے "بڑے پن" کے لیے۔ اس سے خدمات اور کارنامے طلب کرتی ہے جو اس نے اپنی زندگی میں اجتماعیت اور انسانیت کے لیے انجام دیئے تھے۔
اور یہی ایک ایسا ترازو ہے، جس کے پلڑے میں وقت کے سب سے بڑے اُمرا اور قاہر ہلکے رہ جاتے ہیں اور کوئی بوریا نشین، درویش تاریخ کے اس میزان کو جھکا دیتا ہے۔ دراصل یہی وہ عظیم انسان اور غیر فانی ہستیاں ہیں۔ جن کے روشن کارنامے اور خدمات ہماری ملّی تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہیں اور کوئی مورّخ ان کو ملّت سے علیحدہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ اس سے جدا ہو سکتے ہیں۔ یہ عظیم انسان تاریخ کا ایک حصّہ بن چکے ہیں۔ ان کی حیات جماعت کے لیے وقف تھی جماعت ہی میں ضم ہوگئی۔ ع "وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے"
چنانچہ انہی شخصیات کی سیرت، تاریخ یا سوانح درحقیقت ایک پورے عہد ایک مکمل دَور کا

تاریخی آئینہ ہوتے ہیں۔

بدقسمتی سے ماضی میں ہم اپنے اسلاف کو عقیدت۔ محبت و احترام کی جس یک رنگی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے۔ یقیناً اس سے ان کی مذہبی، دینی و روحانی کمالات کا اعتراف تو ہوتا تھا۔ مگر ان کی مجلسی، اجتماعی سیاسی و ملی خدمات ہمیشہ عوام الناس کی نگاہوں سے اوجھل رہی ہیں۔ ہم اپنے بزرگوں کے مافوق البشر کارناموں اور کرامات پر سر دھنتے رہے۔ مگر ان کی زندگی کے حقیقی کارناموں، معاشرہ اور ملک و ملت پر ان کے اثرات کا جائزہ نہیں لیا۔ یہ ایک تاریخی سانحہ ہے۔ جس سے ہماری تاریخ اپنے بہت سے مشاہیر کرام کی سیاسی و ملی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں کے باوجود ان کو خراج تحسین ادا نہیں کر سکی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ دیکھ لیجئے۔ ہمارے مورخ نے غزنوی، غلاماں، تغلق، لودھی، سوری اور مغل سلاطین کی تعریف میں کیا کچھ نہیں لکھا۔ لیکن ان کی حکومتوں کے استحکام، اس زمانہ میں معاشرہ کی اصلاح و تربیت اسلام کی نشر و اشاعت، اور حکومت الٰہی کے قیام میں حضرت داتا گنج بخشؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادہ کے علماء و صلحاء کے حقیقی زرین کارناموں اور ان کے سیاسی اور مجلسی کردار پر آ کر اس کا قلم رک گیا۔ تاریخ خاموش ہو گئی۔

سراج السالکین حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کی باکمال شخصیت بھی، درحقیقت انہی اسلاف کرام کے زمرہ میں آتی ہے، جنہوں نے ملک و ملت کی تاریخ بنانے میں، اپنے اپنے وقت اور دور میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جنہیں زمانہ یاد رکھے گا اور مستقبل اُن کی عظیم قربانیوں اور خدمات کا مرہون احسان ہوگا۔

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی خدوخال اور زندگی کے نقوش صرف ایک فرد

کی زندگی کے عکاس نہیں ہیں۔ آپ دیکھیں گے، یہ ایک جماعت اور اپنے ملک و ملت کی صد سالہ تاریخ ہیں۔ فرد کی کہانی نہیں ہے۔ پورے دور کی داستان ہے۔ جس میں شریعت و طریقت سیاست و خدمت، علم و معرفت اور تنظیم و اصلاح مختلف عنوان ہیں۔ جو اس درویش حق پرست شریعت و طریقت کے جلیل الشان پیکر اور بطلِ حریت کی داستانِ حیات میں رنگ بھرتے جاتے ہیں۔

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کی اشاعت وقت کی ایک اہم ضرورت تھی جو ایک طویل عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی اور میرے دل کی تڑپ بن کر رہ گئی تھی۔ جماعت کے جن بزرگوں سے بات کی۔ انہوں نے نہ صرف اس نیک کام کے آغاز کو سراہا، بلکہ بھرپور تعاون اور مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔ دعاؤں اور نیک خواہشات سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ مَیں قطعی اس سعادت کے قابل نہ تھا۔ مگر مقدر کی بات ہے اپنی علمی کم بضاعتی اور فنی بے مائیگی کے باوجود یہ اولین سعادت میرے حصہ میں آئی۔ مَیں اس دشوار گذار وادی کا راہرو نہ تھا مگر اپنے مرشد حضرت لاہوری قدس سرہ العزیز کی باطنی توجہ اور دعائے مستجاب سے اس منزل کو طے کر لیا ہے۔

ع یہ نصیب، اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حامی عُبیدی

دین پور شریف

۳۱ رجون ۱۹۷۶ء

پیش لفظ

فرنگی سامراج برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں دو سو سال تک فیصلہ کن عمل دخل اور کلی اقتدار کا حامل رہنے کے باوجود وہ مقاصد کلیتہً حاصل کرنے میں کیوں ناکام رہا ہے جن مقاصد کے حصول کی منزل سے اندلس میں اس سے بہت کم مدت میں وہ ہمکنار ہو گیا تھا؟

یہ سوال آج تاریخ کے ایک طالب علم اور ملی تحریکات کے ایک سکالر کے لیے وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔

آج کے مؤرخ نے اس سوال سے پیچھا چھڑانے کے لیے جس قدر مصلحتوں، حیلوں اور لیپا پوتی سے کام لیا ہے یہ سوال اس سے کہیں زیادہ شدت اور توانائی کے ساتھ اسکا دامنگیر ہے اور وہ وقت دور نہیں جب مؤرخ کو وقت کی عدالت کے کٹہرے میں سقراط کی سی معصومیت کے ساتھ سچائی کے زہر کا پیالہ پینا پڑے گا۔ اور پھر دُنیا چشمِ حیرت سے یہ نظارہ دیکھے گی کہ شخصیات و طبقات کے چہروں پر ڈالے گئے غداری و وفاداری کے جبری نقاب دائرۂ جبر سے حیطۂ اختیار میں منتقل ہونے کے بعد کتنی عجلت کے ساتھ قلب مکانی کرتے ہیں۔ اس سوال کی پیچیدگی اور الجھنوں کا پس منظر بھی بڑا طویل مگر دلچسپ ہے۔ اور اس کی حیثیت و نوعیت کو تبدیل کرنے کی ناروا مساعی نے اس پیچیدگی اور الجھن میں چند در چند اضافہ کر دیا ہے ورنہ اگر سادہ اور فطری

انداز سے اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور حالات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو نئی نسل کو کسی الجھن کے بغیر ماضیٔ قریب کی دو صد سالہ ملی تحریکات کے فکری و عملی عوامل و محرکات کے ادراک سے بہرہ ور کیا جا سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ فرنگی سامراج جسے صلیبی سامراج کے عنوان سے یاد کرنا زیادہ قرینِ انصاف ہوگا جن مقاصد کے لیے اس برِّعظیم میں وارد ہوا اور طویل ریشہ دوانیوں کے بعد اس نے یہاں کی مضبوط مسلم مغل حکومت کا تیا پانچہ کر کے ایوان اقتدار پر قبضہ جمانا تھا وہ مقاصد کیا تھے؟

اگر ہم ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت اور اس کے بعد براہِ راست تاج برطانیہ کی عملداری کے دوران فرنگی حکمرانوں کی پالیسیوں اور ان کی بتدریج پیش قدمی کرنیوالی حکمت عملی کا تجزیہ کریں تو ہمیں اجتماعی زندگی کا کوئی بھی شعبہ ان کی درازدستیوں سے پاک نظر نہیں آئے گا۔ آیئے ذرا مختلف شعبہ ہائے حیات پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے چلیں۔

سیاسیات میں انہوں نے برصغیر کی سب سے بڑی سیاسی قوت "ملّتِ اسلامیہ" کو غیر مؤثر بنانے، بکھیرنے اور پس منظر میں لے جانے کی حکمتِ عملی اختیار کی اور برصغیر کے اقتدار سے دستبردار ہونے کے آخری مرحلہ تک ان کی تمام تر پالیسیوں کی بنیاد یہی حکمتِ عملی رہی۔

معیشت و اقتصادیات میں انہوں نے صدیوں سے چلے آنے والے نظام کو جس سے برصغیر کے عوام مانوس تھے یکسر الٹ پلٹ کر رکھ دیا زمین کو ٹوڈیوں میں تقسیم کر کے بڑی بڑی جاگیرداریاں قائم کیں اور مقامی صنعت و حرفت اور تجارت کی مسلسل حوصلہ شکنی کر کے اس خطۂ زمین کو برطانوی مصنوعات کی کھپت کے لیے ایک موزوں منڈی

اور خام مال کوڑیوں کے مول حاصل کرنے کا ایک مفید مطلب اڈہ بنایا۔

• نظم و نسق کے شعبے میں نوکر شاہی کو کلیدی حیثیت دی۔

• قانون و انصاف کے محاذ پر فقہ حنفی کے سادہ اور سہل الحصول اسلامی نظامِ انصاف کو ختم کر کے ایک ایسا پیچیدہ قانونی نظام مسلط کر دیا جس نے معاشرہ میں جرائم کی بیخ کنی کی بجائے ان کی افزائش کا سامان فراہم کیا اور مجرمانہ اذہان نے اس ادھورے اور ناقص نظامِ انصاف میں موجود چور دروازوں سے گزر کر معاشرہ کو اخلاقی انارکی، قتل و غارت بدامنی اور چوری وغیرہ کا خوگر بنا دیا۔

• تعلیمی میدان میں لارڈ میکالے کے بقول ہندوستانیوں کو ذہناً فرنگی بنا دینے کی پالیسی پر تمام تر تعلیمی نظام کی عمارت استوار کی گئی۔

• معاشرت و تمدن میں مشرق کی روایتی شرم و حیا اور غیرت و عصمت کے خاتمہ اور مغرب کی طرح بے باک مخلوط اور عفت و عصمت کے تصور تک سے محروم معاشرہ کی تشکیل کے لیے تمام تر وسائل وقف کر دیئے گئے۔

• عقائد و افکار کے باب میں فرنگی حکمرانوں نے مسلمانوں کی راسخ العقیدگی کو سبوتاژ کرنے کے لیے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے درجنوں فتنے کھڑے کیے انکارِ حدیث اور توہینِ صحابہؓ سے لے کر انکارِ ختمِ نبوت اور انکارِ معجزات تک تمام فتنے فرنگی ذہن ہی کی اختراع ہیں جن کا مقصد مسلمانوں کے ذہنوں میں پہلے سے موجود عقائد و افکار کی مضبوط فصیلوں کو توڑ کر اپنی مرضی کے فکری و نظری حصار قائم کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

فرنگی سامراج کی کارستانیوں کی فہرست بے حد طویل ہے لیکن مذکورہ بالا چند امور کو سامنے رکھ کر ذرا غور فرمایئے اور پھر برصغیر میں فرنگی کی آمد کے مقصد کا تعین کرنے کی

سعی فرمایئے آپ کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ کہ صلیبی سامراج اندلس والے تجربہ کو دُھرانا چاہتا تھا اور اس کی تمام تر کوششوں اور جدوجہد کا محور مسلسل دو صدیوں تک یہی ایک نکتہ رہا ہے۔

لیکن کیا صلیبی سامراج کو برصغیر میں اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی؟ فرنگی مؤرخین برصغیر کو سیاسی، تعلیمی، تہذیبی، اقتصادی اور قانونی شعبوں میں شعور بخشنے اور ترقی سے ہمکنار کرنے کے جتنے بھی بلند بانگ دعوے کریں اور فرنگی کے چلے جانے کے بعد سیاسی، اقتصادی، انتظامی اور قانونی قوتوں کے سرچشموں پر فرنگی کی معنوی اولاد کے ناروا قبضہ کے باعث فرنگی کی فتوحات کا دائرہ جتنا بھی وسیع نظر آئے لیکن اس حقیقت کو جھٹلانے کا کسی کو یارا نہیں کہ برصغیر میں مضبوط ردعمل اور ناقابلِ شکست روکاوٹوں کے باعث فرنگی اپنی حکمت عملی کو پچاس فی صد بھی عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔

کیا کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ ایک بے سروسامان گروہ کامل دو صدیوں تک فکر و عمل کے تمام شعبوں میں فرنگی سامراج کی تمام تر قوت و حشمت کے باوجود اس کی یلغار کے سامنے سدّ سکندری بنا رہا ہے؟ اور آج بھی فرنگی کی حکمت عملی اور پالیسیوں کو جاری رکھنے والے دیسی فرنگیوں کے سامنے درویشوں کا وہ گروہ اپنی تمام تر بے سروسامانی اور کسمپرسی کے باوجود سینہ تانے کھڑا ہے۔

فرنگی نے برصغیر کو مستقل نوآبادیاتی حیثیت دینا چاہی تھی لیکن ان قلندروں نے کباب میں ہڈی ڈال دی۔ سرنگاپٹم۔ بالاکوٹ، دہلی، شاملی، انبالہ، بنگال، بلوچستان، سندھ، سوات، افغانستان اور آزاد قبائل میں فرنگی فوجوں سے

دو بدو پنجہ آزمائی کی تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت، تحریکِ ہجرت، تحریک ترکِ موالات بائیکاٹ اور تحریکِ حریتِ کامل جیسی تحریکیں منظم کر کے بالآخر فرنگی کو بوریا بستر گول کرنے پر مجبور کر دیا۔ فرنگی نے نظامِ تعلیم تبدیل کر کے بزعم خوایش مستقبل میں اسلامی تعلیم و تدریس کا راستہ روک دیا تھا لیکن ان فقیر منش انسانوں نے متوازی نظامِ تعلیم کی عمارت کھڑی کر دی اور امدادِ باہمی کی بنیاد پر پورے برصغیر میں دینی مدارس کا جال بچھا دیا۔

فرنگی نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اسلامیانِ برصغیر کو ختمِ نبوت، اطاعتِ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حجیتِ حدیث اور دیگر بنیادی عقائد سے منحرف کرنے کی منظم کوشش کی لیکن درویشوں کا یہ قافلہ آج بھی خدا کے فضل و کرم کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کی اکثریت کو ان فرنگی فتنوں کے اثرات سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ فرنگی نے اسلامی طرزِ معاشرت، لباس، زبان، وضع قطع اور بود و باش کو قصۂ ماضی بنا دینے کے لیے بہتیرے جتن کیے لیکن دیوانوں کے اس گروہ نے اس سے زیادہ شدت کے ساتھ ان چیزوں کو سینے کے ساتھ لگائے رکھا اور آج بھی برصغیر میں معتدبہ تعداد میں مسلمانوں کا ایسا طبقہ موجود ہے جو پورے شعور اور افتخار کے ساتھ اسلامی معاشرت، لباس، وضع قطع اور زبان کو اپنا سرمایۂ حیات سمجھ کر اس کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔

غرضیکہ کوئی شعبۂ حیات ایسا نہیں ہے جس میں قلندروں کے اس بے سر و سامان کاروان نے قوت و حشمت کے مالک فرنگی سامراج کا مقابلہ کر کے اسے پسپائی پر مجبور نہیں کیا۔ لیکن ستم ظریفی کا المناک مظاہرہ دیکھیے کہ آج کا مؤرخ ان درویشوں کا نام لیتے ہوئے شرماتا ہے جھجکتا ہے بلکہ تنہائی میں بھی ان کا خیال آجانے پر گھبراہٹ کے ساتھ بے ساختہ گرد و پیش نگاہ دوڑاتا ہے کہ کسی نے اسے ان دیوانوں کے بارے میں سوچتے ہوئے

دیکھ تو نہیں لیا؟

آج کے مورخ کی یہ مجبوری ہے کہ وہ آپ کو امام ولی اللہ دہلوی اور ان کے عظیم خانوادہ کی ملی و دینی خدمات سے آگاہ نہیں کر سکتا اس کے قلم میں نئی نسل کو یہ بتانے کی سکت باقی نہیں رہنے دی گئی کہ سراج الدولہؒ اور ٹیپو سلطانؒ کے ساتھ کیا المیہ پیش آیا تھا؟ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کی وادی میں مظلوموں کا خون کس قصور میں بہایا گیا تھا؟ ۱۸۵۷ء میں ملک کے طول و عرض میں ہنگاموں کا مقصد کیا تھا اور اس کے بعد مسلمانوں بالخصوص علماء کرام پر وحشت و بربریت کی قیامت کیوں برپا کی گئی تھی؟ بنگال کے حاجی شریعت اللہؒ تیتو میرؒ اور دودو میاںؒ کون تھے؟ سندھ کے عظیم راشدی روحانی خانوادہ کے نامور فرزندوں نے کیا کارنامے سرانجام دیئے تھے اور لاکھوں مسلح حُروں کو منظم کرنے اور انہیں فرنگی سامراج کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے میدان میں کیوں اتارا گیا تھا؟ آزاد قبائل میں آزادی کے وقت تک جنگ جاری رہنے کا پس منظر کیا ہے؟ تحریکِ خلافت، تحریکِ ریشمی رومال، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ہجرت اور تحریکِ حریتِ کامل کے قائدین کون تھے؟ اور ان تحریکات کے مقاصد کیا تھے؟ دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ الانصار، جامعہ ملیہ، نظارۃ المعارف، دارالارشاد سندھ اور ان جیسے اداروں کا ملت اسلامیہ کی فکری و عملی راہ نمائی میں کیا کردار رہا ہے؟ قادری راشدی خاندان اور دوسرے روحانی سلسلوں کی خانقاہوں نے برصغیر میں ملت اسلامیہ کے تشخص اور اس کی سیاسی و نظریاتی قوت کو بچانے کے لیے کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنی زندگی کا بیش قیمت حصہ دشت و دشت کی خاک چھاننے میں کیوں صرف کیا؟ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

اور ان کے رفقاء کو جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دینے کی وجوہات کیا تھیں؟

آج کا مؤرخ اپنی ملی ذمہ داری کے باوجود ان سوالات کا جواب دینے سے گریز کر رہا ہے اس کے برعکس اس نے آزادیٔ برصغیر کی جو داستان وضع کی ہے اور اس نگارستان میں جن چہروں کو سجانے کی کوشش کی ہے ان کی جبینوں پر بارگاہِ اقتدار میں کیے گئے سجدوں کے نشانات مٹانے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکا اور ان کے دامن میں بدیشی حکمرانوں کے پھینکے ہوئے سکوں کی کھنکھناہٹ شعور کے کان آج بھی سن رہے ہیں۔ ایسے میں کوئی شخص اگر آگے بڑھ کر مصلحت اور جھوٹ کے پردوں کو سرکانے اور ان کے پیچھے چھپائے گئے حقائق کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو اس جرأت کی داد نہ دینا یقیناً ناانصافی میں شمار ہو گا۔

زیرِ نظر کتاب بھی اسی قسم کی جرأت وجسارت کا ایک خوشگوار مظاہرہ ہے اور برادرِ مکرم حامی عبیدی صاحب بجا طور پر تبریک و تحسین کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے قافلۂ حق و صداقت اور کاروانِ حریت و استقلال کے ایک عظیم سرخیل سراج الاتقیا امام العارفین حضرتِ اقدس مولانا غلام محمد دین پوری قدس اللہ سرہ العزیز کی مقدس زندگی کو نئی نسل کے سامنے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور بیش بہا معلومات کا ذخیرہ جمع کر کے قادری راشدی خاندان کی مفصل اور مبسوط تاریخ کے لیے ایک مبسوط اساس فراہم کر دی ہے۔

موصوف نے پیشِ خدمت کتاب میں بظاہر حضرت اقدس دین پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات زندگی پر بحث کی ہے لیکن درحقیقت ایک پورے دور اور تحریک کے نقوش کو اجاگر کر دیا ہے۔ حامیؔ صاحب کی یہ کاوش بلاشبہ حریت و استخلاص کی

تاریخ کے لیے ایک اشاریہ کا کام دے گی اور حقیقت پسند مؤرخ اس سے استفادہ کرتے ہوئے تاریخ کے چہرے پر مسلط کئے گئے نقاب نوچ ڈالنے میں یقیناً کامیاب ہوگا۔

حق تعالیٰ حامؔی صاحب محترم کی اس کاوش کو قبولِ عام عطاء فرمائیں اور ایسے اسباب پیدا فرمادیں کہ اکابر اہلِ حق کے کارناموں سے نئی نسل کو کماحقہٗ آگاہ کیا جا سکے۔

آمین یا الہ العالمین!

عبید اللہ انور

از حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

امیر انجمن خدام الدین لاہور

نقشِ حیات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

مولانا ابوالسراج خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری مرحوم : مرحوم موضع دین پور علاقہ خان پور، ریاست بہاولپور کے باشندے اور حضرت حافظ محمد صدیق صاحب (بھرچونڈوی) کے خلیفہ اوّل تھے۔ ان اطراف میں ان کی بہت شہرت تھی، بہت زیادہ لوگ ان سے بیعت ہو کر مستفید ہوئے۔ دین پور شریف بھی اس تحریک آزادی کا مرکز ثانوی تھا۔ جس کے صدر خود مولانا ابوالسراج صاحب موصوف تھے، آپ کے صاحبزادے اور خدام مشن کے ممبر تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق مولانا عبیداللہ صاحب کے ذریعے سے پیدا ہوا اور انہیں کے ذریعے سے مشن کی تحریک میں شریک ہوئے۔ چونکہ مولانا عبیداللہ صاحب کے پیر بھائی اور ان کے پیر و مرشد مرحوم کے خلیفہ تھے اس لیے آپس میں بہت زیادہ تعلق اور ارتباط تھا۔ مولانا عبیداللہ صاحب کابل جاتے وقت اپنی صاحبزادی کو انہیں کی کفالت میں چھوڑ گئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد مولانا ابوالسراج مرحوم نے ان سے عقد نکاح کر لیا، جن سے صاحبزادہ پیدا ہوا۔ وہ اب نہایت صالح جوان ہیں۔ "ریشمیں خط" آپ کے پاس بھی پہنچا تھا۔ انقلاب کی تیاری کے جملہ سامان یہاں جمع کر

لیے گئے تھے اور مزید کوششیں جاری تھیں کہ فوج کی بڑی مقدار اسٹیشن خان پور شام کو پہنچی، وہاں کے مخلصین نے فوراً یہاں مرکز میں خبر کر دی۔ راتوں رات میں تمام سامان رائفلیں کارتوس وغیرہ منتشر کر دیا گیا۔ صبح کو جب افسر انگریز معہ فوج دین پور پہنچا اور تفتیش کی تو کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ریشمی خط کو بھی تلاش کیا۔ وہ ایک ڈبہ میں بچوں کے کھلونوں کے نیچے رکھا ہوا تھا انگریز افسر نے اس ڈبہ کو اٹھایا مگر اوپر کے کھلونوں کو دیکھ کر رکھ دیا۔ غرضیکہ کوئی چیز جس کی مخبروں نے خبر دی تھی اور کوئی مشتبہ چیز پائی نہ گئی۔ فوج آنے کی خبر اطراف و جوانب میں پھیل گئی تو ہزاروں آدمی جمع ہو گئے اس لیے دین پور میں گرفتار نہ کر سکے۔ افسر نے استدعا کی چونکہ ہمارا بڑا افسر خانپور میں رہ گیا ہے، اس لیے آپ خانپور تشریف لے چلیے اور اس سے گفت گو کر لیجیے۔ وہاں جانے پر کہا کہ یہاں معلوم ہوا کہ وہ بہاولپور چلا گیا ہے، اس لیے بہاولپور تشریف لے چلے، پھر وہاں سے پنجاب لے گئے اور غالباً جالندھر میں نظر بند کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کسی ثبوت کے نہ ہونے اور عوام کے اشتعال کی بناء پر چھوڑ دیئے گئے۔ موصوف مرحوم کے کئی صاحبزادے نیک اور جوان صالح ہیں، دار العلوم دیوبند میں علم حدیث وغیرہ پڑھا ہے۔ بڑے صاحبزادے مولانا عبد الہادی صاحب گدی نشین ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ و ارضاہ۔

("نقشِ حیات" جلد دوئم صفحہ ۱۹۵)

خاندان

○

مغل بادشاہ "ہمایوں" نے اپنے کھوئے ہوئے پایہ تخت دہلی پر جب لشکر کشی کی تھی تو اس کے ہمراہ مشہور بلوچ سردار میر چاکر خان رند کی قیادت میں نواح مکران و سیستان سے آئے ہوئے دس ہزار جنگجو بلوچ موجود تھے۔ بہادر بلوچوں نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اور شکست خوردہ سلطان کو دوبارہ دہلی کا تاج و تخت مل گیا۔ اس عظیم کامیابی کے بعد ہمایوں نے برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں زمینیں، جاگیریں اور عملداریاں دے کر بلوچوں کو آباد کر دیا اور ان کی یہ جمعیت ایک وسیع علاقے میں پھیل گئی، جو ہمایوں کی حکمت عملی سے آئندہ مغل حکومت کے استحکام کا باعث بنی رہی۔ چنانچہ میرٹھ، نواح دہلی اور شمالی پنجاب سے لے کر سلسلہ کوہ سلیمان تک بلوچوں کی موجودگی مغل سلاطین کی حکومت کے لیے ایک مضبوط حصار کا کام دیتی رہی۔ اسی زمانہ میں رند بلوچوں کے مختلف قبائل کو ضلع جھنگ اور ضلع ساہیوال میں آباد کیا گیا تھا۔ چنانچہ انہی بلوچ اقوام میں سے سردار عاقل محمد خان عرف آگی خان کو کافی شہرت حاصل ہوئی، یہاں تک کہ اس کی اولاد بھی آگے چل کر اس کے نام سے "اکیانہ بلوچ" مشہور ہوئی۔ جو ضلع جھنگ میں دریائے جہلم کے کنارے ایک وسیع علاقے میں پھیل گئی تھی۔ آگی خان اور اس کے جانشین اپنے علاقے اور قبائل میں بہت بااثر تھے حکومت کی طرف سے ان کو بہت سی مراعات اور اختیارات ملے ہوئے تھے اور ان کا یہ دور نہایت شاندار اور پُرشکوہ تھا۔

آگی خان کے بعد اس کا لڑکا سردار محمد عالم خان، مشہور عالمے خان اپنے علاقے اور قوم

کا سربراہ بنا۔ یہ نہایت روشن دماغ سردار تھا۔ ابھی تک ضلع جھنگ میں اس کے نام پر موضع عالماں شرقی و غربی موجود ہیں اور دریائے جہلم کے کنارے چاہات اور دیہات ہیں جو ویران یا دریا برد ہو چکے ہیں۔ سردار عالمے خان کے بعد، اس خاندان کی سربراہی اور سرداری سلسلہ بہ سلسلہ، علی الترتیب، سردار رحیم داد خان۔ سردار محمد خان۔ سردار حسین خان اور سردار محمد چراغ خان کو منتقل ہوئی۔ جبکہ آخر الذکر سردار محمد چراغ خان نے سکھ حکومت کے ہاتھوں بہت نقصان اٹھایا اور اس خاندان کی بہت سی زمینیں اور جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ انگریزوں نے سکھ حکومت کے ذریعے وہ حصار توڑ ڈالی۔ جو بلوچوں کی بدولت مسلمان حکومت اور سلطنت کی بقاء اور استحکام قائم کیے ہوئے تھی۔

سردار محمد چراغ خان کے بعد، جب ان کے بڑے لڑکے سردار نور محمد خان نے دنیوی کاروبار سنبھالا تو ان کا یہ دور ایک زمیندارہ دور تھا۔ اب وہ پہلی سی جاگیردارانہ شان و شوکت باقی نہ تھی اور نہ ہی اس طوائف الملوکی کے دور میں کسی حکومت سے منسلک تھے بلکہ جیساکہ خاندان کے بعض پرانے بزرگوں اور روایات سے معلوم ہوا ہے۔ اس خاندان کی عام تباہی کا اصل سبب سکھ حکومت اور انگریزوں کی مخالفت تھا۔ چنانچہ انہی روایات و واقعات کے حقیقی اثرات و محرکات صاحب سوانح حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔

سردار نور محمد خاں ایک آزاد اور فقیر منش انسان تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنا تمام کاروبار بڑے لڑکے سردار محمد اسماعیل خاں صاحب کو سپرد کر کے خود آزادانہ زندگی گذارنی شروع کر دی۔ چونکہ طبیعت کا میلان زیادہ تر مذہب و تصوف کی طرف تھا اس لیے بزرگان دین کی زیارت کے لیے دور دراز کے سفر اختیار کرتے۔ مقاماتِ مقدسہ

اور حجاز بھی گئے۔ فریضۂ حج بیت اللہ" ادا کیا اور یوں عمر کا ایک بڑا حصہ سفر و سیاحت میں گزار دیا۔ آخر میں اپنے بڑے صاحبزادے محمد اسماعیل خان (جو آپ کی پہلی بیوی میں سے تھے) کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے بچوں اور بیوی کو لے کر مستقل حجاز مقدس میں قیام کے ارادے سے ہجرت کر کے جا رہے تھے کہ سفر ہی میں بمقام بستی "ٹبی کورائیاں" علاقہ رحیم یار خان، اچانک بیمار ہوئے اور چند روز کے اندر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ چونکہ اس وقت آپ کے ساتھ دوسرے بڑے صاحبزادے (جو دوسری بیوی بی بی سونی کے بطن میں سے ہیں) آٹھ نو سال کی عمر کے تھے اور باقی کے بہن بھائی ان سے بھی چھوٹے تھے۔ اس لیے غریب الدیار بیوہ اور یتیم بچوں کا یہ قافلہ منزل مقصود پر پہنچنے کی بجائے راستے ہی میں حالات کی ستم ظریفیوں کے ہاتھوں لٹ گیا اور یہاں سے اس خاندان کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

○

پردیس اور ایک اجنبی ماحول میں کسی بیوی کا سہاگ لٹ جانا اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کا یتیم ہو جانا، کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ایک نہایت درد انگیز و رقّت خیز سانحہ ہے۔ مگر غریب الوطنی اور تمامتر بے کسی و بے بسی کے باوجود سردار نور محمد خان کی باہمّت بیوہ نے جو ایک طویل مدت تک غم و آلام۔ مصائب و تکالیف اور ہر قسم کی پریشانیوں اور آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وہ صرف اس پاکباز اور عظیم خاتون کا حصّہ تھا جیون ساتھی کے بچھڑنے کا صدمہ۔ وطن اور خویش و اقارب چھوٹ جانے کا افسوس، غریب الوطنی اور بے چارگی کے احساس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور ان کے مستقبل کی فکر۔ رنج و محن کا یہ ایک طویل سلسلہ تھا، جس میں بے چاری بیوہ گھِر گئی تھی۔ بستی "ٹبی کورائیاں" کے بعض نیک دل بلوچوں نے اس آفت زدہ پردیسی خاندان کی امداد و اعانت کرنی چاہی اور تسلی و تشفی اور ہمدردی بھی کی۔ مگر غیور و خوددار "بیوہ" کو کسی کا دستِ نگر بن کر رہنا یا دوسروں پر اپنا اور بچوں کا بار ڈال کر زندگی بسر کرنا پسند نہ تھا مایوسی و ناامیدی کے اس اندھیرے میں اچانک اس کے دماغ میں بجلی سی کوندی، اور محنت و مزدوری کا خیال روشنی کا شرارہ بن کر چمکا۔ اس نے کسب حلال کے ذریعے اپنا اور یتیم بچوں کے پیٹ پالنے کا پروگرام بنا لیا۔ چنانچہ غریب بیوہ بستی میں گھر گھر جا کر محنت و مزدوری کے کام کرتی۔ کبھی کسی کے بچوں کو کھلاتی پلاتی، برتن مانجھتی، دودھ دوہتی، دہی بلوتی اور چکی پیستی تو فارغ اوقات اپنی چھوٹی سی جھونپڑی میں بیٹھ کر رسّیاں اور رسّے بٹتی۔

جنہیں فروخت کر کے اپنی ضروریات پوری کرتی۔ خود دُکھ اُٹھاتی، مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کرتی لیکن یتیم بچّوں میں کسی قسم کا احساس محرومی نہ پیدا ہونے دیتی۔

مغموم اور پریشان ماں اکثر ہر نماز کے بعد، اپنے یتیم جگر گوشوں کے لیے دروازۂ رحمت سے زیرِ لب کچھ مانگتی رہتی، رات کے وقت، جب لوریاں دے کر ننھے منوں کو سُلاتی تو اپنی مضطرب رُوح کے ذریعے ننّھی روحوں کے سکون و اطمینان کے لیے دست بدعا ہوتی اور سحر کے وقت اپنی دُعائے صبحگاہی میں مالک حقیقی سے ان کے لیے کیا کچھ نہ مانگتی۔ مگر ابھی ایک غریب ماں کے ممتا بھرے جذبات، اُٹھے ہُوئے ہاتھوں اور درد میں ڈوبے ہُوئے الفاظ کو شرف قبولیت بخشے جانے میں دیر تھی۔ قدرت کبھی اپنی حکمت و منشاء کا اظہار قبل از وقت نہیں کرتی۔ ابھی رات باقی تھی اور صبح دُور تھی ——— ماں نے جس وقت اپنے بڑے بچے کو، بستی مولویاں کے مدرسے میں پڑھنے کے لیے بھیجا تو بچّے کی جُدائی میں اس کی عجیب حالت ہُوئی۔ ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی اور اپنے دوسرے بچوں کے ساتھ ان کے بھائی کی باتیں ہی کرتی رہتی۔ اُس نے اپنے بچّے کو کبھی ایک پل بھی جُدا نہ کیا تھا مگر اب ہفتوں اور مہینوں اس کی موہنی اور پیاری صورت دیکھنے کو ترستی رہتی۔ ایک دفعہ بچہ حسب معمول ملنے کے لیے نہ آیا تو ممتا کی ماری ماں تڑپ اُٹھی۔ اپنے تین چھوٹے بچوں کو چند ہمسائیوں کے حوالے کر کے خود یتیم طالب العلم کے پاس ملنے چلی گئی۔ مسافر بچّے کی محبت نے دکھیاری ماں کو مقررہ وقت سے دو وقت زیادہ ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔ دوسری شام ماں بستی سے واپس آئی۔ سورج ڈوب چکا تھا اور شام کے دُھندلکے پھیل گئے تھے۔ ماں اپنی جھونپڑی کے قریب آئی تو اندھیرا تھا دل کو دھچکا سا لگا۔ آگے بڑھی تو بچّے اندھیرے میں بیٹھے رو رہے تھے۔ ماں بچّوں کے رونے کی آواز پر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ چھوٹا بچہ اپنی ننّھی بہنوں سے

کہہ رہا تھا، بہنو، اللہ میاں نے اباجان کو تو اپنے پاس بُلا ہی لیا تھا، اب ماں بھی نہیں آئی۔ ضرور آج اُسے کوئی بھیڑیا کھا گیا ہوگا۔ آج تو وہ ضرور ہی آتی۔ چھوٹے بھائی کی یہ باتیں سُن کر پھر وہ تینوں بچے زار و قطار رونے لگے۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر اور معصوم بچوں کی باتیں سُن کر ماں جا کر بچوں سے لپٹ گئی اور خود بھی دیر تک ان کے ساتھ بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

غرض غریب الوطن بیوہ ماں کی زندگی کا ایک طویل حصّہ مصائب و تکالیف میں گزر گیا۔ آخر دُکھ کے وُہ دن بھی بیت گئے۔ ابتلا کا وہ دور تمام ہُوا۔ وقت آیا جبکہ بیوہ ماں نے اپنے لختِ جگر کے دروازہ پر خلق کا ہجوم دیکھا جو پروانہ وار اس شمعِ رشد و ہدایت پر گر رہی تھی۔ اس نے اپنے یتیم کے فقیرانہ آستان پر بڑے بڑے کج کلاہوں کی گردنیں ادب و احترام سے جھکتی ہُوئی دیکھیں۔ ضعیف ماں جب اپنے جگر گوشہ کی قدر و منزلت اور عزت و عظمت دیکھتی، تو اس کی بوڑھی آنکھیں نُور سے چمک اُٹھتیں اور اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ جب اس نے وفات پائی تو اس کا خاندان پھل پھول رہا تھا اور اس کے یتیم کی عظمت کے دنیا میں جھنڈے گڑے ہُوئے تھے۔ اس نے اپنی آہ سحر گاہی اور دعاؤں کی تاثیر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ اور اُس کی آرزوئیں حقیقت بن چکی تھیں۔ ؏ آسماں اُس کی لحد پر شبنم افشانی کرے!

○

سردار حاجی نور محمد خان مرحوم (حضرت دین پوریؒ کے والد ماجد) نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی میں سے ایک صاحبزادہ محمد اسماعیل خان پیدا ہُوا۔ جو والد محترم کی ہجرت کے وقت جوان تھا اور مرحوم نے اس کو اپنا تمام زمینداره اور دیگر دنیوی کاروبار سپرد کر رکھا تھا۔ چنانچہ صاحبزادہ محمد اسماعیل خان اور اس کی اولاد برابر اپنے آبائی وطن (ضلع جھنگ) میں آباد چلے آئے اور ابھی تک خدا کے فضل سے وہاں ان کی باقیات موجود ہیں۔

غالباً پہلی بیوی کی وفات کے بعد، سردار نور محمد خان مرحوم نے اپنے خاندان ہی میں ایک لڑکی "مائی سونی" سے نکاح کیا۔ یہ آپ کی دوسری بیوی تھیں۔ جن کے بطن سے مرحوم کی چار اولادیں ہوئیں۔

دو۲ صاحبزادے:۔ حضرت ابوالسراج خلیفہ غُلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ اور میاں غُلام رسول خان مرحوم

دو۲ صاحبزادیاں:۔ بڑی غُلام زہرہ اور چھوٹی کا نام غُلام فاطمہ تھا مگر مراد خاتون کے نام سے مشہور تھیں جو زندگی بھر کنواری (جنّتی ستی) رہیں۔

یہ باقی خاندان، حجازِ مقدس ہجرت کے ارادے سے جا رہا تھا کہ سرپرست اعلیٰ کی وفات کے سانحہ کے بعد، مجبوراً سابق ریاست بہاولپور علاقہ رحیم یار خان میں مقیم ہُوا۔ والد مرحوم کی وفات کے وقت حضرت دین پوری چھ۶ سات۷ سال کے تھے اور دوسرے تین بہن بھائی

ان سے چھوٹے تھے۔ ایک ہمشیرہ تو ابھی شیر خوار تھیں اس لیے اس غریب الوطنی اور بے چارگی میں صرف باہمت ماں ہی یتیم بچوں کا ظاہری سہارا، سرپرست اور واحد وارث تھیں۔

یہ مختصر کنبہ، مستقل طور پر ضلع رحیم یار خاں (سابق ریاست بہاولپور) میں آباد ہوا ان میں سے ایک یتیم بچہ (حضرت دین پوریؒ) آسمان شہرت پر مہر و ماہ بن کر درخشاں ہوا جو بڑا ہو کر لاکھوں بندگان خدا کا مقتدا، و رہبر بنا، یتامیٰ، مساکین، غربا، بیوگان اور فقراء کا مربی تھا اور گم کردہ راہ مسلمانوں کو اس نے شرک و بدعت کے ظلمت کدے سے نکال کر اسلام کا صحیح راستہ دکھایا اور زندگی گذارنے کا قرینہ سکھایا وہ آفتاب ہدایت تھا جس کی تابانیوں سے شریعت و طریقت میں بہت سے طلباء حق نے کسب نور کیا اور سیاست میں بہت سے مجاہدین آزادی نے اپنے چراغ روشن کیے۔ اس کے دینی، دنیوی، روحانی اور مادی فیض سے آج بھی ایک دنیا مستفیض ہو رہی ہے۔

شجرۂ نسب اقوام رند بلوچ شاخ (اکیانہ بلوچ)

سردار عاقل محمد خان مشہور آکی خاں جس کے نام پر اس کی اولاد اکیانہ بلوچ کہلاتی ہے۔

- سردار محمد عالم خان
  - سردار محمد حسین خان
- مشہور علے خان
  - سردار رحیم داد خاں
    - سردار محمد خان
      - سردار حسین خان
        - سردار چراغ خان
          - سردار احمد خان
            - محمد بخش خاں
              - نور محمد خاں
              - صادق محمد خان
                - مولوی محمد لطیف
                  - غلام قاسم
          - سردار نور محمد خاں
            - سردار محمد اسماعیل خاں [1]
              - اللہ بخش خاں
                - احمد خان
                  - پٹھان خان
                  - کھان
                  - محمد خان
            - حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری [2]
              - میاں عبد الہادی
                - سراج احمد
                  - مسعود احمد
                    - زبیر احمد
                    - محمود
                  - بلال احمد
                    - ابرار احمد
                  - ریاض احمد
                    - ایاز احمد
                    - نیاز احمد
                  - فاروق احمد
                  - رفیق احمد
                - خلیل احمد
                  - عبد الحمید
                  - نور احمد
                  - احمد علی
                  - محمد صفدر
                - انیس احمد
                  - اویس احمد
                    - محمد یونس
                  - محمد یوسف
                  - سعادت حسن
              - میاں رشید احمد
                - محمد صدیق
                  - حسین احمد
                - جمیل احمد
              - میاں ظہور الحق
                - غلام محمد انور
                  - محمود
                  - مجیب
                - عبید اللہ اقبال
                  - محمد ابراہیم
                  - محمد اسماعیل
                    - محمود طارق
            - غلام رسول خان
              - میاں عبد الصمد
                - مشتاق محمود
                  - محمد اجمل
                  - اکبر
                  - اکمل
                - منظور احمد
                - مقبول احمد

[1] ان کی اولاد اپنے آبائی وطن ضلع جھنگ میں رہ گئی۔

[2] ان کی اولاد سابق ریاست بہاولپور ضلع رحیم یار خاں میں آکر آباد ہوئی۔

زندگی

ولادت

آپ سردار حاجی نور محمد خان مرحوم کے دُوسرے حرم بی بی سونی کے بطن سے بمقام موضع عالمے خان شرقی ضلع جھنگ میں پیدا ہُوئے۔ والدین نے آپ کا اسم گرامی "غُلام مُحمّد" تجویز فرمایا۔

ایک اندازہ کے مُطابق آپ کا سن ولادت (۱۸۳۵ء مطابق ۱۲۵۱ھ) بنتا ہے۔

ترک وطن

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ آپ کے والد محترم سردار حاجی نور محمد خان مرحوم ایک فقیر منش اور فقیر دوست انسان تھے۔ کاروبار دنیوی اپنے بڑے صاحبزادے محمد اسماعیل خان (برادر بزرگ حضرتؒ) کے سپرد کر رکھا تھا اور خود گوشہ نشینی اختیار کیے رہتے تھے یا مقامات متبرک اور بزرگان دین کی زیارت کے لیے سیر و سفر کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے بڑے صاحبزادے محمد اسماعیل خان مزارعین سے فصل کی بٹائی لے رہے تھے اور وہاں مزارعین کے علاوہ کئی غُربا اور مساکین بھی حسب رواج خیرات کے لیے جمع تھے۔ زمیندارہ اصول کے مُطابق سب سے آخر میں اُن کو بٹائی کے بعد خیرات دینی تھی۔ اتفاق سے اس موقع پر آپ کے والد بھی موجود تھے۔ آپ کو مساکین کا یہ انتظار ناگوار گزرا اور آپ نے صاحبزادہ کو سب سے پہلے ان کو فارغ کر دینے کو کہا مگر صاحبزادہ نے مصروفیت کی وجہ سے دھیان نہیں دیا۔ یا ان کے بات سمجھ نہ آئی۔ اس لیے خاموش کام کرتے رہے۔ بیٹے کے اس طرز عمل سے آپ اس قدر دل برداشتہ ہُوئے کہ فوراً گھر بار چھوڑ کر حجاز مقدس جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اسی وقت گھر آئے اور اہل و عیال کو بغیر تیاری اور اسباب سفر کے، لے کر روانہ ہو گئے۔ بڑے بیٹے کو معلوم ہوا تو دوڑ کر آیا۔ ہر چند معافی مانگی، معذرت خواہ ہُوا۔ مگر آپ نے اپنے ارادہ میں تبدیلی نہ کی۔ بلکہ اس کی منت و سماجت کے

باوجود زادراہ بھی ہمراہ نہ لیا چنانچہ اس مختصر کنبہ میں حضرت دین پوری (جو اس وقت چھ سات سال کے تھے) والد محترم کے ہمراہ تھے۔ ان کے علاوہ والدہ، دو معصوم چھوٹی بہنیں اور ایک شیر خوار بھائی بھی ساتھ تھے۔ یہ قافلہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا جس وقت سابق ریاست بہاولپور علاقہ رحیم یار خاں سے گذر رہا تھا تو آپ کے والد کو قریب ہی "ٹبی کورائیاں" کے چند دوستوں سے ملنے کی آرزو ہوئی جن سے پہلے سفر حجاز کے موقع پر آشنائی ہوئی تھی۔ دوستوں کی ملاقات کے بعد یہ قافلہ کچھ دن کے لیے اس بستی میں ٹھہر گیا۔ میزبانوں کی محبت اور اصرار نے اس قدر مجبور کیا کہ قیام کا عرصہ طویل ہو گیا اس مدت میں آپ بیمار ہوئے اور چند دنوں کے اندر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آپ کا مزار مبارک بستی ٹبی کورائیاں علاقہ رحیم یار خان میں ہے۔ آپ کے بعد آپ کی بیوہ یتیم بچوں کے ساتھ اسی بستی میں پیر محمد خان (پیرن خاں) کے بزرگوں کی دی ہوئی ایک جھونپڑی (سالہہ) میں رہنے لگی۔

درِ یتیم | قدرت نے غریب الوطنی اور کم سنی میں آپ کے سر پر سے باپ کا پُر شفقت سایہ اٹھا لیا تھا اور چھوٹی عمر ہی میں آپ کو ایک عظیم المناک حادثہ برداشت کرنا پڑا۔ یتیمی کا یہ دور بڑا کٹھن اور پُر از مصائب تھا۔ بیوہ ماں نے محنت و مزدوری کر کے یتیم بچوں کی پرورش کی۔ آپ کی پیاری اور معصوم شخصیت بچپن سے ہی خاص طور پر بیوہ ماں کی اُمیدوں کا مرکز تھی آپ کے خوبصورت چہرے پر سے بچپن ہی میں عزت و عظمت کے آثار آشکارا تھے اور حسین و دلفریب پیشانی سے خوش نصیبی و سربلندی کے نشانات جھلکتے تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

بچپن ہی سے آپ کی پُرکشش شخصیت نیک عادات و خصلات اور تہذیب و شرافت کا

ایک بے مثال مرقع بھی - جو بھی دیکھتا تھا - اس ہونہار یتیم نونہال کی موہنی صورت، پیاری اور مہذب باتوں کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

بستی مولویاں میں

والد ماجد مولوی شریف اللہ مرحوم بستی مولویاں (علاقہ رحیم یار خاں) کے ایک مقتدر عالم بڑے زمیندار اور علاقے کے ذیلدار تھے اکثر کاروبار دنیوی کے سلسلے میں "ٹبی کورائیاں" میں آتے جاتے تھے۔ وہ بستی والوں سے اس غریب الدیار خاندان کی بربادی کی داستان سن کر بہت متاثر ہوئے۔ آپ کی والدہ سے ہونہار بچے کو تعلیم دلانے کے لیے اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ وہ تو چاہتے تھے کہ دونوں بچے ان کو دیدیئے جائیں۔ مگر اماں صاحبہ نے چھوٹے بچے کی صغر سنی اور گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانے کی وجہ سے (میاں غلام رسول) کی اجازت نہ دی۔ اور بڑے بچے کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ مولوی صاحب موصوف آپ کو اپنی گھوڑی پر سوار کر کے "بستی مولویاں" لے گئے۔

تعلیم کا آغاز

یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ آپ نے "بستی مولویاں" میں ہی تعلیم کا آغاز کیا اور اسی مدرسہ میں آپ کی بسم اللہ خوانی ہوئی۔ غالب خیال یہ ہے کہ آپ کی تعلیم دستور قدیم کے مطابق قرآن مجید کی پڑھائی سے شروع ہوئی ہوگی۔ البتہ بستی مولویاں کے مدرسہ میں آپ کی تعلیم باقاعدہ شروع ہوئی اور اسی مدرسہ میں آپ نے مختلف اساتذہ سے فارسی اور پھر عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بستی مولویاں کے اساتذہ میں سے مولوی فقیر اللہ صاحب آپ کے بہت مشہور استاد تھے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کتاب "پرانے چراغ" میں لکھتے ہیں۔ "تقریباً ناخواندہ تھے

میں نے جب سنہ ۱۹۳۱ء میں زیارت کی تو اس وقت کسی استاد کے سامنے قرآن مجید کی تصیح فرماتے تھے۔

مصنف کا یہ مشاہدہ صحیح نہ تھا۔ حضرت کو قرآن مجید حفاظ کی طرح پختہ تھا۔ عربی تعلیم شرح جامی پر ختم کر دی تھی مگر علوم شرعی پر کامل دست گاہ تھی۔ خانقاہ میں علماء کرام کا چونکہ ہر وقت جمگھٹا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت کو تفسیر و حدیث کا خصوصی ذوق تھا۔ نماز فجر اور عصر کے بعد قرآن مجید اور بخاری شریف کے درس ہوتے جنمیں آپ شامل رہتے۔ آخر عمر میں (دو چار برس) حالت استغراقی کی وجہ سے زبان بھاری ہو گئی تھی۔ حضرت کے آرام اور سہولت کی خاطر تلاوت کلام مجید کے وقت حضرت کے سامنے کوئی فقیر بیٹھ جاتا تھا جو کلام پاک کے اوراق اُلٹا جاتا تھا۔ مصنف کو غالباً اسی سے غلط فہمی ہوئی ہو گی کہ حضرت تصیح فرماتے تھے۔

حضرت نے بستی مولویاں کے مدرسہ میں کتنا عرصہ تعلیم حاصل کی؟ اور کن کن اساتذہ سے کون کون سی کتابیں پڑھیں؟ اس کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔ بہرحال حضرتؒ کی تعلیم کا یہ عرصہ آٹھ دس سال سے یقیناً کم نہ ہوگا۔ جن میں بغدادی قاعدہ اور قرآن مجید سے لے کر مروجہ فارسی کتب اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی ہوں گی۔

انہی ایام طالب علمی میں آپ رخصت کے دنوں میں عام طور پر والدہ اور بھائی بہنوں کو ملنے کے لیے بستی ٹبی کورائیاں (چھ سات میل دور) جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات مامتا سے مجبور ماں خود اپنے ہونہار کو دیکھنے وہاں چلی جاتی۔ اساتذہ اور بستی والوں کی زبانی یتیم جگر گوشہ کے حسن اخلاق اور تعلیم کی باتیں سُن کر خوش ہوتی۔

بیعت

آپ کی طفولیت و طالب علمی کا یہی زمانہ تھا، جبکہ اس علاقے میں سندھ کے ایک بزرگ حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (بھرچونڈوی)

کا دُور دور تک شہرہ تھا۔ بستی مولویاں کے اکثر مولوی صاحبان معہ خاندان ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور حضرت بھرچونڈوی ان کے ہاں گاہے گاہے تشریف لایا کرتے تھے کسی ایسے ہی موقعہ پر آپ نے حضرت سید العارفینؒ کے دست حق پرست پر طریقہ قادریہ راشدیہ و نقشبندیہ میں بیعت کرلی۔ حضور مرشدؒ نے اپنے کم سن مرید کو دیکھتے ہی اس کی صلاحیتوں اور خداداد جوہروں کو ایک نظر میں پرکھ لیا۔ اور اس کی ذات کو اپنی توجہات باطنی اور عنایات روحانی کا مرکز بنالیا۔ ادھر بھی سپردگی کا یہ عالم تھا کہ اس یتیم بچے نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کو اپنا کھویا ہوا مہربان و شفیق والد مل گیا ہو۔

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا   کہ اک نظر میں جوانوں کو رام کرتے ہیں

شجرۂ خاندانِ عالیہ قادریہ راشدیہ

○ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ○

● محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مدینہ منورہ
● حضرت مولا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نجف شریف
● حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
● حضرت خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ	بصرہ
● حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
● حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
● حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
● حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
● حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
● حضرت عبدالواحد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
● حضرت ابوالفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ	طرطوس
● حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قرشی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
● حضرت ابوسعید مبارک رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
● حضرت غوث الاعظم پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
● حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ	؍؍

• حضرت سید صفی الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ	بغداد شریف
• حضرت سید ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ	حلب شریف
• حضرت سید مسعود رحمۃ اللہ علیہ	"
• حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ	"
• حضرت سید شاہ میر رحمۃ اللہ علیہ	"
• حضرت شیخ شمس الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	"
• حضرت سید محمد غوث گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	درگاہ عالیہ اوچ شریف
• حضرت سید عبدالقادر ثانی رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید حامد گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید عبدالقادر ثالث رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید عبدالقادر رابع رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید حامد گنج بخش ثانی رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید شمس الدین ثانی رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت سید عبدالقادر جیلانی خامس رحمۃ اللہ علیہ	پیرکوٹ سدھانہ
• حضرت سید محمد بقا رحمۃ اللہ علیہ	درگاہ شریف
• حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ	
• حضرت شاہ حسن جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	سوئی شریف

حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف

حضرت خلیفہ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ دین پور شریف

حضرت سید تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ امروٹی شریف

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند

حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم دین پور شریف

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ تھری چانی شریف

حضرت مولانا حماد اللہؒ ہالیجی شریف

حضرت صالح محمدؒ بانیجی شریف

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم

حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب دامت برکاتہم

شجرہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت خواجہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ ابو علی فاوندی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
- امام المومنین شیخ المشائخ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت شیخ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ عارف اگوکری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ محمود الخیر قعنوی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ علی براتینی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید میر کلاں رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

- حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مخدوم محمّد زاهد رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولیٰ ڈنہ درویش محمّد رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ شیخ احمد فاروقی سرهندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ شیخ سعدی لاهوری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ شیخ حاجی ایوب رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مخدوم جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سیّد محمّد اسماعیل شاہ رحمۃ اللہ علیہ پیر بالو شریف
- حضرت سیّد محمّد بقاء رحمۃ اللہ علیہ درگاہ شریف پیر پگارو
- حضرت سیّد محمّد راشد رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شاہ حسن جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سوئی شریف
- حضرت حافظ محمّد صدیق رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف

حضرت خلیفہ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ دین پوری

حضرت سید تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ امروٹی

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبد الہادی دامت برکاتہم
دین پور شریف

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم
لاہور

سندھ کے قادری راشدی مشائخ

مختصر تعارف :

سلسلہ عالیہ قادریہ سلاسل طریقت میں وہ رفیع الشان سلسلہ ہے جو حضور محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے قادریہ کہلاتا ہے۔ باب الاسلام سندھ، بلوچستان، راجستھان، بہاولپور اور پنجاب میں اس سلسلے سے بہت زیادہ رشد وہدایت ہوئی ہے۔ اور ان علاقوں کے عوام میں اس طریقہ کے مشائخ کا بہت اثر ونفوذ ہے۔ جیساکہ شجرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ صرف اوچ شریف میں اس سلسلے کے نو مشائخ کبار گذرے ہیں۔ اوچ شریف سے اسی خانوادہ کے فرد فرید سید عبدالقادر جیلانی خامس (آخری) رحمۃ اللہ علیہ پیر کوٹ سدھانہ۔ ضلع جھنگ (پنجاب) نے فیض حاصل کیا۔ اور اسی چشمہ فیض نے حضرت سید محمد بقا رحمۃ اللہ علیہ (درگاہ شریف پیر کوٹ سندھ) کی صورت میں سندھ و راجستھان کے ریگ زاروں کو سیراب کیا۔ حضرت پیر سید محمد راشد (متوفی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے یہ بار امانت حاصل کیا اور اس سلسلہ روحانی کو اسقدر ترقی وفروغ دیا کہ آگے چل کر آپ کے نام نامی اسم گرامی کی نسبت سے اس طریقہ تصوف کا نام بھی "قادریہ راشدیہ" کہلانے لگا۔ حضرت سید محمد راشدؒ کے رشد کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے گیارہ سو خلفا تھے۔ پانچسو مجاز خلفا ایسے تھے جو ہر وقت خانقاہ میں رہتے تھے اور مرشد کو چھوڑ کر کہیں نہیں گئے۔

بقول مصنف کتاب "پرانے چراغ" "میں نے مولانا عبیداللہ سندھی سے خود سنا ہے کہ وہ ان دیار میں علمی اور روحانی طور پر تقریباً وہی مرتبہ اور شہرت رکھتے تھے، جو ان کے معاصر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا شمالی مغربی ہندوستان میں تھا۔ ہمارے پاس حضرت کے ملفوظات کا ایک ضخیم قلمی دفتر بہ زبان فارسی موجود ہے جس سے آپ کے علمی و روحانی علو مرتبت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے دو مرید و مجاز صاحبزادوں کے درمیان دستار مبارک اور عَلَم (جھنڈے) کی تقسیم پر حضرت سید محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ (پیر پگارہ) اور صاحبزادہ محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ صاحب العَلَم (پیر جھنڈے والے) کہلائے۔ چنانچہ یہ دونوں گدی نشین اور ان کی اولاد نے علاقے کے عوام کی ہمیشہ روحانی، علمی اور سیاسی رہنمائی کی اور جہاد حریت و اعلائے کلمۃ الحق میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اسی طرح حضور مرشد سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے نامور خلیفۂ اعظم حضرت سید حسن شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (سوئی شریف) تھے۔ ان کے متعلق حضور مرشدؒ کا یہ قول مشہور ہے کہ بعض خلفاء کو ان کی خواہش پر خلافت دی گئی۔ بعض کو میں نے اپنی مرضی سے عنایت کی اور بعض کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ انہیں تاج خلافت سے مزیّن کرو، یہ پنجابی سید زادہ اسی تیسرے گروہ سے ہے۔ یاد رہے آپ شیر گڑھ ضلع لاہور کے تھے۔ آپ نے مرشد پاک کے مشن کو خوب بڑھایا اور اس علاقے میں سلسلے کی رونق کو دوبالا کیا۔ حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے انہی خلفاء حضرت سید صبغۃ اللہ پیر پگارہ اور حضرت سید حسن شاہ (سوئی شریف) کے زمانہ پاک میں جماعت مجاہدین (حضرت سید احمد شہیدؒ اور آپ کے رفقاء) راجستھان اور سندھ کا دورہ کرتے ہوئے، ان ہر دو بزرگان کے پاس ٹھہرے اور تحریک جہاد میں ان کی جماعت نے مجاہدین کا مکمل ساتھ دیا۔ جماعت "حر"

کی بنیاد انہی دلوں انہی پاک نفوس کی برکت اور دعاؤں سے ڈالدی گئی۔ جس نے آگے چل کر تحریک جہاد، تحریک آزادی اور حفاظت وطن میں نمایاں اور شاندار کارنامے انجام دیئے جماعت مجاہدین نے پیر گوٹھ پگارہ میں تیرہ روز اور کچھ وقت سوئی شریف میں قیام کیا۔ مگر اس عرصہ میں قادری راشدی بزرگان اور خانوادۂ ولی اللّٰہی میں جو ربط وضبط اور تعلق پیدا ہوا۔ اسے انقلابات زمانہ یا تحریکوں کی ناکامی بھی نہ توڑ سکی۔ تحریک جہاد میں سندھ کے قادری راشدی بزرگان نے جو افرادی اور مالی امداد دی۔ اس کے علاوہ بھی ایک تعلق تھا جو برادرانہ اور مخلصانہ تھا۔ چنانچہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اہل وعیال کا ۶-۷ سال پیر گوٹھ میں حضرت سید صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قیام اور بعض تاریخی حقائق اس کے شاہد عادل ہیں۔ سانحہ شہادت بالاکوٹ کے بعد بھی اس مشن کا سندھ میں جاری رہنا۔ حضرت سید حسن شاہ جیلانی کی بیعت امارت وجہاد (خطبہ جمعہ وعیدین میں امیر المؤمنین پڑھا جانا) جہاد پٹن منارہ وجہاد بلوچستان میں قادری راشدی بزرگان کا حصہ لینا اور تربیت جہاد کے لیے جماعتوں کو ہر وقت تیار و مستعد رہنے کا حکم دینا، اگر یہ اسی تحریک جہاد کا ثمرہ اور اثر نہ تھا تو کیا تھا؟

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد حضور حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (بھرچونڈی) نے یہ تمام دور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ سوئی شریف میں جماعت مجاہدین کے قیام وکلام کا نظارہ فرمایا۔ بعد میں مرشد حضرت حسن شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت جہاد بھی فرمائی اور جہاد میں بطور سپہ سالار کے نمایاں حصہ لیا۔ یہی وہ جذبۂ جہاد تھا کہ یہ فقیر بوریا نشین "جنگ پٹن منارہ" کے بعد نواب بہاول خان والئ بہاول پور سے ٹکرانے کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ غرض سندھ کے قادری راشدی بزرگان کی یہ خانقاہیں (پیر گوٹھ پگارہ۔ سوئی شریف بھرچونڈی شریف، پیر گوٹھ جھنڈا۔ شاخیں (اور آگے چل کر دین پور شریف اور ...ٹ شریف) تصوف وسلوک کے

صرف روحانی مرکز نہ تھے بلکہ علمی و عملی کمالات کے مخزن، تبلیغ و تربیت جہاد کے مضبوط قلعے تھے۔

سیدّ العارفین مُرشدنا

حضرت حافظ محمّد صدّیق بھرچونڈوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

روایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی (صاحب السیر) رحمۃ اللہ علیہ کا گذر بستی بھرچونڈی سے ہُوا۔ بستی کے باہر ایک شخص کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ جسے دُور سے دیکھتے ہی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے اور جاکر بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس کا مصافحہ و معانقہ فرمایا۔ خیرو عافیت دریافت کی اور پھر اُلٹے قدموں واپس جاکر آگے کو روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد واپسی کے موقعہ پر پھر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا گذر اسی راستے سے ہُوا۔ اتفاق سے وہی شخص اسی طرح اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا اب کی بار حضرتؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ ہل روک کر دوڑ کر ملنے آیا۔ معمولی سلام علیک کے بعد حضرت خواجہؒ آگے چل دیئے۔ خدّام آپ کے پہلے کے پُرتپاک رویّے اور اب کے بے توجہی سے حیران و ششدر رہ گئے۔ آخر ایک خادم نے اس کا سبب پوچھ ہی لیا۔ حضرتؒ نے جواب دیا۔ پہلی بار اس شخص کی پیشانی پر اس کے ہونے والے فرزند ایک مردِ کامل کا نُورِ ولایت چمک رہا تھا۔ جو ایک عالم کو اپنے نورِ معرفت سے جگمگائے گا۔ مگر اب کے اس کے ماتھے پر وُہ نور مجھے نظر نہیں آیا۔ جو غالباً اب بطنِ مادر میں منتقل ہو گیا ہے۔ پچھلی دفعہ سب عزت و تکریم، اور پیشوائی اسی کے لیے تھی۔"

کہتے ہیں، قوم سمّہ کا وہ کسان میاں محمد ملوک تھا۔ اس کا خاندان قریش عرب و کیچ مکران کے راستے سندھ میں وارد ہوا تھا اور بھرچونڈی شریف کے شمال میں آباد ہوا۔ قوم سمّہ میں

شادی بیاہ اور تعلق کی وجہ سے آگے چل کر یہ اسی قومیت سے معروف ہُوا۔ غالباً
بارہویں صدی ہجری کے آخری عشرہ میں میاں محمد ملوک کے ہاں بزرگ کی پیش گوئی کے
مطابق حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہُوئی۔
بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ بیوہ ماں نے اپنی امیدوں کے واحد سہارے
کو بڑے ارمانوں اور شفقت و محبت سے پرورش کیا۔ یہ بچّہ کچھ بڑا ہُوا تو والدہ صاحبہ
نے قرآن مجید پڑھنے کے لیے ایک حافظ صاحب کے مکتب میں بھیجدیا۔ کچھ عرصہ
بستی جندو ماڑی علاقہ احمد پور لمّہ سابق ریاست بہاول پور کے ایک درس میں بھی پڑھتے
رہے۔ یہاں آپ نے حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی (صاحب السیر) رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت
بھی فرمائی۔ روایت ہے کہ حضرت خواجہؒ اس بستی سے گذر رہے تھے کہ خادم سے
فرمایا کہ مجھے اس مکتب میں کسی اللہ والے کی خوشبو آرہی ہے۔ خادم نے مشورتاً عرض کیا کہ
حضور، طلبا میں کپڑے تقسیم فرمادیں۔ وہ گوہر مقصود خود بخود سامنے آجائے گا۔ چنانچہ ایک کھادی
کا تھان لے کر طلبا کے درمیان قمیض اور چادر کے ٹکڑوں کی صورت میں تقسیم کیا جانے لگا۔
خادم ایک ایک طالب کو بلاتا رہا اور حضور خواجہؒ اپنے دست مبارک سے ان کو دیتے رہے۔
طلبا دھکم پیل کر رہے تھے۔ مگر ایک بچہ ان سب سے علیحدہ کھڑا حضور خواجہ کی طرف ٹکٹکی
باندھے دیکھتا رہا۔ آخر میں آپ اسے بلاتے ہیں۔ چادر مرحمت فرمانے لگے تو بچّے نے عرض
کی، حضور! مجھے تو آپ ایسی چادر عنایت فرمادیں جو نہ کہنہ و کوتاہ ہو اور نہ بوسیدہ ہو۔ حضور
خواجہؒ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ بیٹا! یہ وہی چادر ہے۔ یہ چادر ابھی تک آستانہ عالیہ
بھرچونڈی شریف کے تبرکات میں موجود ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مضطرب طبیعت کو اس مکتب کی تعلیم بھی راس

نہ آئی اور وہ روحانی آبِ حیات یہاں نہ تھا جس کے لیے یہ تشنہ لب، بچپن سے محو جستجو تھے۔ یہ پیاس ایسی نہ تھی جو ان ظاہری مدارس کے چشموں سے بجھ سکتی۔ اس کے لیے تو مکتبِ عشق کی ضرورت تھی جس کی طلب نے بالآخر اس نوجوان کو سوئی شریف حضور حضرت حسن شاہ جیلانیؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ کوئی بزرگ حضرت حافظ صاحب (سید العارفین) کو ان کے روحانی مرتبہ کے پیش نظر بیعت کرنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ ہر کوئی یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کرتا کہ ایسے جلیل القدر شخص کا بیعت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ نے آپ سے یہ فرمایا "تجھے وہ شخص بیعت کرے گا جس کے سامنے بھُنی ہُوئی مچھلی زندہ ہو جائے۔ حضرت حافظ صاحب یہ جواب سُن کر مایوس ہو گئے۔ نہ بھُنی ہوئی مچھلی زندہ ہو، نہ آپ کسی سے بیعت کریں۔ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد شاہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا گزر اس طرف ہُوا تو آپ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ حافظ صاحب کے ہاں اس دن سوائے مچھلی کے اور کوئی چیز گھر میں مہمان کی مدارات کے لیے موجود نہ تھی۔ آپ مچھلی بھُون، دسترخوان میں رکھ کر شاہ صاحبؒ کی خدمت میں لائے۔ شاہ صاحب نے مُسکرا کر فرمایا "کیا زندہ مچھلیاں بھی کبھی کھائی جاتی ہیں؟ حافظ صاحب نے دسترخوان اٹھایا تو مچھلی واقعی زندہ تھی۔ بس اب یہ کہنا تھا کہ درویش کی کہی ہُوئی بات یاد آگئی اور آپ بیعت کے لیے دو زانو ہو کر شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب نے آپ کو بلا کسی تامل کے بیعت فرما لیا۔

(مردِ مومن صہ۱۳) مصنفہ عبدالحمید خاں

کہا جاتا ہے کہ آپ نے قرآن مجید حضرت جیلانیؒ کے پاس حفظ کیا اور ظاہری دنیوی مروجہ علوم سے صرف نظر کرتے ہُوئے باطنی علوم کے بحر بیکراں کے شناور بن گئے۔ بعض

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے درسی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ بعض کتابوں پر آپ کے دستخط اور مطالعے کے نشان ملتے ہیں۔ مگر یہ زیادہ صحیح نہیں ہیں۔ پختہ اور ثقہ روایات یہ ہیں کہ آپ ظاہری علوم میں صرف حافظ قرآن پاک تھے۔ مگر آپ کو وہبی طور پر علم شرعی کا ایک وافر حصہ قدرت نے ودیعت فرمایا تھا۔ مشہور ہے کہ آپ مخالفین، معترضین کے جوابات کتب احادیث و فقہ کھول کر اور انگلیاں رکھ رکھ کر دکھاتے تھے۔ اور ہر دقیق سے دقیق علمی و شرعی مسئلہ پر پوری شرح و بسط اور تحقیق کے ساتھ گھنٹوں گفت گو فرما سکتے تھے۔

ایں سعادت بہ زور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سن ۱۲۴۱ھ میں جماعت مجاہدین کی سوئی شریف آمد کے موقعہ پر آپ حضور مرشد سید حسن شاہ جیلانیؒ کی خدمت بابرکت میں موجود تھے۔ میاں غلام محمد مرحوم باغباں نواب صاحب مرحوم بہاولپور نے جو حضرت سید العارفینؒ کے غلام اور مرد صالح تھے۔ خود حضرت شیخ العصر مولانا عبدالہادی دامت برکاتہم سے روایت بیان کی۔ کہ ایک دفعہ میں حضور مرشد سید العارفین کی صحبت پاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے پاس حضرت اسماعیل شہید دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" تھی۔ اسی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے کتاب دیکھ کر اعتراض کیا کہ یہ تو وہابی مولوی کی کتاب لیے پھرتا ہے۔ یہ بات حضورؒ کے کانوں تک پہنچی تو دریافت فرمایا کہ کون سی کتاب ہے؟ میں نے کتاب کا نام حضرت شہیدؒ کے حوالے سے عرض کیا اس پر حضرت سید العارفینؒ جوش میں آگئے اور واقعہ نقل فرمایا کہ جس وقت جماعت مجاہدین سوئی شریف حضور مرشدؒ کے ہاں آئی تھی تو بندہ اس وقت حضورؒ کے لنگر میں رہتا تھا حضرت اسماعیل شہیدؒ اس سفر میں مجاہدین اہل قافلہ کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ ایک دن بعد نماز عصر مسجد شریف میں (جو اس وقت اونچے تھڑے اور باہر سے خاروخس کی باڑھ کی صورت

میں تھی) درخت جال کے قریب حضور مرشد اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے درمیان فرضیت جہاد کے متعلق مذاکرہ ہو رہا تھا۔ دونوں بزرگ اپنے علم و کمال کے موتی لٹا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے کسی کو فرمایا کہ جاؤ، اسماعیل کو بلا لاؤ۔ اس وقت حضرت اسماعیل شہیدؒ سوئی شریف کے باہر اونٹوں کے ساتھ پھر رہے تھے۔ اُونچے ٹخنوں پر پاجامہ تھا اور کندھے پر اونٹوں کی مہاریں اور رسّے تھے۔ آپ اُسی وقت اُسی حالت میں مسجد میں حاضر ہوئے اور دونوں بزرگوں کے سامنے باادب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے زیر بحث "حدیث" کی تشریح بیان کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ حضرت اسماعیل شہیدؒ نے اسقدر دلپذیر تقریر فرمائی کہ حدیث کے مضامین، ان کے اشکال و اعتراضات۔ پھر ان کے جوابات، نیز اسماء الرجال پر بحث ایسے مختصر اور بلیغ انداز میں کی کہ وہ مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیا۔ علم کے اس بحر بے پایاں کی تقریر کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص نے زندگی بھر میں صرف یہی حدیث پڑھی اور اس پر تحقیق کی ہے۔ یا پھر یہ لوح محفوظ پر سے مضامین دیکھ دیکھ کر سنا رہا ہے۔ اس واقعہ سے حضرت سید العارفینؒ کا حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء (جماعت مجاہدین) کے متعلق قلبی تعلق کا پتہ چلتا ہے کہ اپنی مجلس میں ان پر غلط الزام برداشت نہ فرما سکے اور بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں صفائی فرما دی۔ لیکن اس کے باوجود بعض کم نگاہ حضرت سید العارفینؒ کا جماعت مجاہدین سے تعلق تو کجا، ملنے اور دیکھنے تک سے انکاری ہیں اور اس سلسلے میں اپنی بات کا وزن بڑھانے کے لیے حضرت سید العارفینؒ کی عمر اور سن ولادت تک میں غلط اندازوں اور قیاسات سے کام لیا ہے حالانکہ حضرت سید العارفینؒ اور آپ کی جماعت سے وابستہ تمام فقراء جانتے تھے کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر (سو سال سے بھی اُوپر) عطا فرمائی تھی اور بڑی عمر تک صحت و تندرستی

کے ساتھ بسر کی جس سے عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ البتہ آخر میں درد گردہ۔ بیماری سلسل بول اور کچھ تقاضائے سن کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے۔ معترضین حضرتؒ کے سن ولادت کے متعلق ایک طرف تو ۱۲۳۴ھ کا اندازہ لگاتے ہیں۔ دوسری طرف آپ کے والد سے ایک بزرگ (جو یقیناً حضرت صاحب السیرؒ تھے) کی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں جبکہ یہ روایت خاندان میں تواتر کے ساتھ موجود ہے۔ دوسری طرف خود بستی جندوماڑی علاقہ احمد پور لمہ کے مکتب میں حضرت صاحب السیرؒ (سیرانی بادشاہؒ) کا آپ کو چادر عنایت فرمانے کا تذکرہ۔ اور پھر درگاہ کے تبرکات میں چادر کی موجودگی بہ روایت صحیح درج کرتے ہیں۔ گویا خود آپ اپنے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں۔ جبکہ حضرت سیرانی شاہؒ کا سن وفات ۱۱۹۸ھ ہے۔ حضرت سید العارفینؒ کا حضور مرشدؒ کی خدمت سوئی شریف میں طویل قیام۔ لنگر کی خدمت، نیز جیلانی سائیں کی زیر قیادت جہادوں میں شرکت' ایسے حقائق ہیں، جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں حضرت دین پوری نے حضرت سید العارفین کے کم سنی (غالباً تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ سال کی عمر میں) بیعت فرمائی تھی اور آپ اس سے بہت پہلے اس علاقے میں مشہور و معروف تھے۔ اور مریدین کے ہاں "دورے" فرمایا کرتے تھے اور یہ زمانہ حضرت جیلانی سائیں کے وصال (۱۲۵۴ھ) کے قریب کا ہے۔ اگر معترضین کا یہ سن ولادت ۱۲۳۴ھ تسلیم کر لیا جائے تو یہ عجیب بات ہو گی کہ ایک نوعمر اٹھارہ انیس سالہ صاحب ارشاد کی شہرت سندھ اور بلوچستان سے آگے بہاولپور تک پہنچ گئی ہو اور وہ مسلسل کئی سال سے دورے کر رہا ہو۔ حضرت سید العارفینؒ حضرت جیلانی سائیں اور آپ کے بعد بھورل سائیں (میاں محمد حسین) کے زمانہ تک "سوئی شریف" میں آمد و رفت اور صحبت رکھتے رہے۔ حضرت بھورل سائیں کے وصال کے بعد، سوئی شریف کی مسند ارشاد خالی ہوئی تو تمام جماعت کی نگاہیں حضرت سید العارفینؒ۔

کی طرف تھیں کہ انھیں مسندِ شیخ پر بٹھایا جائے۔ آپ نے مناسب نہ سمجھا اور حضرت ساول سائیں (میاں ابوبکرؒ) کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھدیں۔ جس سے تمام جماعت کا رُخ ان کی طرف ہوگیا۔ اور وہی سوئی شریف کے تیسرے مسند نشین ہوئے۔ حضرت سید العارفینؒ کا جیلانی سائیںؒ کی حیاتِ طیبہ سے دستور تھا کہ وہ رمضان المبارک میں کلام پاک سوئی شریف جا کر سناتے۔ اس سلسلے میں آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ روزہ بھرچونڈی شریف میں افطار کرتے اور پیدل پانچ میل چل کر کلام مجید سناتے اور پھر نماز تراویح کے بعد فوراً واپس گھر آجاتے۔ اس طرح روزانہ دس میل پیدل چل کر آتے جاتے۔ جیلانی سائیںؒ کے بعد بھورل سائیںؒ کے زمانہ تک یہ معمول برابر جاری رہا۔ اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ سوئی شریف کی پختہ مسجد، ساول سائیںؒ کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تو حضرت سید العارفینؒ ہر شب پیدل خفیہ جا کر چپکے سے گارا تیار کرتے اینٹیں ڈھو کر بنیادوں کے قریب ڈھیر لگا دیتے اور پھر فقراء کے لیے وضو کرنے کے کوزے بھر کر واپس بھرچونڈی چلے جاتے۔

سویرے جب فقراء اُٹھ کر دیکھتے تو تعمیر کا تمام سامان تیار حالت میں ان کو ملتا۔ وہ حیران رہ جاتے۔ ایک دن حضرت جیلانی سائیںؒ کے زمانہ پاک کی ایک پرانی باخدا فقیرنی مائی بوڑھی نے حضرت ساول سائیںؒ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ اماں (امڑ) اس چور کو پکڑو تو دیکھیں کون ہے؟ چنانچہ دوسری رات مائی بوڑھی جاگتی رہی اور چھپ کر اس مردِ باخدا کا انتظار کرتی رہی۔ حسبِ معمول حضرت سید العارفینؒ چپکے چپکے آئے۔ پہلے وضو فرمایا اور پھر اپنے کام میں جُت گئے۔ تمام کام کر کے فارغ ہوئے تو مائی بوڑھی اچانک قریب جا کھڑی ہوئی اور پوچھا، بیٹا! حافظ ہو؟ آپ خاموش رہے تو مائی بوڑھی نے کہا، حافظ! سوئی شریف کی تمام آگ اور انگارے تو تُو پہلے سمیٹ کر لے گیا ہے۔ اب راکھ میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں

وہ بھی لیے جارہا ہے۔

ایک دفعہ اسی مائی بوڑھی نے حضرت سید العارفینؒ سے کہا، حافظ! تجھ تو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ حضرتؒ نے جواب دیا۔ ہاں، (امڑ) مائی تیرے مرشد کو بھی تو لوگ وہابی کہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اسی وجہ سے مشہور تھا کہ حضرت سید العارفینؒ اپنے مرشد جیلانی سائیںؒ اور حضرت دادا پیر سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح شرک و بدعت، رسم و رواج اور خلاف شرع باتوں سے سخت متنفر اور مخالف تھے۔ جماعت متعلقین میں کوئی خلاف شرع امر برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس امر میں اس قدر متشدد تھے کہ اپنے مرشد کے مسند نشین حضرت سانول سائیںؒ (جن کی ہمیشہ آپ جوتیاں سیدھی کرتے اور پنکھا جھلتے تھے) کے صاحبزادے میاں عبدالمجیدؒ کی شادی پر سے اس لیے ناراض ہو کر اٹھ کر چلے آئے کہ اندرون حویلی میں سے آپ کے کانوں تک عورتوں کے سہرے گانے کی آواز پڑ گئی تھی۔ سانول سائیںؒ اور قدیم فقراء کی منت سماجت پر راستے میں سے واپس گئے۔ سہرے گانے بند کروا دیئے گئے۔ میاں عبدالمجید کا زری سے کڑھا ہوا کرتہ پھاڑ کر اپنا درویشانہ جبہ پہنایا۔ شادی کے اونٹ کو چھیروں اور گھنگروؤں سے سنوارا گیا تھا۔ اس کے گھنگرو اتار کر توڑ دیئے ———— راشدی بزرگان کی جماعت خاص طور پر حضرت کے متعلقین کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس کنوئیں پر تمباکو کاشت کیا ہوا ہوتا تھا، اس پر وضو نہیں کرتے تھے اور جس شادی بیاہ پر ڈھول تماشے ہوتے تھے اس میں شرکت تو کجا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔

ایک دفعہ سندھی اور سرائیکی کا مشہور مجذوب شاعر دریا خاں حضرتؒ کی دعوت پر بھرچونڈی شریف آیا۔ ہندو چیلوں کی صحبت کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا تھا۔ لیکن حضرتؒ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوا تو عرض کی، حضرت! اجازت ہو تو فقیر گھنگرو باندھ کر

اور ناچ کر اپنی کافیاں سُنائے ۔ حضور نے فرمایا! فقیر سائیں! آپ کی کافیاں تو خود ناچتی ہیں۔ ان کو گھنگروؤں اور رقص کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے دریا خاں سے بغیر مزامیر ورقص کے کافیاں سماعت فرمائیں اور خوش ہُوئے۔ آپ پیرانہ طریق ومعمول کے مطابق بغیر مزامیر کے خوش الحانی سے کافیاں، ابیات یا فارسی غزلیں بھی اکثر سنتے تھے۔

حضرت سید العارفینؒ کو اپنے مرشدوں اور مشائخ سلسلہ سے جو جذب وسلوک ورثہ میں ملا تھا۔ اس میں بھی توحیدی رنگ غالب تھا۔ درگاہ میں ذکر جہر اور" لاالٰہ الااللہ" کے مستانہ نعرے ہر وقت گونجتے رہتے۔ قدم قدم پر الا اللہ، اور اللہ ہُو۔ کی پکار ہوتی۔ کسی کو بُلانے اور ٹھہرانے پر بھی اللہ ہُو، اور" ہُو" کی تسبیح کا ورد ہوتا۔ ہر کام اور ہر کاروبار میں کلمۂ توحید زبان پر جاری رہتا۔ لنگر کا کوئی کاروبار (چکی پیسنے، آٹا گوندھنے تک) ایسا نہ تھا جس میں اللہ کے نام کی حلاوت نہ ہو۔ یا بغیر وضو کے کیا گیا ہو۔ چنانچہ آگے چل کر یہی رنگ آپ کے مسترشدین کی جماعتوں میں بھی پوری طرح چڑھا ہُوا تھا۔

حضرت سید العارفینؒ نے حضرت جیلانی سائیںؒ کے ہاتھ پر جو بیعت جہاد فرمائی تھی اس میں شرع محمدیؐ کے نفاذ اور تبلیغ توحید کے مقاصد کارفرما تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ نے شرک وبدعات کے خلاف جہاد فرمایا۔ پٹن منارہ کا جہاد، اس کفر وشرک کے خلاف تھا جو مکار بدھ راہب نے ایک ننگے بت کے ذریعے جاہل عوام میں پھیلا دیا تھا۔ جس کا استیصال ضروری تھا۔ نواب بہاول خاں کا سفارتی وفد حضرت جیلانی سائیںؒ کے پاس شکایتاً صرف ایک سوال کا جواب لینے کے لیے گیا تھا۔ نواب صاحب مرحوم نے دریافت کیا تھا کہ سید صاحب، جواب دیں، کہ ربّ، رب العالمین ہے یا رب المسلمین ہے۔ جیلانی سائیںؒ نے طیش میں آکر جواباً فرمایا کہ نواب صاحب سے جا کر کہو کہ آپ کی صاحبزادی جوان

بیٹھی ہے۔ آپ اسے کسی گھسائیں ہندو کو دیدیں، جواب مل جائے گا۔ (یاد رہے کہ وفد میں ایک گھسائیں ہندو وزیر بھی تھا)

وفد ناراض ہو کر واپس چلا گیا اور ادھر نواب صاحب نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے فقراء سے جنگ لڑنے کا عزم کر لیا۔ فقراء نے بھی سر پر کفن باندھ لیے۔ جیلانی سائیںؒ نے تمام جماعتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے ہتھیار اور کفن تیار رکھیں جس کے پاس لاٹھی ہے وہ لاٹھی لے آئے جس کے پاس تلوار ہے تلوار لے آئے۔ فقیروں کی توپ والوں سے جنگ ہے۔ فقراء کے جوش وخروش اور حضرت جیلانی سائیںؒ اور سید العارفینؒ (سپہ سالار جیش) کے فقیرانہ جاہ و جلال کی تاب نہ لاتے ہوئے بالآخر نواب صاحب صلح پر آمادہ ہوا۔ پیغام بھیجا کہ پٹن منارہ کا علاقہ ہم آپ کو بطور جاگیر دیتے ہیں۔ لیکن حضرت جیلانیؒ نے انکار فرما دیا۔ کیونکہ جہاد کے بعد وہ علاقہ خود بخود جماعت کا ملکیت و مقبوضہ تھا۔ جیلانی سائیںؒ نے وہ اراضی آباد کرائی۔ مندر کو مسجد میں تبدیل کیا، بت کو توڑ دیا اور وہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اور لنگر کا اہتمام فرمایا۔

یہ جنگ تو وہ تھی، جو حضرت جیلانی سائیں کی قیادت میں لڑی گئی اور حضرت سید العارفین اس میں سپہ سالار تھے لیکن بعد میں حضرت سید العارفینؒ ایک اور جہاد پر بھی تشریف لے گئے وہ جہاد "لوڑی کنڈہ" کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں بغیر کسی خون خرابہ کے فقراء کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ اور حضرت سید العارفینؒ نے اس علاقے کو شرک و بدعت کے ظلمت کدے سے نکال کر توحید و سنّت سے آباد فرمایا۔

واقعہ یوں ہے کہ علاقہ جیکب آباد میں "لوڑی کنڈہ" کے نام سے ایک درخت تھا۔ جہاں جاہل بلوچ عوام منتیں مرادیں مانگتے اور بہت سی بُری رسمیں ہوتیں۔ اس کے متعلق بہت روایات

مشہور تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ علاقے میں بد اعتقادی اور شرک کا عظیم مرکز بنا ہوا تھا۔ حضرت سید العارفینؒ کو معلوم ہوا تو آپ اس بد اعتقادی کے گڑھ کو مٹانے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ جماعت فقراء کو لے کر اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ وہاں آپ کے کوئی خاص مرید نہ تھے۔ چند جکھیانی بلوچوں کے گھرانے تعلق رکھتے تھے جو بہت غریب اور خستہ حال تھے۔ حضرتؒ نے اس علاقے میں جا کر بلوچوں کو اپنے عزائم (درخت کاٹنے) کے متعلق کہلا بھیجا۔ اور ضروری تبلیغ کے لیے ان کے سرداروں سے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ بلوچوں کو معلوم ہوا تو وہ مرنے مارنے پر اُتر آئے اور مسلح ہو کر جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جنگ سے قبل بلوچوں نے اپنے چند سرداروں کا وفد حضرتؒ کے پاس بھیجا۔ حضرتؒ نے خیر و عافیت دریافت کی۔ بلوچوں نے بلوچی رواج کے مطابق آپ کی آمد کا حال پوچھا۔ آپ نے حال احوال کے ضمن میں دیر تک اُن کے سامنے توحید بیان فرمائی۔ اور پھر آنے کا مقصد بیان فرمایا۔ وفد کے سردار آپ کی تقریر سے متاثر ضرور ہوئے۔ لیکن درخت کاٹنے کو بھی وہ اپنی قومی شعار اور آباؤ اجداد کے عقیدے کی توہین خیال کرتے تھے۔ انہوں نے حضرتؒ کو اپنے عزائم سے باز رہنے کے لیے دھمکیاں دیں اور جنگ لڑنے کا اعلان کیا۔ مگر حضرتؒ اپنی بات پر قائم رہے۔ بلوچ سرداروں نے بالآخر تجویز پیش کی، کہ جنگ سے پہلے قرعہ اندازی کی جائے۔ اگر ہمارا قرعہ غالب رہا تو ہم جنگ کریں گے۔ ورنہ اطاعت قبول کریں گے۔ حضرتؒ نے یہ تجویز منظور فرمائی۔ بلوچوں کے مشورے سے تین "قرعے" بنائے گئے۔ ایک اللہ تعالیٰ کا (جو بلوچوں کا حلیف ہوگا) دوسرا بلوچوں کا۔ تیسرا حضرتؒ کا۔ تین بار قرعہ اندازی ہوئی اور ہر بار حضرتؒ کا قرعہ غالب رہا۔ چنانچہ تمام بلوچوں میں افواہ پھیل گئی کہ فقیر صاحب (نعوذ باللہ) خدا سے بھی جیت گیا ہے اس لیے بلوچوں کی تمام سرکش جمعیت آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور شرک و بدعت سے تائب ہو کر

درخت کاٹ ڈالا۔

حضرت سید العارفینؒ نے پیرانہ سنّت کو قائم رکھتے ہوئے شادی نہیں کی تھی زندگی بھر جتی ستی رہے۔ یاد رہے کہ آپ کے مرشد جیلانی سائیں اور صحبت کے پیر بھورل سائیںؒ نے بھی شادی نہیں کی تھی۔ کسی خادم نے آپ سے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا، بھائی! میرے پاس تو بس ایک دل تھا جو میں نے اپنے مالک کو دیدیا۔ اب بیوی بچوں کے لیے دوسرا دل کہاں سے لاؤں؟

حضرت سید العارفینؒ اپنے وقت کے بہت برگزیدہ بزرگوں میں سے تھے۔ لاریب اپنے دور کے جنیدؒ و بایزیدؒ تھے۔ آپ کی صحبت کے پیر بھورل سائیںؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضور مرشد (جیلانی سائیںؒ) نے حافظ کو اس مقام تک پہنچادیا ہے جہاں ہمارے فکر و ادراک کی پرواز بھی نہیں پہنچتی۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی طویل پچیس سالہ جلاوطنی میں ایک دنیا کی خاک چھان ڈالی تھی۔ مگر مجھے اپنے مرشد (سید العارفینؒ) سا کوئی مرشد اور اپنے استاد (شیخ الہندؒ) سا کوئی استاد نہیں ملا۔"

ایک عرب باخدا مرشد کی تلاش میں تمام بلاد اسلامیہ پھرتے پھرتے غیر منقسم ہندوستان تشریف لائے۔ مگر انہیں گوہر مقصود نہ ملا۔ اور مایوس واپس جا رہے تھے کہ ان کا سندھ سے گذر ہوا۔ بھرچونڈی شریف کا شہرہ سنا تو اپنے ہمسفر کو پیچھے چھوڑ کر آپ سید العارفینؒ کی خدمت میں پہنچ گئے دیکھا تو منزل مراد سامنے تھی۔ دوسرے روز ہمسفر بھی آگیا تو عرب جوش مسرت سے اپنے ساتھی کی پیشانی کے بوسے لیتے تھے اور کہتے تھے مجھے مبارکباد دو میرے نصیب نے یاوری کی ہے۔

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے
خوبیٔ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے

پندرہ دن حضرت سید العارفینؒ کی خدمت میں رہے اور خلعتِ خلافت سے سرفراز ہو کر وطن لوٹ گئے۔

سید العارفینؒ یوں تو جماعت کے ہر فقیر سے محبت فرماتے تھے۔ مگر نومسلموں اور یتیم بچوں سے خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مسلمان ہوئے تو آپ نے اس ہونہار کم سن نومسلم سے جس طرح کی محبت و شفقت کا اظہار فرمایا اور سرپرستی فرمائی یہ غریب الدیار بچہ ہمیشہ کے لیے اس نسبت پر فخر کرتا رہا۔ اس کہانی کے کچھ ٹکڑے خود مولانا سندھی مرحوم کی زبانی سنیئے۔ لکھتے ہیں

"اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہو گئی تھی۔ اسی طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب (بھرچونڈی والے) کی خدمت میں پہنچ گیا جو اپنے وقت کے جنیدؒ و سید العارفینؒ تھے۔ چند ماہ ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے ایک روز میرے سامنے لوگوں کو مخاطب فرمایا (غالباً مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ جن کا ذکر آگے آئے گا بھی موجود تھے) کہ عبید اللہ نے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے۔" اس کلمہ پاک کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں محض اس لیے سندھ کو اپنا مستقل وطن بنایا، یا بن گیا، میں نے قادری راشدی

طریقہ میں حضرتؒ سے بیعت کر لی تھی اس کا نتیجہ یہ محسوس ہُوا کہ بڑے سے بڑے انسان سے بہت کم مرعوب ہوتا ہوں۔ تین چار ماہ بعد میں طالب علمی کے لیے رخصت ہوا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرتؒ نے میرے لیے خاص دُعا فرمائی۔ "خدا کرے کہ عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے۔ میرے خیال میں خُدا نے وہ دُعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے مجھے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچا دیا"

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "رب العزت کی ایک خاص مہربانی یہ بھی تھی کہ میرے مرشدؒ کا سیاسی مسلک بھی وہی تھا جو میرے استاد حضرت مولانا شیخ الہندؒ کا تھا ورنہ میرے لیے سیاسی کام کرنا سخت مشکل تھا"

حضرت سید العارفینؒ ایک قوی الجثہ۔ طویل قامت۔ صحت مند و تندرست جسم کے مالک اور طاقت و شجاعت کا پیکر تھے۔ جماعت فقراء کے ساتھ ہمیشہ سادہ غذاء کھاتے تھے اور جھوٹا موٹا پہنتے تھے۔ کبھی امتیازی شان سے نہ رہتے تھے۔ بلکہ لنگر کے اکثر کام فقراء کے ساتھ مل کر کرتے تھے۔ مشقت و محنت کے بہت عادی تھے۔ تمام عمر صحت قابل رشک رہی۔ کبھی کبھی درد گردہ کی شکایت ہوتی تھی۔ خدام آپ کے کمرے میں ٹھنڈی ریت بچھا دیتے تھے جس پر شدت درد کی وجہ سے لوٹتے رہتے اور اکثر زبان فیض ترجمان پر یہ شعر جاری ہوتا۔

لطف سجن، دم بدم۔ قہر سجن گاہ گاہ
اوں بھی سجن، واہ واہ، ایں بھی سجن واہ واہ

آخر عمر میں کچھ تقاضائے سن کے باعث اور کچھ مسلسل عوارضات کے باعث آپ کمزور ہو گئے

تھے۔ سلس البول کی شکایت بھی ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے کئی کئی بار آپ کو نماز کے لیے نیا وضو بنانا پڑتا۔ اس لیے انہی ایام میں اکثر آخر وقت میں نماز ادا کرتے اور مختصر قرأت پڑھتے۔ لیکن ان تمام بدنی اور جسمانی تکالیف کے باوجود تا وصال بحق آپ برابر باجماعت نماز ادا فرماتے رہے اور نوافل و معمولات تک قضا نہیں کیے۔ آپ کی مرض الموت میں آپ کے تمام خلفاء حضور میں موجود تھے۔ ثقہ روایت ہے کہ آپ نے اپنے کئی طالبین کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم یہاں کے در و دیوار کو نہ دیکھتے رہنا، بلکہ خلیفہ صاحب خان پوری کے پاس چلے جانا۔ نیز اپنے جانشین برادر زادے حضرت میاں عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی فرمایا کہ میری قبر پر پختہ گنبد یا خس و خاشاک کی جھونپڑی نہ بنانا اور قبر کا تعویذ ایک بالشت سے کم رکھنا (اور خود اپنے ہاتھ سے بالشت کا اشارہ فرمایا کہ اتنا ہو) پھر فرمایا کہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا اور رحمت ایزدی میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ ہوئی تو قیامت کے دن میں تیرا دامن گیر ہوں گا۔"

وفات سے ایک دن پہلے اپنے خاص خدام کو اپنے سبز کھدر کے چولے اور لباس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فقیر قیامت کے روز اسی لباس میں اٹھایا جائے گا۔ غرض خدا کا یہ برگزیدہ و محبوب انسان، مرد حق آگاہ شان صدیقی کا پیکر۔ ایک تھوڑی مدت بخار کی تکلیف میں مبتلا رہ کر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگیا۔

معرفت و طریقت کا یہ آفتاب ۸ جمادی ثانی ۱۳۰۸ھ کو غروب ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت مولانا سندھی مرحوم مرشد کی وفات سے دس دن بعد دیوبند سے بھر چونڈی شریف پہنچے تھے۔

جیسا کہ گذر چکا ہے حضرت سید العارفینؒ نے عمر بھر شادی نہیں فرمائی تھی۔ اس لیے

اولاد نسبی نہیں تھی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے برادر زادے حضرت میاں محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ مسند نشین ہوئے۔ یوں تو آپ کے فیض روحانی سے ایک عالم فیض یاب ہوا تھا۔ مگر آپ کے جید و عظیم خلفا میں سے حضرت خلیفہ مولانا غلام محمد دین پوریؒ۔ حضرت سید تاج محمود امروٹیؒ۔ حضرت مولانا عبدالغفارؒ صاحب خان گڑھ۔ حضرت خلیفہ ول مراد صاحبؒ۔ مولانا ابوالخیرؒ کوئٹہ والے۔ مولانا عمر جانؒ نقشبندی چشمے والے۔ خلیفہ عبدالعزیزؒ کالا باغ۔ خلیفہ محمد عمر شاہؒ (عراق) خلیفہ عبدالرحمٰنؒ (کابل) اور حضرت مولانا شمس الدین احمد پوریؒ بہت مشہور ہوئے ہیں۔

راجن پور (سندھ) میں

حضرت دین پوریؒ حضور مرشد سید العارفینؒ سے بیعت کے بعد بھی کئی سال بستی مولویان میں تعلیم حاصل کرتے رہے حضور مرشدؒ کو اپنے نوجوان مرید و طالب کی یہ دُوری گوارا نہ تھی۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ راجن پور ضلع سکھر (سندھ) جاکر پڑھو۔ چنانچہ مرشدؒ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ بیوہ ماں اور چھوٹے یتیم بھائی بہنوں سے بچھڑ کر راجن پور کے عربی مدرسہ میں داخل ہو گئے۔

راجن پور، بھرچونڈی شریف سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر واقع ایک قدیم بستی ہے۔ جہاں اس وقت مولانا اللہ ڈیوایا صاحب مرحوم ایک صاحب دل عالم تعلیم و تدریس کا کام کیا کرتے تھے۔ وہ اگرچہ حضرت سید العارفینؒ سے بیعت نہ تھے لیکن تعلق و ارادت بہت رکھتے تھے۔ حضرتؒ نے وہاں ظاہری علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ باطنی و رُوحانی تعلیم کی طرف بھی توجہ دینی شروع کر دی۔ اور فارغ اوقات خاص طور پر جمعہ کے دن حضور مرشدؒ کی صحبت میں گذارتے۔ وہاں سے بھرچونڈی شریف کو آمد و رفت کا سلسلہ مسلسل چلتا رہا اور قدم خود بخود باطنی منزلوں کی جانب بڑھتے رہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے

آپ ایک دن مرشد سید العارفینؒ کی خدمت میں گئے تو حضور نے خاص توجہ فرمائی۔

اُٹھ کر بستی سے باہر روانہ ہُوئے اور آپ کو اپنے پیچھے پیچھے چلے آنے کا اشارہ فرمایا۔ بستی کے باہر آپ کا ایک کھجوروں کا باغ تھا۔ آپ اس میں داخل ہُوئے۔ حضرت دین پوری بھی داخل ہو گئے تو حضرت سید العارفینؒ نے ٹھہر کر آپ کو کھجوروں کے ایک جُھنڈ کی طرف اشارہ کر کے دکھایا۔ وہاں ایک فقیر تہبند باندھے باقی برہنہ بدن بیٹھا، ذکر (پاس انفاس) میں مشغول تھا اس کے تیز تنفس کی آواز دور تک سنائی دے رہی تھی۔ حضرت سید العارفینؒ اشارہ سے وہ منظر دکھا کر واپس چلے گئے۔ مگر حضرت دین پوریؒ کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ آپ نے اپنی ظاہری تعلیم "شرح جامی" پر ختم کر دی اور خود ہمہ تن تصوف و سلوک کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مدرسہ چھوڑ دیا اور خانقاہی مکتب عشق کو جا کر آباد کیا۔ گویا حضرت سید العارفینؒ نے لسان الغیب حضرت خواجہ فریدؒ کے دیئے ہُوئے مشورہ کے مطابق فرمایا ؎

سکھ ریت روش منصورؒ نوں
تے ٹھپ رکھ کنز، قدوری نوں

حضرت فرماتے تھے کہ اس واقعہ کے بعد، میرے دل میں یہ پختہ یقین جاگزین ہوا کہ حضور مرشد کے اس اشارہ کا مقصد مجھے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا گیا ہے۔

سیّد العارفین کی صحبت

ترک تعلیم ظاہری کے بعد، آپ مستقلاً حضور سید العارفینؒ کی صحبت میں (بھر چونڈی شریف) رہ گئے اور اب باطنی تعلیم کے اسباق باقاعدہ پڑھے جانے لگے۔ اپنی زندگی حضور مرشدؒ اور ان کے لنگر پاک کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ اور خود کو اپنے شیخؒ کی شراب محبت میں اسقدر سرشار کیا کہ دنیا و مافیہا کا ہوش باقی نہ رہا۔ گھر سے خط آتے مگر وہ بغیر پڑھے کسی جگہ رکھ دیتے مرشدؒ حکم دیتے تو کچھ دن کے لیے اپنی ماں اور بھائی بہنوں کے پاس (ٹبی کورائیاں) بعد میں

بستی گمونٹیاں علاقہ خان پور) چلے جاتے ۔ مگر اس مدت میں حضور مرشدؒ کی جدائی میں ماہئی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے ۔ اپنی والدہ اور بھائی بہنوں کو بھی بھرچونڈی شریف لے جاتے ان کا تعلق بیعت بھی حضرت سید العارفینؒ سے کرا دیا تھا۔ چنانچہ اماں صاحبہ بعد میں باقاعدہ صاحب نسبت ہوئیں۔

درگاہ عالیہ بھرچونڈی شریف کے قیام کی مدت میں آپ نے خوب محنت کی کٹھن ریاضتیں اور مجاہدات کئے ۔ اسی طرح لنگر عالیہ کی خدمت میں بھی پیش پیش رہے اور تمام کاروبار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے ۔ ایک دفعہ لنگر عالیہ کے لیے جنگل سے سرکنڈوں کے گٹھے لے آئے ۔ ریش مبارک میں خس و خاشاک کے تنکے پھنس گئے تھے ۔ حضور مرشدؒ نے دیکھا تو پاس بٹھا کر اپنے مقدس ہاتھوں سے چنتے رہے اور دیر تک گریہ فرماتے رہےؒ

میانِ عاشق و معشوق رمز یست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

بھرچونڈی شریف کی مسجد شریف کی تعمیر شروع تھی ۔ ایک دن حضرت سید العارفینؒ نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے اور آپ کو بلا کر فرمایا ۔ میاں! میری مسجد کو تو دیکھو، کعبہ شریف کو سیدھی ہے ؟ یہ گویا تمام جماعت کے سامنے اپنے نوجوان طالب کی بلند استعداد، صلاحیتوں اور علوئے شان کا اظہار تھا ۔

حضرت دین پوریؒ نے حضور سید العارفینؒ کی حیات طیبہ میں تو کیا آپ کے وصال کے بعد بھی جب کبھی درگاہ بھرچونڈی شریف میں قیام کیا ۔ کبھی چارپائی پر نہ سوئے اور نہ بیٹھے نہ ہی بستر طلب کیا ۔ خود کو اس درگاہ کا ایک معمولی اور ادنیٰ فقیر سمجھتے تھے ۔

حضور سید العارفینؒ کی صحبت کے انہی ایام میں آپ نہایت عسرت و مسکینی کی صورت میں

رہتے تھے۔ گرمیاں اور سردیاں بس ایک چادر میں گذارتے تھے۔ کپڑے پیوند زدہ اور پھٹے ہوئے ہوتے تھے۔ ایک ٹوٹی ہوئی (کنوئیں کی) ٹنڈ میں لنگر کا بھات یا اُبلے ہوئے چنے (کوہل) لیتے اور بقدر قوت لایموت کھا کر عبادات و ریاضات میں مشغول ہو جاتے۔ یہی وہ دن تھے۔ جب بھرچونڈی شریف میں ایک نوجوان سید زادہ آیا جس کی پیشانی پر انوار ولایت کا جاہ و جلال اور علم و حکمت کے آثار ظاہر تھے۔ مگر وہ بھی اس خانقاہ میں آکر ایسا گم ہوا کہ تن من کا ہوش نہ رہا۔

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم   جنید و رومیؒ و عطارؒ ہم مست

حضرت دین پوریؒ اور اس نوجوان کا ربط و ضبط بڑھا اور یہ تعلق پُرخلوص بےلوث دوستی سے بڑھ کر عشق و محبت اور بھائی چارہ تک پہنچ گیا۔ "یک جان و دو قالب" کا فارسی محاورہ اگر کہیں صادق آتا تھا۔ تو ان دو طالبانِ راہِ حقیقت پر آتا تھا۔ یہ نوجوان سید زادہ ابوالحسن مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ تھے۔ اب حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ ایک ساتھ رہتے تھے۔ اٹھنا، بیٹھنا۔ کاروبار و اشغال ایک ساتھ۔ کھانا، پینا، بلکہ پہننا اکٹھے تھا۔ پہلے جو چادر حضرت دین پوریؒ اکیلے استعمال کرتے تھے۔ اب وہ مشترک تھی جوتیوں کی ایک جوڑی تھی۔ ایک بھائی پہن کر مسجد کے باہر جاتا اور وضو وغیرہ کر کے واپس آتا تو دوسرا بھائی اسے پہن کر جاتا۔ اس دوران دوسرا انتظار کرتا رہتا۔ دوسری طرف لنگر کا بھات اور کوہل اُسی ٹوٹی ہوئی ٹنڈ میں اکٹھے بیٹھ کر کھاتے۔ یہ تعلق محبت اسقدر تھا کہ دنیا میں سگے بھائیوں کے درمیان بھی نہ ہوگا۔ حضرت دین پوریؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میرے بھائی امروٹیؒ پر ایک مُصیبت دنیوی آئی۔ میں پریشان تھا اور مجھے یقین تھا کہ ضرور مجھ پر بھی کوئی ابتلاء آئے گی۔ چنانچہ ایک دو دن کے اندر ہی میں بھی مُصیبت میں گرفتار ہوا۔

خبر آئی کہ میاں غلام رسول (برادر حقیقی) کی ایک انگریز سے لڑائی ہوئی ہے اور ان پر مقدمہ قائم ہو گیا ہے۔ جن کی وجہ سے میں اور باقی خاندان بھی پریشانی اور مصیبت کا شکار ہوا۔ غرض ان دونوں بھائیوں (حضرت سید العارفینؒ کے خلفاءؒ) کا یہ تعلق نہ صرف تا دم زیست رہا۔ بلکہ دین پوری اور امروٹی جماعت ابتداء سے ایک رہی ہے اور بحمد اللہ ابھی تک ان میں فکر و نظر کی یکجہتی اور پُر خلوص یگانگت و اخوت باقی ہے اور انشاء اللہ باقی رہے گی۔

حضرت دین پوریؒ نے بھر چونڈی شریف حضور شیخؒ کی خدمت و صحبت میں تقریباً اٹھائیس سال گزارے۔ ابتداً اٹھارہ بیس سال کے عرصے میں بہت کم گاہ گاہ گھر آ کر ماں اور بھائی بہنوں کی خبر لیتے تھے۔ مگر شادی کے بعد حضور مرشدؒ خود آپ کو اکثر گھر کی دیکھ بھال کے لیے بھیجا کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کبھی حضور شیخؒ سے گھر جانے کی اجازت نہیں لی۔ آپ خود ہی ارشاد فرماتے۔ بعض اوقات کرایہ بھی اپنی جیب سے عنایت فرماتے ایک دفعہ حضرت دین پوریؒ اپنے تمام اہل و عیال کو مرشدؒ کے حضور میں لے گئے اور وہاں چھ مہینے قیام کیا۔ اس تمام مدت میں حضرت سید العارفینؒ نے ان کی اس قدر خاطر و مدارات فرمائی کہ آخر اماں صاحبہ نے عرض کی حضور ہم تو خدمت کرنے کے لیے آئے ہیں نہ کہ خدمت کرانے کے لیے۔ آپ ہمارے لیے اہتمام نہ فرمایا کریں۔ آپ نے فرمایا، اماں! ہم نے یہ رزق تو صرف آپ لوگوں کے لیے عرصہ سے جمع کر رکھا تھا۔ حضرت دین پوریؒ کا حکم تھا کہ حضرت سید العارفینؒ جس وقت اندرون حویلی تشریف لایا کریں تو آپ سب اکٹھے مل کر حضور کی خدمت میں بیٹھا کریں۔ اس لیے آپ ان کو "مسکینوں کا ٹولہ" کے لقب سے یاد فرماتے۔ حضرت سید العارفینؒ کا قاعدہ تھا کہ آپ بہت کم اندرون حویلی تشریف لے جاتے تھے۔ مگر جب کبھی حضرتؒ کے اہل و عیال وہاں جاتے تو آپ روزانہ جاتے

اور آپ کے چہرۂ مبارک سے مسرّت و سرخوشی کا اظہار ہوتا۔ چھ مہینے کے قیام کے بعد جب آپ نے ان کو رخصت کیا تو اس قدر سامان کپڑے ، اور ضرورت کی اشیاء دیں کہ پوری ایک بیل گاڑی بھر گئی جس طرح ایک باپ اپنی بیٹیوں کو رخصت کرتا ہے ۔ سید العارفینؒ نے اسی طرح تمام اہل و عیال کو رخصت کیا ۔

تاجُ الاولیاء

حضرت مولانا سیّد تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی، حضور سید العارفینؒ کے اکابر خلفا میں سے ہیں۔ حضرت دین پوریؒ کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھتے تھے۔ منہ بولے بھائی تھے۔ ایک دوسرے کو "ادا" (بھائی) کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک بڑی مدت حضور مرشدؒ کی صحبت میں ایک ساتھ رہے تھے۔ بعد میں بھی یہ تعلق قائم رہا۔ بلکہ بڑھتا چلا گیا۔

آپ گوٹھ دیوانی (ضلع خیرپور میرس۔ سندھ) کے ایک مشہور سید گھرانے میں پیدا ہوئے والد محترم سید عبدالقادر شاہؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ سن ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق آپ کی ولادت غالباً ۱۸۵۹ء میں ہوئی ہوگی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ اور پھر مولانا عبدالقادر بھنواری پنو عاقل ضلع سکھر کے پاس چلے گئے۔ وہاں ان سے تمام ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ شرعی و عصری تعلیم سے فارغ ہو کر باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے تو خوش قسمتی سے حضور سید العارفینؒ کی صحبت بابرکت میں پہنچ گئے۔ حضور مرشدؒ کی نگاہ کیمیا اثر سے آپ تھوڑی مدت میں ہی کندن بن کر نکلے اور رہروان راہ طریقت کی پیشانی کا جھومر بن گئے۔ خرقۂ خلافت لینے کے بعد، آپ نے حضور مرشد سید العارفینؒ کے حکم سے امروٹ شریف۔ تعلقہ گڑھی یاسین میں مستقل قیام فرما کر خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ اور ایک غیر معروف مقام کو اپنے نام کی نسبت عطا کر کے عزت و شہرت دوام عطا کر دی۔

آپ سندھ کے ایک بہت بڑے عالم دین، اور بزرگ کامل تھے۔ سندھی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے "پریت ناموں" اور سورۃ یٰسین کا منظوم سندھی ترجمہ کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ بھی کیا تھا۔ جو عوام و خواص میں بہت مقبول ہے۔ آج تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

پاک و ہند کی سیاسی تحریکوں میں آپ کا اپنے وقت کے چوٹی کے رہنماؤں میں شمار ہوتا ہے اور سیاسیات میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ سندھ میں انگریز کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے بھرچونڈی شریف میں تعلق ہوا۔ اور حضور مرشدؒ کے وصال کے بعد آپ نے ہی ان کی سرپرستی فرمائی۔ ان کی شادی بھی آپ نے ہی کرائی تھی۔ مولانا سندھیؒ کو ایک مدّت تک اپنے پاس ٹھہرایا اور اکٹھے سیاسی اور علمی کام کرتے رہے۔ مولانا سندھیؒ کے ذریعے سے حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق استوار ہوا۔ آپ دو دفعہ دیوبند تشریف لے گئے تھے۔ پہلی دفعہ حضرت دین پوریؒ بھی ہمراہ تھے اور یہ دیوبند کے پچاسویں دستار بندی جلسہ کا موقع تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے درس حدیث میں شریک ہوئے تو دیوبند ہی میں قیام کا ارادہ فرما لیا۔ حضرت دین پوریؒ بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر واپس لے آئے۔ دوسری دفعہ اسارت مالٹا سے رہائی کے بعد شیخ الہندؒ کے ہاں گئے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ الہندؒ کے پاس ایک ٹوپی بھیجی جس پر "تاج محمود" کے لفظ کڑھے ہوئے تھے۔ شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں کام کیا۔ آپ نے ۱۹۱۵ء میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو افغانستان پہنچانے میں بڑی امداد کی۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے۔

"شاید یہی مولوی تاج محمد (محمود) ساکن امروٹ سکھر سندھ ہیں۔ سندھ میں دوسرے نمبر پر اس کا زبردست اثر ہے جو صرف مولوی ہمایوں کے اثر سے کم ہے وہ کھدّہ

کراچی کے مولوی محمد صادق کا دوست ہے جواب کار وار میں نظر بند ہے خیال ہے
کہ اس نے مولوی عبید اللہ کے فرار افغانستان میں اس کی مدد کی تھی۔ اس کے
ہزاروں پیرو ہیں۔ جن میں بڑے بڑے زمیندار، پلیڈر اور سرکاری ملازمین شامل
ہیں۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔" (تحریک شیخ الہندؒ صفحہ ۱۸۴)

امروٹ شریف اس زمانے میں اس تحریک کا زبردست مرکز تھا اور جہاد آزادی کے
لیے وہاں مکمل تیاری تھی۔ آپ کے پاس بھی ریشمی خط آیا تھا۔ افشائے راز کے بعد آپ کو بھی گرفتار
کر کے کراچی لے گئے۔ مگر کوئی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے رہا کر دیئے گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی رہائی
آپ کی کرامت کا نتیجہ تھی۔ مشہور ہے کہ آپ کو کمشنر کراچی کی کوٹھی پر نظر بند رکھا گیا تھا۔ وہ ایک انگریز
تھا۔ اچانک اس کی میم کو آشوب چشم کی شکایت پیدا ہوئی۔ اس قدر تکلیف تھی کہ درد کے مارے
چیخیں مارتی اور فرش پر لوٹتی تھی۔ کراچی کے تمام ماہر ڈاکٹروں نے علاج کیا مگر کچھ بھی افاقہ نہ ہوا۔ کمشنر
کے ایک مسلمان خانساماں نے اس کو حضرتؒ کے پاس جا کر دعا منگوانے کا مشورہ دیا تو وہ مجبوراً
آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اپنے استعمال کے سرمہ میں سے ایک سلائی میم صاحبہ کی آنکھوں میں
پھیرنے کے لیے دی۔ سلائی پھیرتے ہی درد کافور ہو گیا اور آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ چنانچہ کمشنر نے
اسی وقت حضرتؒ کی رہائی کا حکم دیدیا۔

تحریک ریشمی رومال کے بعد آپ نے آزادیٔ وطن کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دوران سندھ اور بیرون سندھ میں آپ ایک عظیم
سیاسی رہنما بن کر ابھرے۔ تحریکِ ہجرت میں بھی آپ نے زبردست کام کیا تھا اور خود بھی ہجرت
کی تھی، مگر افغان حکومت کی منافقانہ پالیسی سے بددل ہو کر واپس تشریف لے آئے۔ تحریکِ
خلافت کے بعد آپ جمعیۃ العلمائے ہند میں باقاعدہ شامل ہو کر تازیست سیاسی کام کرتے رہے۔

انگریز دشمنی اور جذبۂ جہاد کے بعد تبلیغ دین (غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت) آپ کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔ مشہور ہے کہ آپ کے دستِ حق پرست پر سات ہزار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ عربی و دینی مدارس کے قیام میں بھی آپ خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے علاقہ سندھ میں مدارس کا ایک جال سا پھیلا دیا تھا۔

آپ جلالی شان کے بزرگ تھے۔ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ پر جلال اور جذبۂ جہاد غالب تھا۔ کرامات جلیہ کا ان سے ظہور ہوا۔ کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا اور ان کے مقابلہ میں آ گئے۔ حکومت نے شورش عام کے خطرہ سے طرح دی۔

(پرانے چراغ ص۱۴۸)

آپ کے برعکس حضرت دین پوری جمال اتم تھے۔ ایک میں صدیقیؓ سیرت کی جھلکیاں نمایاں تھیں تو دوسرے (حضرت امروٹیؒ) میں فاروقیؓ جلالت کے آثار پائے جاتے تھے۔ آپ سے خرق عادات و کرامات بہت مشہور ہیں۔ ایک دفعہ ایک انگریز کلکٹر آپ سے ملنے کے لیے آیا باتوں باتوں میں وہ آپ کی جہاد کی تیاری، پرانے زمانے کے اسلحہ اور بے سروسامانی کے متعلق طنزیہ بات کہہ گیا۔ اس پر آپ جلال میں آ گئے۔ خادم سے فرمایا کہ جا کر لنگر کے پیازوں کی کوٹھڑی میں سے ایک پیاز لے آؤ۔ وہ پیاز لے آیا تو آپ نے چاقو کھول کر پیاز کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر انگریز کو فرمایا کہ جا کر کوٹھڑی میں دیکھو وہ وہاں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوٹھڑی میں پڑا ہوا پیازوں کا تمام ڈھیر دو دو ٹکڑے ہوا پڑا تھا، آپ نے فرمایا، کلکٹر صاحب! فقیروں کو اللہ نے یہ طاقت دی ہے کہ آپ لوگوں کی گردنیں اسی طرح اتار دیں۔

ایک دفعہ جوش میں آ کر فرمایا، کہ کئی بار ایسا ارادہ کیا کہ قصرِ بکنگھم میں جا کر جارج پنجم کی گردن مروڑ دوں مگر مشیت ایزدی نہ تھی۔ حجاب مانع آ جاتا رہا۔

انگریزوں نے کسی فیقی القلب کے ہاتھوں آپ کو زہر دلادی تھی جس کے اثر سے آپ کے تمام جسم مبارک پر پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں اور خارش کی تکلیف رہنے لگی۔ آخر زہر کے اسی اثر سے ملت کا یہ بطلِ جلیل، حرّیت وطن کا عظیم رہنما، شیخ الہندؒ کا ایک مخلص ساتھی۔ حضرت دین پوریؒ کا پیارا بھائی اور سندھ کا مشہور روحانی مقتدا ۲۴ نومبر ۱۹۲۹ء کی درمیانی شب (ایک بجے رات) مطابق ۳ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ) کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد چھوڑی، ایک بچہ حسن شاہ عین عنفوانِ شباب میں فوت ہو گیا تھا۔ آپ کے بعد آپ کے بھتیجے میاں نظام الدین شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد اب ان کے فرزند حضرت سیّد محمد شاہ مدظلہ العالی جماعت کی روحانی تربیت فرماتے ہیں۔ مخلص و باخدا جوان ہیں۔ آپ کا سیاسی تعلق بھی جمعیۃ علمأ اسلام سے ہے۔ صوبہ سندھ میں آپ اس کے امیر ہیں۔

حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلفأ کے نام یہ ہیں:

۱: حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

۲: حضرت مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ (بانیچی شریف)

۳: حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (بھرچانی شریف)

۴: حضرت مولانا حماد اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ہالیجی شریف)

ٹبی کورائیاں سے بستی گھوٹیا (علاقہ خان پور) میں

حضرت دین پوریؒ ابھی حضور مرشد سید العارفینؒ کی صحبت میں رہتے تھے اور گاہے بگاہے والدہ اور بھائی بہنوں کی خبر گیری کے لیے ٹبی کورائیاں آتے جاتے رہتے تھے۔ اس مدت میں آپ کی بڑی ہمشیرہ (غلام زہرہ) جوان ہو گئی۔ بستی کے تمام لوگ بلوچ نوجوان ناخواندہ، اجڈ اور گنوار تھے۔ دین و مذہب سے بھی معمولی علاقہ رکھتے تھے بلکہ شرک و بدعت

میں مبتلا تھے۔ ایسی صورت میں ہمشیرہ کا رشتہ کسی بلوچ نوجوان کو دینا حضرتؒ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ اس لیے مجبوراً ایک غیر بلوچ (کمہار) نوجوان سے اپنی بہن کا نکاح پڑھا دیا۔ وہ نوجوان ایک مہذب اور نیک عادات وخصلات کا مالک تھا۔ بستی کے بلوچوں کو یہ بات بڑی ناگوار محسوس ہوئی، بلکہ انہوں نے اسے اپنی ہتک سمجھا۔ ان کی اندھی عصبیت جوش میں آگئی اور وہ سب اس غریب اللہ یار خاندان کے درپے آزار ہو گئے۔ ایک دن موقع پا کر کمہار مذکور کو قتل کر دیا۔ اس عرصہ میں آپ کی ہمشیرہ کے ایک بچہ پیدا ہوا تھا جو ابھی چند دنوں کا تھا مگر بدبختوں نے اُسے بھی ماں سے چھین لیا اور بھوکا رکھ کر مار ڈالا۔ آپ کو ان حادثات وواقعات سے سخت دلی صدمہ پہنچا اور آپ دل برداشتہ وغمگین رہنے لگے۔ جب حضور سید العارفینؒ کو ان تمام حالات کا علم ہوا تو آپ نے ان کو بستی گھوٹیہ (علاقہ خانپور) نقل مکانی کر جانے کا حکم دیا۔ جہاں جام سجادل گھوٹیہ نمبردار آپ کے معتقدین میں سے تھا۔ چنانچہ حضرت دین پوریؒ اپنا مختصر کنبہ ٹبی کورائیاں سے لے کر یہاں رہنے لگے۔

شادی آپ نے پہلے تو اپنے مرشد سید العارفینؒ کی تقلید واتباع میں شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور اس پر ایک بڑا عرصہ سختی سے پابند بھی رہے۔ لیکن بالآخر والدہ ماجدہ کے شدید اصرار اور شیخؒ کے فرمان پر آپ شادی کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ حضور سید العارفینؒ نے دُعا فرمائی اور فرمایا کہ یہ شادی مبارک رہے گی۔ انشاءاللہ۔

والدہ محترمہ کی خواہش تھی کہ وہ اپنی بہو (وطن سے) رشتہ داروں میں سے ہی لائے گی۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ کے ہمراہ پہلی بار اپنے مولد ومسکن ضلع جھنگ (پنجاب) گئے۔ بڑے بھائی محمد اسمٰعیل خان اور دوسرے رشتہ داروں سے ملے۔ بچھڑے ہوئے بھائی ایک طویل عرصہ کے بعد ملے تھے اس لیے خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ باقی عزیز واقارب نے بھی شاندار خیر مقدم کیا، مگر جب ان لوگوں کو

معلوم ہوا کہ بی بی صاحبہ اپنے صاحبزادے کے لیے رشتہ لے کر واپس چلی جائیں گی تو سب نے اس تجویز کی مخالفت کی اور زور دیا کہ اب وہ مستقل یہاں قیام کریں۔ اُدھر محمد اسماعیل خان نے بھی جائیداد سنبھالنے کی پیشکش کی اور اصرار کیا کہ اب واپس نہ جائیں اور دوسرے بھائی بہنوں کو یہاں بُلا لیں۔ مگر حضرتؒ کو اپنے مرشدؒ کی فرقت ایک پل بھی گوارا نہ تھی۔ آپ نے تمام تجویزیں اور مشورے ٹھکرا دیئے۔ اس سے قریبی رشتہ داروں کو دُکھ ہوا اور ان میں سے کسی نے بھی اپنی لڑکی پردیس بھیجنے کی حامی نہ بھری۔ سب ہی آپ کی واپسی پر معترض تھے۔ بی بی صاحبہ جب تمام رشتہ داروں کے اس جواب سے مایوس ہوئیں تو ناراض ہو کر واپسی کا ارادہ کر لیا۔ نندوانی بلوچوں میں سے ایک دور کے رشتہ دار مہر خان مرحوم کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے حضرتؒ کے لیے بی بی صاحبہ کو اپنی لڑکی کا رشتہ پیش کیا، جسے بی بی صاحبہ نے بطیب خاطر قبول کیا۔ چنانچہ مہر خان مرحوم کی اس لڑکی (غلام فاطمہ) کا نکاح حضرت کے ساتھ پڑھا گیا اور ساتھ ہی سادہ طریق پر (سُنّت نبی علیہ الصلوٰۃ کے مطابق) شادی بھی ہو گئی۔

چند دن وہاں قیام کیا اور پھر رخصتی لے کر آپ واپس بستی گھوٹیہ (خان پور) سابق ریاست بہاولپور تشریف لے آئے۔

رفیقۂ حیات

آپ مرحوم مہر خان کی بڑی لڑکی اور حضرتؒ کی پہلی رفیقۂ حیات تھیں۔ اسم گرامی غلام فاطمہ تھا مگر مساکین اور فقراء کی خبر گیری اور خدمت بدرجہ اتم فرمانے کی وجہ سے جماعت فقراء میں آپ "ام المساکین" کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ کے بطن سے حضرتؒ کی بہت سی اولادیں ہوئیں۔ حسن صورت و سیرت کا بے مثال مرقع تھیں۔ حضرت اور آپ کی جماعت کی خدمت میں سب سے آگے تھیں۔ وفا شعاری اور محبتُ خلوص کا مجسمہ اور پیکر صبر و رضا تھیں۔ گویا الطیبات للطیبین کی صحیح تفسیر تھیں۔

شوہر اور بیوی عادات و خصلات کے ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ دونوں ایک ہی راستہ اور ایک ہی منزل کے مسافر تھے۔ جن کا مقصد حیات، لائحہ عمل اور مطمحِ نظر بھی ایک تھا۔ شوہر نامدار، اگر خلقِ خدا کے مقتدا و رہنما تھے اور ایک عظیم مقصد کے مبلغ و معلم تھے تو عفت مآب و شوہر پرست بیوی، جماعت فقرا کی خادمہ، اندرونِ خانہ حضرت کے مشن تبلیغ و ارشاد کی بہترین سرگرم رکن، مبلغہ و معلمہ تھی۔ آپ نے مشکل سے مشکل ترین دور میں بھی حضرت کا ساتھ دیا اور تمام مصائب و آلام خندہ پیشانی سے برداشت کیے۔ دُکھ، درد، بھوک ننگ، تنگی اور عسرت، فقر و مسکینی، غرض ہر آزمائش میں حضرتؒ کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔

ایک دفعہ حضرتؒ نے عصا سے زمین پر دو لکیریں کھینچیں اور فرمایا۔ یہ لکیر راستہ رحمانی ہے جس میں فقر و افلاس اور آزمائش و امتحان ہے، مگر یہ دوسری لکیر راستہ شیطانی ہے جس میں ظاہراً کوئی تکلیف و مصیبت نہیں ہے بلکہ چند روزہ دنیوی عیش و آرام ہے۔ ایک سے عاقبت سنورتی ہے۔ دوسری سے دُنیا بنتی ہے۔ اب جو راستہ چاہو اختیار کرلو۔" بی بی صاحبہ اور دوسرے اہلِ خانہ راستہ رحمانی کی طرف چلے آئے اور خوشی سے عسر کو قبول کیا۔ فقر و فاقہ اور تنگی و عسرت کا یہ دَور بھی تھا جب کئی کئی وقت گھر کے چولہے میں آگ نہ جلتی تھی مکمل فاقے ہوتے تھے اور بچے تک بھوکے رہتے تھے۔ تن کے کپڑے چیتھڑے، خستہ و پیوند زدہ ہوتے تھے مگر بی بی صاحبہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں اور نہ اُن کے رویہ سے کبھی اظہار ہوا۔ وہ ہر حالت میں مطمئن اور صبر و رضا کا پیکر رہیں بلکہ اس شعر کی تفسیر تھیں ؎

غم بھی گذشتنی ہے، خوشی بھی گذشتنی ۔۔۔ کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو

عسر و مسکینی کا زمانہ گذر گیا۔ خوش حال و پُراطمینان دن آگئے لیکن بی بی صاحبہ کی سادگی تواضع، انکسار اور خدمت میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ کبھی فاخرہ لباس نہ پہنا اور کبھی امتیازی

شان سے نہ رہیں۔ عیدین اور تقاریب تک (صاحبزادوں کے اصرار کے باوجود) بالکل سادہ اور عام کپڑے پہنتی تھیں۔ یہاں تک کہ باہر سے آنے والی مہمان عورتوں کو یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ بی بی صاحبہ کون سی ہیں؟

ایک دن کسی صاحبزادے نے عرض کیا۔ اماں آپ تو ہمیشہ اس قدر خستہ حال میں رہتی ہیں کہ اپنی عزت کا خیال بھی نہیں فرماتیں۔ آبدیدہ ہو کر بولیں، بیٹا! میری اپنی کیا عزت ہے۔ یہ سب عزت تو مجھے میرے حضرتؒ کے طفیل ملی ہے۔

تحریک ریشمی رومال میں حضرتؒ کی گرفتاری اور مابعد کے حالات میں آپ نے جس صبر و ثبات اور عزم و استقامت کا ثبوت دیا تھا وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھا۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے پیش کش کی گئی تھی کہ اگر مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی صاحبزادی کو (جو دین پور شریف میں بی بی صاحبہ کے پاس تھیں) سرکار انگریزی کے حوالے کر دیا جائے تو حضرت سے رعایت کی جا سکتی ہے۔ جماعت کے تمام صاحب الرائے فقرا کا اصرار تھا کہ پیش کش قبول کر لی جائے۔ لیکن آپ اکیلی اس رائے کے خلاف تھیں بلکہ حکومت اور جماعت کے ارادوں کے سامنے کوہ گراں بن گئیں۔ سر مولوی رحیم بخش (صدر ریاست) کے ایلچی کو جو ایک پولیس کپتان تھا پہلے تو کہلا بھیجا کہ اس سے کہو کہ جس دن سے حضرتؒ گرفتار ہوئے ہیں، بی بی صاحبہ روزہ سے ہیں اور خاموش ہیں۔ اس لیے ہم ان کے حکم کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن ایلچی کی دوبارہ سہ بارہ آمد پر جب ادھر سے اصرار بڑھا تو آپ نے دوٹوک جواب دیا۔ فرمایا کہ میں ایک مجاہد کی بیٹی کو (جو ہمارے پاس امانت ہے) درندوں کے سپرد ہرگز نہیں کروں گی۔ اگر حکومت نے زبردستی کی تو ان کے ہاتھ ہماری لاشیں آئیں گی۔ پھر سردار فاضل خاں عباسی کو دروازہ پر بلا کر فرمایا کہ جماعت سے کہہ دیں کہ وہ اس خیال سے باز آ جائے۔ حضرتؒ کا اور ہمارا محافظ اللہ ہے اور وہی کافی ہے۔ اگر اس

معاملے میں جماعت نے زور دیا، تو پہلے ہی اپنی لڑکیوں آمنہ اور رقیہ کو کنویں میں پھینک دوں گی اور پھر خواد حضرت سندھی کی صاحبزادی) کو دھکا دے کر خود بھی کنویں میں چھلانگ لگا دوں گی۔ لیکن انگریز پلید کے عزائم پورے نہ ہونے دوں گی۔ بی بی صاحبہ کے اس اٹل فیصلہ پر تمام جماعت خاموش ہوگئی اور حکومت کو منہ کی کھانی پڑی۔

پچیس سالہ جلاوطنی کے بعد جب حضرت سندھیؒ وطن واپس آئے تو جب کبھی دین پور شریف آتے تو صاحبزادی صاحبہ کی زبانی یہ حالات ضرور سنتے زار و قطار روتے رہتے اور بی بی صاحبہ کی بخشش کے لیے دیر تک دعا مانگتے رہتے۔ غرض حضرت دین پوری جیسے اولوالعزم اور عظیم انسان کے ساتھ بی بی صاحبہ جیسی مدبر اور جری خاتون کی رفاقت قدرت کا گرانقدر عطیہ تھی۔

بی بی صاحبہ خدمت، رفاقت، صبر و ثبات، ایثار اور تبلیغ و ارشاد کا ایک ایسا عظیم پیکر تھیں جو ہر صورت میں حضرتؒ جیسی بلند پایہ شخصیت کے شایانِ شان تھا۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بی بی صاحبہ حضرت سید العارفینؒ سے بیعت تھیں اور روحانی طور پر بھی بلند درجہ پر فائز تھیں۔ کہتے ہیں کہ جنات آپ کے مرید تھے اور آپ ان کی تعلیم و تربیت بھی فرمایا کرتی تھیں۔

بی بی صاحبہ سال ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۷ھ میں انفلوئنزا کی ہمہ گیر وبائی بیماری سے فوت ہوئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

میاں غلام رسول مرحوم (برادرِ حقیقی) کے بعد حضرتؒ نے بی بی صاحبہ رفیقۂ حیات کے انتقال پر فرمایا کہ آج میرا دوسرا بازو (ہاتھ) ٹوٹ گیا ہے۔

خرقۂ خلافت

اس وقت آپ کی عمر شریف تقریباً چالیس برس کی تھی جبکہ حضور مرشدؒ نے آپ کے قلبِ صافی کو تمام انوار ولایت و معرفت کے خزینے سے

بھر دیا تھا اور جملہ فیوض و کمالات باطنی کا چشمہ بنا دیا تھا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ مہرِ ولایت طلوع ہو اور اپنی ضیا پاشیوں سے تاریک قلب و تاریک علاقوں کو منور کرے حضور مرشدؒ نے آپ کو یہ بار امانت سپرد فرمایا اور خرقۂ خلافت سے نواز کر ارشاد فرمایا کہ خان پور کے قریب جنگل میں (موجودہ دین پور شریف کے مقام پر) جا کر آباد ہوں۔ حضرت دین پوری فرماتے تھے کہ حضور مرشدؒ نے جس وقت مجھے خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے کندھوں پر کوہِ گراں رکھ دیا ہے۔

حضرت دین پوریؒ حضرت سید العارفینؒ کے خلیفۂ اول و اعظم تھے (جیسا کہ حضرت سندھیؒ نے بھی اپنی خود نوشت سوانح میں لکھا ہے) چونکہ حضرت دین پوری خلافت کے بعد بھی کئی سال حضور مرشدؒ کی صحبت کے مزے لوٹتے رہے۔ اس لیے بعض اصحاب کو شبہ ہوا کہ حضرتؒ کو بعد میں خلافت دی گئی۔ جبکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے　　　اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس واقعہ کی تائید میں حضرت سندھیؒ کی تصدیق اور خاندانی ثقہ روایات کے علاوہ حضرت لاہوریؒ کی نگرانی میں شائع شدہ "شجرہ خاندان قادریہ" سے بھی ثبوت ملتا ہے۔

دل کی بے قراریاں نہ گئیں

خلافت و اجازت ملنے کے بعد اگرچہ آپ مرشدِ پاکؒ کے حکم سے مستقل طور پر علاقہ خان پور (بستی گھوٹیڑا اور پھر دین پور شریف) میں رہ کر خلق خدا کو فیض رسانی کے فرائض انجام دینے لگے تھے مگر پھر بھی ابتدائی چھ سات سال کی مدت زیادہ تر اپنے شیخ کے حضور میں گذاری۔ جب کبھی گھر آتے تو مرشد کی جدائی سے ہر وقت بے قرار و بے چین رہتے۔ ہر دم آتش فراق میں جلتے تڑپتے رہتے حضور سید العارفینؒ کی حیات طیبہ میں آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی ذکر پوچھنے (بیعت) کے لیے آتا تو آپ خود بیعت

نہ کرتے بلکہ مرشدؒ کے پاس بھیج دیتے۔ صرف اس صورت میں بیعت کرتے جب دیکھتے کہ یہ شخص وہاں نہیں جائے گا تو پھر اسے داخل سلسلہ کر لیتے۔ اپنے شیخؒ کے ساتھ کمال درجے کا عشق تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ آپ بیٹھے تھے، یا جنگل میں کوئی کام کر رہے تھے۔ اچانک مرشد کی یاد سے دل بیقرار ہو گیا۔ گھر میں بغیر اطلاع دیئے اسی وقت اسی حالت میں بغیر رختِ سفر یا کرایہ لیے پیدل روانہ ہو جاتے اور حضور مرشدؒ کے قدموں میں جا گرتے۔

ایک دن حضرت سید العارفینؒ کے تمام خلفاؒ تقریباً ایک ہی وقت میں درگاہ بھرچونڈی شریف میں پہنچ کر مرشدؒ کے قدم بوس ہوئے۔ حضرت سید العارفینؒ نے ہر ایک سے حال احوال دریافت فرمایا۔ ہر ایک نے اپنی آمد کی روداد سنائی۔ کوئی قطع الارض کر کے آیا تھا تو کوئی ہوا میں پرواز کر کے پہنچا تھا۔ جس وقت حضرت دین پوریؒ کی باری آئی تو سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ آپ نے اپنے پیدل سفر اور منزلوں پر ٹھہرنے کی پوری داستان حضور مرشدؒ کو سنائی اور پاؤں کے چھالے دکھائے تو حضور مرشد نے آپ کو اٹھ کر سینے سے لگا لیا اور پھر دوسرے خلفاؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آئندہ آپ بھی ایسے آیا کریں جس طرح خانپوری خلیفہ صاحب آیا کرتے ہیں۔

جس طرح حضرت دین پوریؒ حضور مرشدؒ کے دیدار کے لیے بے قرار رہتے تھے اسی طرح حضرت سید العارفینؒ بھی اکثر اپنے اس محبوب مرید کے لیے زحمت کش انتظار رہتے۔ گویا یہ کشش اور اضطراب یکطرفہ نہ تھا۔ کئی دفعہ حضرت سید العارفین بھرچونڈی شریف کے باہر تشریف لے جاتے اور کھڑے راستہ دیکھتے رہتے۔ فقرا نے اکثر جب آپ کا یہ مضطربانہ معمول دیکھا تو ایک دفعہ ایک خادم نے پوچھ ہی لیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کو خلیفہ صاحب کا انتظار ہے۔ جونہی حضرت دین پوری بھرچونڈی شریف حاضر ہوتے، تو سید العارفینؒ کی حرکات و سکنات اور چہرہ مبارک سے خوشی و طمانینت کے آثار صاف دکھائی دیتے۔ آپ جتنے دن لنگر میں قیام فرماتے حضور مرشدؒ خوش و خرم اور

مسرور و محظوظ رہتے تھے۔ غرض حضرت دین پوریؒ سے حضرت سید العارفینؒ کی یہ بے پایاں توجہ اور محبت و شفقت دیکھ کر اکثر فقرا اور خدام رشک کرتے تھے۔

ایک دفعہ بعض خدام نے سوال کیا کہ حضرتؒ آپ کے اور بھی کئی جلیل القدر خلفا ہیں مگر آپ جس قدر خلیفہ صاحب کی آمد پر خوش ہوتے ہیں دوسرے خلفار کی آمد پر وہ مسرت ہمیں نظر نہیں آتی۔ سید العارفینؒ نے جواباً فرمایا: بھائی کسی ماہر کاریگر (بڑھئی) کو ایک عمدہ لکڑی مل جائے پہلے تو وہ سوچتا ہے کہ اس کا کیا کیا جائے۔ آخر فیصلہ کر کے جب وہ اپنا تمام ہنر و فن بروئے کار لاکر اپنی من پسند چیز تیار کرے اور خوش قسمتی سے وہ اس کے وہم و گمان سے بھی زیادہ بہترین چیز بن جائے تو وہ اپنے اس شاہکار کو ہاتھوں میں لے کر اس طرح ٹٹولتا اور دیکھتا ہے کہ خود اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ (حضرتؒ نے ہاتھوں سے الٹ پلٹ کرنے کا انداز بھی دکھایا) اور پھر فرمایا کہ کیا وہ اپنے اس شاہکار نمونہ پر فخر و ناز بھی نہ کرے؟

دین پور شریف کا قیام

بستی گھوٹیہ ہی میں حضرتؒ کی بڑی صاحبزادی پیدا ہوئی اور بچپن کے چند سال وہاں پرورش پائی۔ اگرچہ اس بستی میں آپ کے معاشی حالات قدرے درست تھے اور اہلِ بستی بھی آپ سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے مگر بستی کا عام ماحول ناخواندگی اور جہالت کے باعث شستہ و مہذب نہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے علاوہ بڑوں میں بھی بدزبانی و فحش کلامی کی عام عادت تھی۔ دنگا فساد اور گالم گلوچ یہاں کے باشندوں کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ قدرتی طور پر حضرتؒ ایسے ماحول سے نفور اور رنجیدہ خاطر رہتے تھے۔ خلافت کے بعد حضور مرشدؒ کے فرمان کے مطابق اس علاقے کے کسی جنگل میں آباد ہو کر "یادِ الہیٰ" میں یکسوئی و تنہائی ضروری تھی اس لیے حضرتؒ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے۔ اس عرصہ میں ایک مقامی بلوچ مرد صالح نور خان اور اس کی بیوی "مائی جانزادی" کا حضرتؒ سے تعلق ارادت قائم ہُوا۔ بعض روایات ہیں کہ ان کا تعلق بیعت پہلے سے حضور سید العارفینؒ سے تھا۔ حضرتؒ کے پیر بھائی تھے اور آپ سے کمال اخلاص و محبت رکھتے تھے۔ یہ لوگ بستی گھوٹیہ کے شمال میں موجودہ دین پور شریف کے قریب آباد تھے۔ حضرتؒ کی منت سماجت کر کے اپنے پاس لے آئے اور موجودہ دین پور شریف کی جگہ (جہاں ایک گھنا اور خوفناک جنگل تھا) اپنی چھ سات بیگھہ اراضی حضرتؒ کے نام ہبہ کر دی۔ حضرتؒ نے اللہ کا نام لے کر اس خطرناک جنگل میں جہاں حشرات الارض اور جنگلی درندوں کی کثرت تھی اور وحشتناک ماحول تھا، گھاس پھونس کی جھونپڑیاں بنا کر مستقل ڈیرے ڈال دیئے۔ جنگلی جانوروں کی اس قدر بہتات تھی کہ جانور گھر کے

معمولی برتن اور خاردار باڑھ سے بنائی گئی عارضی مسجد سے نمازیوں کی جوتیاں اُٹھا کر لے جاتے تھے مگر یہ مختصر کنبہ ان تمام خطروں سے بے پروا، فقر و فاقہ سے بے نیاز اس سنسان اور غیر آباد جنگل میں یادِ خدا میں مصروف رہنے لگا۔ یہ زمانہ تقریباً ۱۸۷۶ء کا ہے۔

دین پور شریف کی آبادی کا یہ ابتدائی دور گو مصائب اور عسرت و تنگی کا تھا، لیکن حضرتؒ اور آپ کے اس مختصر خاندان نے تکالیف کے وہ دن بڑے صبر و ثبات اور شکر و رضا میں گزارے۔ آخر میں حضرت عسرت کے ان ایام کو بڑے حسرت ناک الفاظ میں یاد فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے رو کر فرمایا: "ہماری وہ پہلی حالتِ عسر بہت اچھی تھی جس میں اطمینان و سکون تھا اور یادِ الٰہی میں لذتِ ذوق و شوق حاصل تھی۔ ایسے مبارک عُسر پر تو لاکھوں "یُسر" قربان ہوں"۔

دین پور شریف کے قیام اور آپ کی صحرا نشینی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ آپ کی کشش باطنی اور توجہ روحانی سے لوگ جوق در جوق "اللہ" "اللہ" سیکھنے جنگل میں آپ کے پاس آنے لگے۔ خلقِ خدا پروانہ وار شمع ہدایت کے گرد جمع ہونے لگی اور خدا کے بندوں کا اس صحرا نشین فقیر کے پاس تانتا سا بندھ گیا۔ ایک کشش تھی جو حق کے متلاشی قلوب کو ادھر کھینچ رہی تھی۔ اس سرزمین سے رشد و ہدایت اور تعلیم و معرفت کے سوتے پھوٹ نکلے۔ لوگ آپ سے باطنی و روحانی فیض لینے لگے۔ یہ صحرا نشین و گوشہ نشین فقیر مرجع خلائق اور خلق اللہ کا مرکزِ عقیدت بن گیا۔

چونکہ دین پور شریف میں ہر ہنر و کمال کے لوگ آپ کے حلقہ بگوش ہو رہے تھے۔ اس لیے حضرتؒ نے ایک ایسے معاشرہ کی بنیاد ڈال دی، جس میں ہر شخص فعال اور کارکن ہو۔ خانقاہ میں رہبانیت محض کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے بعد میں تھوڑی سی زمین بھی خرید لی جو فقراء اور خانقاہ کی ضروریات کے لیے مکتفی ہو سکے۔ جس پر حضرتؒ اور تمام

فقرا مل کر محنت و مشقت کرتے، چنانچہ جنگل کٹتا چلا گیا۔ زرعی اراضی آباد ہوئی۔ کنویں احداث کئے گئے۔ مسافروں اور مہمانوں کے لیے عارضی اور کچی قیامگاہیں تعمیر ہوئیں۔ سب سے پہلے اس بستی میں "خشت و سنگ" کی جو پختہ عمارت کھڑی ہوئی وہ خدا کے گھر (مسجد) کی تعمیر تھی جس میں حضرت اور فقرا نے مل کر کام کیا تھا۔ اینٹیں پاتھنے۔ پکانے ڈھونے۔ گارا تیار کرنے۔ بنیادیں کھودنے اور تعمیر کے تمام مراحل میں حضرتؒ بھی برابر شریکِ کار رہے۔ بلکہ عام مزدور کی طرح کام کرتے رہے۔ صرف یہی نہیں حضرتؒ تا عمر جماعت فقرا کے ساتھ ہر کام مل کر کرتے تھے۔ لنگر عالیہ کا تمام کاروبار اپنے اور جماعت کے مخلص و بے لوث فقرا کے ہاتھوں میں رہتا تھا۔ خود حضرتؒ ٭ سید القوم خادمھم کی سچی اور صحیح تصویر تھے۔

غرض ان قدسی نفس انسانوں کی بدولت تھوڑی ہی مدت میں یہ غیر آباد ویران خطہ جنگل میں منگل کا سماں پیش کرنے لگا۔ ہر طرف نغمہ توحید اللہ ہو اللہ ہو کی صدائیں گونجنے لگیں اور ضرب الا اللہ کے نعرے اس قریہ کے ذرہ ذرہ سے سنائی دینے لگے۔ دین پور شریف کے قیام سے نصف صدی بعد کا نقشہ مولانا ابوالحسن علی ندوی یوں کھینچتے ہیں۔

" دین پور کی دُنیا ہی نرالی تھی۔ وہ صحیح معنی میں دین پور تھا، قادری طریقہ پر ذکر جہر سے مسجد و خانقاہ اور بستی ہر وقت گونجتی رہتی تھی۔ اگر کوئی کسی کو آواز بھی دیتا تو پکارنے والا بھی الا اللہ کہتا اور جواب دینے والا بھی الا اللہ ہی سے اس کا جواب دیتا۔ اس طرح اذان۔ ذکر جہر اور صدائے الا اللہ کے سوا کوئی بلند آواز سننے میں نہ آتی۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں صرف حضرت اور حضرت کے متعلقین آباد تھے۔ نیم خام نیم پختہ چند مکانات جن کی تعداد شاید ۵ - ۷ سے زیادہ نہ ہو۔ ایک سادہ سی مسجد، چند خام حجرے ذاکرین کے لیے کچھ کھجوروں کے درخت جن کو دیکھ کر عرب کے بادیہ کی

دین پور شریف، حضرتؒ کے زمانہ میں باطنی وظاہری علوم کا بڑا مرکز تھا۔ جہاں ظاہری شرعی تعلیم کے اہتمام کے ساتھ ساتھ روحانی تعلیم و تربیت تزکیہ نفس کا ایک عظیم الشان ادارہ حضرتؒ کی سربراہی میں قائم تھا۔ حضرتؒ نے اس مختصر خطۂ اراضی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کی بنیاد پر ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل فرمائی تھی۔ جس میں احکام شرعی کے نفاذ کے ساتھ ایک فلاحی ریاست کا تصور موجود تھا۔ اخلاقی و روحانی ترقی معیار عظمت تھا ورنہ اس معاشرہ میں سب انسان برابر تھے۔ سب کے حقوق برابر تھے۔ سب کا خیال رکھا جاتا تھا۔ حضرتؒ اور جماعتِ فقرأ جو زمین مل کر کاشت کرتے تھے اور اشتراک محنت سے جو آبادی کا ثمر اٹھاتے تھے یا آمدنی ہوتی تھی وہ "بیت المال" میں جمع کر دی جاتی تھی۔ یہاں سے مساکین، فقرأ، مسافروں، یتیم بچوں، بیوگان اور مستحقین میں ہر ایک کے بقدرِ ضرورت وہ آمدنی خرچ کی جاتی تھی۔ خود حضرتؒ اس آمدنی یا نذر نیاز کو اپنی ذات اور خاندان پر خرچ نہ کرتے تھے۔ (تفصیل آگے آئے گی)

غرض دین پور شریف کا یہ معاشرہ مذہب و سیاست کے امتزاج سے تیار کیا ہوا ایک مثالی معاشرہ تھا جو خالص عہدِ خلافت راشدہ کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ اور حضرتؒ کے تربیت یافتہ لوگ صورتاً و سیرتاً قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی تصویر دکھائی دیتے تھے۔ بقول امیر شریعتؒ "ایسا لگتا تھا، قافلۂ اصحابِ رسول جا رہا تھا اور یہ لوگ اس سے بچھڑ کر پیچھے رہ گئے تھے۔"

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ اس مثالی معاشرہ یا چھوٹی سی اسلامی ریاست کے سربراہ اور "خلیفہ" تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا تھا، فرماتے تھے کہ "لفظ خلیفہ مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی معاملات و اسلامی حکومت کے قائد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یا اولیائے کرام کے "صاحب اجازت" خدام کے لیے مگر مؤخر الذکر اصحاب کے نام کا جزو

بستیاں یاد آتی ہیں۔ آب و ہوا بھی بادیہ عرب سے ملتی جلتی تھی۔ مقیمین خانقاہ کے
کے لیے ایک لنگر تھا جس میں خالص سندھی اور بہاولپوری مذاق کا ایسا کھانا تیار ہوتا
جو قوت لایموت کا صحیح مصداق تھا۔ اور ہم اودھ کے نازک مزاج مہمانوں کے لیے اس
کا کھانا بڑا مجاہدہ اور امتحان تھا۔ گرمی شدت کی تھی۔ دن بھر لو چلتی تھی، رات کسی قدر
ٹھنڈی ہوتی (پرانے چراغ صہ ۱۲۹)

یہاں لنگر کے کھانے کے متعلق وضاحت ضروری ہے کہ یہاں لنگر میں پہلے یا بعد میں جس
قسم کا کھانا تیار ہوتا تھا، وہ اُبلے ہوئے نخود، جنہیں مقامی زبان میں "کوہل" کہتے ہیں۔ اور پتلا مجات
ہوتا تھا۔ یہ طعام خالص رزق حلال سے تیار ہوتا تھا اور اس میں کوئی مشتبہ مال یا دنیا داروں کے
نذر لانے کا پیسہ استعمال نہ ہوتا تھا۔ لنگر میں ایسے باخدا فقراء رہتے تھے، جن کی غذا میں اگر معمولی مشتبہ
مال کا حصہ چلا جاتا تو فوراً قے ہو جاتی۔ اس لیے حضرتؒ اس معاملے میں سخت احتیاط فرماتے
تھے۔ یہ رزق حلال اور حضرت کی توجہ کا اثر تھا کہ صرف دین پور شریف کے اس خطہ میں داخل ہوتے
ہی طالب پر انوار و برکات کا نزول ہونے لگتا تھا۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ
نے ایک دفعہ واقعہ بیان فرمایا کہ ان کے سُسر مولانا ابو محمد احمد چکوالی حضرت شیخ الہندؒ کے پاس
شاغل تھے، مگر کچھ عرصہ ورد اور اد چھوڑ دیئے جن کی وجہ سے لطیفہ قلبی بند ہو گیا تھا۔ فرماتے تھے کہ
جس وقت وہ دین پور شریف کی حدود نہر کے قریب آئے ان کا لطیفہ قلبی خود بخود جاری ہو گیا۔

غرض حضرتؒ نے اس جنگل میں ایک ایسا ماحول بنا لیا تھا جس کی فضاؤں اور ہواؤں میں بھی
ذکر اللہ کی اس قدر قوی تاثیر موجود تھی ابتدا میں لوگ آپ کو صحرا نشینی کی نسبت سے "رگ والاہیر"
یعنی جنگل والا پیر، کہتے تھے مگر بعد میں پاک نفس فقراء نے یہاں کی دینی اور روحانی عظمت کے
پیشِ نظر اس خطۂ پاک کا نام دین پور شریف رکھا جو واقعی اسم بامسمیٰ تھا۔

نہیں ہوتا، لیکن حضرت دین پوریؒ، خلیفہ کے لقب سے ہی مشہور و معروف تھے اور یہ لقب ان کے نام کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ چونکہ حضرتؒ ایک چھوٹے سے اسلامی معاشرہ اور خانگی قانون (ہوم رول) طرز کی اسلامی حکومت کے سربراہ تھے۔ اس لیے ہماری رائے میں آپ اس عظیم لقب کے بجا طور پر مستحق تھے۔"

دین پور شریف کی ابتدائی تعمیر و تزئین میں حضرتؒ کے ہمراہ جن فرشتہ خصائل انسانوں نے کام کیا تھا۔ ان میں میاں غلام رسول (برادر خورد حضرتؒ) حافظ نور دین مرحوم۔ نتھو فقیر داد فقیر (معماران مسجد شریف) میاں خدا بخش لانگری۔ میاں مرید احمد مرحوم کے اسمائے گرامی ہمیشہ اس قریہ کی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔

وطن سے رشتہ داروں کا ورود

ابھی دین پور شریف کے قیام کو تھوڑا عرصہ ہوا تھا اور ابتدائی فقر و عسرت کے دن تھے کہ حضرت کے بڑے بھائی میاں محمد اسماعیل خان مرحوم والدہ اور بھائی بہنوں کو ملنے کے لیے پہلی بار اس بستی میں آئے۔ اپنے باخدا بھائی کے چشمۂ فیض کو دیکھ کر حیران رہ گئے، لیکن آپ کو اپنے خاندان اور حضرتؒ کی جماعت کی حالت فقر و مسکینی دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ رو کر عرض کیا کہ حضرتؒ ہم تو وہاں عیش و آرام کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں اور یہاں آپ کی یہ حالت ہے: خدارا آپ میرے ساتھ واپس گھر چلیں۔ اپنی جائیداد سنبھالیں اور اطمینان سے بیٹھ کر اللہ اللہ کریں۔" حضرتؒ نے جواب دیا، جس دن سے میں سن شعور کو پہنچا ہوں میں نے اسی وقت سے اپنی تمام ورثہ کی جائیداد (منقولہ غیر منقولہ) کا حصہ آپ کو بخش دیا تھا۔ اب واپس لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ باقی رہا اطمینان و سکون تو وہاں کے عیش و آرام سے یہاں جنگل میں فقر و فاقہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ جب برادر بزرگ کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو فرمایا کہ یہاں کی تین خصوصیات مجھے عزیز ہیں۔ مرشد کا قرب۔ اسلامی

ریاست اور صحرا کے پُرسکون ماحول میں یادِ خدا، اب وہاں وطن میں یہ باتیں کہاں نصیب ہوں گی۔ یہ جواب سن کر آپ کے بھائی واپس چلے گئے۔ اس کے بعد دو تین بار پھر حاضر ہوئے، مگر اب خوشحالی و فراخی کا دور تھا۔ برادر محترم آپ سے بیعت ہوئے اور سلوک کی کئی منازل بھی طے کیں، مگر زندگی نے ساتھ نہ دیا اور وطن میں فوت ہو گئے۔

آپ کے بھائی میاں محمد اسماعیل خان مرحوم کی آمد و رفت سے آپ کے دوسرے دور و نزدیک کے رشتہ داروں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ کے خسر مہر خان مرحوم اپنے بھائیوں اور اہل و عیال سمیت یہاں مستقل سکونت کے ارادے سے آ گئے۔ دین پور شریف کے قریب مقامی لوگوں سے زمین خرید کر آباد ہو گئے۔ مہر خان اور اس کے بھائیوں کی اولاد ابھی تک یہاں آباد ہے اور ان کی بستی "ابھچڑوں (پنجابیوں) کی بستی" کے نام سے مشہور ہے۔

حضرتؒ اپنے ان رشتہ داروں سے ہمیشہ خصوصی شفقت و محبت فرمایا کرتے تھے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں کفو کا ہمیشہ خیال رکھا اور رشتہ داری کا تعلق قائم کرتے رہے۔ چنانچہ اپنی بڑی ہمشیرہ کا نکاح ثانی اسی خاندان میں کیا۔ میاں غلام رسول مرحوم (برادر خورد) کی بیوہ کا نکاح مہر خان کے صاحبزادے قاضی علی محمد مرحوم کے ساتھ کیا۔ اس کے علاوہ اپنے دو صاحبزادوں (میاں عبدالرشید، میاں ظہیر الحق) اور نواسے میاں عبدالرحمٰن کی شادیاں بھی ان کے ہاں ہوئیں۔ غرض حضرتؒ رشتوں کے علاوہ بھی ہر طریق سے اپنے ان اقربا کی دلداری اور دلجوئی فرماتے رہتے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کی دین پور شریف میں آمد

سال ۱۸۸۸ء کا زمانہ تھا۔ دین پور شریف کی خانقاہ ذکر و اذکار سے معمور تھی اور دوسری طرف مسجد میں قال اللہ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرکیف آواز میں گونجتی تھیں۔ حضرت کے سامنے ہر وقت عوام اور علما کا اژدہام رہتا تھا۔ ایک دن اُنہی

رنگ رنگ لوگوں میں ایک خوبصورت اجنبی نوجوان، کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں میں علم و حکمت اور ذہانت ذکاوت کے آثار لیے ہوئے وارد ہوا۔ حضرتؒ نے اس گوہر یکتا کو سینے سے لگا لیا اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا۔ یہ نوجوان نومسلم عبید اللہ تھا جو بعد میں آسمانِ علم و حکمت اور انقلاب و سیاست کا مہر و ماہ بن کر درخشاں ہوا۔ اور امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ اپنی ذاتی ڈائری میں دین پور شریف میں آمد کا حال لکھتے ہیں۔

"پھر چونڈی سے رخصت ہو کر میں اس طالب علم کے ساتھ ریاست بہاولپور کی دیہاتی مساجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھتا رہا۔ اس نقل و حرکت میں دین پور پہنچا جہاں سید العارفینؒ کے خلیفہ اول مولانا ابو السراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ ہدایۃ النحو تک کتابیں میں نے یہیں مولوی عبد القادر صاحب سے پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے میری والدہ کو خط لکھوایا، وہ آگئیں اور واپس لے جانے کے لیے بہت زور لگایا، مگر میں بحمد اللہ ثابت قدم رہا۔ (یہ غلط ہے کہ میری والدہ دیوبند پہنچی) شوال ۱۳۰۵ھ میں دین پور متصل خانپور سے کوٹلہ رحم شاہ چلا آیا: اور مولوی خدا بخش صاحب سے کافیہ پڑھا۔" (ذاتی ڈائری ص۱۳)

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی
رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ آزادی کے کسی طالب علم اور فلسفۂ ولی اللہی کے کسی قاری سے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی عظیم شخصیت ان کی تعلیمات و افکار یا سیاسی خدمات پوشیدہ نہیں ہیں، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تحریک حریت کے اس نامور انقلابی مولوی کے زریں کارنامے بے مثال قربانیاں اور عظیم خدمات تاریخ و تحقیق کے ذریعے واضح ہو کر، کھل کر اور نکھر کر سامنے آتی جا رہی ہیں۔ وہ اگر ایک طرف علوم قرآنی کا ماہر (مفسر) فلسفہ ولی اللہی اور اس کے فکر و نظر کا علمبردار تھا تو دوسری طرف ایک مفکر، سیاست دان اور جد و جہد آزادی کا مردِ مجاہد تھا، پرانی صدی اور پرانے لوگوں میں نیا انسان اور انقلابی تھا۔

یہ عظیم مفکر اور انقلابی ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء چیانوالی (ضلع سیالکوٹ) کے ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوا، اگست ۱۸۸۷ء میں اظہارِ اسلام کے لیے گھر اور خویش و اقارب چھوڑ دیئے۔ رشتہ داروں کے تعاقب کی وجہ سے مظفر گڑھ سے سندھ چلا گیا جہاں حضرت سید العارفینؒ کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔ ان کو اپنا دینی باپ بنا لیا اور طریقہ قادریہ راشدیہ میں اُن سے بیعت بھی کر لی۔ علوم ظاہری کے حصول کی خاطر اجازت طلب کی تو سید العارفینؒ نے دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ رخصت فرمایا۔ بھرچونڈی شریف سے دین پور شریف آئے۔ حضرت دین پوریؒ سے تعلق خاطر استوار ہوا۔ ابتدائی عربی کتابیں مولانا عبدالقادر مرحوم سے پڑھیں۔ یہاں سے مولانا سندھیؒ دیوبند چلے گئے۔ شیخ الہند محمود حسنؒ جیسے یگانہ عصر استاد

شیخ کامل کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور دار العلوم دیوبند اور سہارنپور کے کئی باکمال اساتذہ سے علم وفن کی کتابیں پڑھیں۔ تمام اساتذہ آپ کی خداداد صلاحیت و استعداد اور بے پناہ قوتِ حافظہ و ادراک دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ۱۸۹۱ء میں دار العلوم سے فارغ التحصیل ہو کر سندھ چلے آئے، مگر آپ کے مرشد سید العارفینؒ آپ کی آمد سے دس دن پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضور سید العارفینؒ کے بعد ان کے دوسرے خلیفہ حضرت مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ نے آپ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور امروٹ شریف لے گئے۔ حضرت امروٹیؒ (بقول مولانا سندھیؒ میرے لیے بمنزلہ باپ کے تھے) اسلامیہ اسکول سکھر کے ایک استاد محمد عظیم خان یوسف زئی کی لڑکی سے آپ کا نکاح کرا دیا۔ جس کے بطن سے آپ کی دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ (ان میں سے ایک کا نکاح حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ساتھ ہوا، وہ جلد فوت ہو گئیں۔ دوسری صاحبزادی کا عقد نکاح بعد میں حضرت دین پوریؒ کے ساتھ کیا گیا۔ صاحبزادی صاحبہ حیات ہیں) امروٹ شریف میں آپ نے مطالعہ کتب کے علاوہ ایک مطبع قائم کیا اور ایک اصلاحی پرچہ ماہنامہ "ہدایت الاخوان" بھی شائع کرتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ کی دین پور شریف میں آمد و رفت جاری رہی اور حضرت دین پوریؒ سے سلسلہ تصوف کے اسباق پڑھتے رہے! چنانچہ لکھتے ہیں:

اس عرصہ میں طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کے اشغال و افکار بھی حسب استطاعت حضرت سید العارفینؒ کے خلیفۂ اعظم مولانا ابوالسراج دین پوری سے سیکھتا رہا۔ اگر میری کوئی تعلیمی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوئی تو دین پور سے حاصل کر لیتا۔ اس طرح مجھے اپنے مرشدؒ کی جماعت سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ (ذاتی ڈائری ص ۱۸)

حضرت مولانا سندھیؒ کی پہلی اہلیہ فوت ہوئیں تو حضرت دین پوری نے آپ کا دوسرا نکاح شیخ حبیب اللہ مرحوم (حضرت لاہوریؒ کے والد محترم) کی بیوہ سے کر دیا جو محض ایک تکمیل

سنت تھی اور اس سے یتیم بچوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت بھی مقصود تھی، مگر یہ بی بی صاحبہ بھی تھوڑے عرصے بعد فوت ہو گئیں۔

سنہ ۱۳۱۵ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو دیو بند طلب فرمایا اور علمی کام کے ساتھ ساتھ سیاسی کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ سے سیاسی پروگرام لے کر دوبارہ سندھ آگئے اور اب امروٹ شریف کی بجائے گوٹھ پیر جھنڈا (حیدر آباد) میں اپنے علمی کام کا آغاز کیا: دارالرشادؒ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور سات سال تک اس میں اعلیٰ سربراہ و نگران کے طور پر کام کرتے رہے۔ سندھ کے قادری راشدی بزرگان کو تحریک شیخ الہندؒ سے وابستہ کرنے کے لیے انتھک جد و جہد فرمائی۔ حضرت شیخ الہندؒ کو سندھ لے گئے اور یہاں کے کام سے متعارف کرایا۔

سنہ ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو دیو بند طلب فرمایا۔ مفصل حالات سن کر دیو بند میں رہ کر کام کرنے کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ سندھ کا تعلق بھی قائم رہے گا۔

(ذاتی ڈائری ص ۲۰)

مولانا سندھی چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرنے کے بعد شیخ الہندؒ کے حکم سے دہلی چلے گئے۔ وہاں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ یہاں آپ حکیم اجمل خان، نواب وقار الملک، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر انصاری کے ساتھ مل کر شیخ الہندؒ کا سیاسی کام کرتے رہے۔ اس عرصہ میں سندھ اور کراچی سے بھی روحانی اور سیاسی روابط رہے۔ قادری راشدی بزرگان کے ذریعے سندھ میں دیو بند کے تعلیمی اور سیاسی نظریات کا تعارف کرایا۔ نیز قادری راشدی بزرگان کی تحریک جہاد کو حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے منسلک کر کے بہت بڑا کام کیا۔ حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ کو دیو بند کے جلسہ دستار بندی اور موتمر الانصار

میرٹھ کے اجلاسوں میں بلا کر خوشگوار علمی۔ روحانی اور سیاسی نتائج حاصل کیے گئے۔ اور یہ سب کچھ مولانا سندھیؒ کی کوششوں سے ہُوا۔ جماعت مجاہدین کی تحریک جہاد کے بعد مولانا سندھیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دیوبند اور سندھ کے مراکز کو تقریباً سو سال کے بعد دوبارہ آپس میں جوڑا اور آپ کی شخصیت نے ان دونوں مراکز کے درمیان ایک واسطہ کا کام دیا۔ گویا آپ اس سلسلے کی ایک مضبوط کڑی بن گئے تھے۔

۱۹۱۵ء میں مولانا مرحوم شیخ الہند کے ارشاد پر کابل جانے کے لیے تیار ہوئے تو سب سے پہلے حضرت دین پوریؒ کے پاس اجازت لینے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرتؒ نے مولانا مرحوم سے ملتے ہی دریافت فرمایا کہ آپ ابھی تک کابل نہیں گئے؟ مولانا مرحوم نے رخصت چاہی تو فرمایا، ابھی نہیں۔ چنانچہ پورا ایک مہینہ دین پور شریف میں قیام کیا۔ وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ تزکیہ و تربیت نفس کا مہینہ۔ مولانا سندھیؒ مسجد کے بڑے دروازہ کے اوپر حجرہ میں رہتے تھے۔ خفیہ قیام تھا۔ چند خواص کے علاوہ کسی کو علم نہ تھا۔ ایک دن حضرتؒ نے یاد فرمایا، تلاوت کلام مجید فرما رہے تھے۔ زبان سے کچھ نہ بولے۔ تعویذ کی شکل کا ایک چھوٹا سا کاغذ اٹھا کر دے دیا۔ جس پر یہ شعر لکھا تھا۔

جان بجاناں دہ وگرنہ از تو بستاند اجل
خود تو منصف باش اے دل این نکو یا آں نکو

یہ اشارہ پاتے ہی مولانا مرحوم کابل کے سفر کے لیے بالکل تیار ہو گئے اور ان کی تمام ذہنی پریشانی جاتی رہی جو سفر کے التوا کی وجہ سے تھی۔ حضرت نے نہایت رازداری سے نہ صرف آپ کا زادِ راہ تیار کرایا تھا بلکہ راستے کی ہر منزل پر رہنمائی اور تعاون کے لیے خفیہ معاون موجود تھے۔ آپ نے فتح محمد نامی ایک نومسلم نوجوان بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ خود اور آپ کے صاحبزادہ

میاں عبدالہادی صاحب مدظلہ العالی نے آپ کو دین پور شریف کی حدود سے باہر جا کر وداع کیا۔ رخصتی معانقہ کیا تو دونوں آبدیدہ ہوگئے۔ حضرتؒ نے فرمایا، اچھا مولانا زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔ افسوس زندگی میں یہ حسرت پوری نہ ہوئی، مگر اب ایک دوسرے کے ساتھ ابدی آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت سندھیؒ فرماتے تھے حضرت دین پوری کے صاحبزادے ظہیر الحق سے مل کر حضرتؒ کی ملاقات متصور ہوگئی۔

اس سفر میں حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالرحیم سندھی مرحوم نے بہت تعاون فرمایا، موخر الذکر نے تو اپنی بیوی اور بچیوں کے زیورات بیچ کر مالی امداد بھی کی۔ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ نے مولانا سندھی کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری کیے ہوئے تھے۔ اس لیے یہ تمام انتظامات اس قدر خفیہ اور رازدارانہ طریق پر کیے گئے تھے کہ سی آئی ڈی کو ایک سال تک پتہ بھی نہ چل سکا کہ عبید اللہ کدھر چلا گیا ہے؟ ادھر مولانا مرحوم بلوچستان کے دشوار گذار راستوں اور پہاڑی دروں سے سفر کی شدید صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے افغانستان کی سرحد میں داخل ہوگئے جہاں آپ کا انتظار ہو رہا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ جس جماعت سے وابستہ تھے اس کی پچاس سالہ محنتوں کا ثمر موجود تھا۔ مولانا مرحوم نے کامل پچیس سال وطن سے باہر رہ کر آزادی وطن اور اتحاد عالم اسلام کے لیے کام کیا۔ "تحریک ریشمی خطوط" میں جدوجہد آزادی کا مکمل پلان تیار کیا۔ افغانستان کے تعاون سے انگریزوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ قبائلی گوریلا تحریکوں کو منظم کیا۔ پاک و ہند سے باہر سب سے پہلے انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد ڈالی۔ اور آزاد حکومت قائم کی یا آزادی وطن کے لیے جرمن روس اور ترکی حکومتوں سے اخلاقی اور مادی امداد کا وعدہ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ کابل میں بیٹھ کر پاک و ہند کی اندرونی تحریکوں کی رہنمائی بھی کرتے رہے۔ یہ مولانا مرحوم کی پالیسیوں اور حکمت عملیوں کا نتیجہ تھا کہ حکومت برطانیہ افغانستان کی آزادی کے لیے مجبور ہوگئی۔ چنانچہ آزادی کے صلح نامہ پر دیگر شرائط کے ساتھ ایک یہ شرط بھی حکومت برطانیہ کی

طرف سے پیش کی گئی تھی کہ عبیداللہ کو افغانستان سے نکال دیا جائے۔ اسی موقع پر ایک انگریز سیاست دان نے کہا تھا کہ "یہ فتح افغانستان کی نہیں، یہ عبیداللہ کی فتح ہے۔"

مولانا مرحوم نے اس وقت دنیا کے تمام بڑے بڑے انقلابات کا عینی مشاہدہ یا قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ افغانستان روس، ترکیہ، حجاز اور جرمنی کے انقلابات سے آپ نے بہت بڑے تجربات حاصل کیے اور انہی انقلابات کی روشنی میں اپنے ہاں ایک پُرامن انقلاب کے داعی بن کر آئے جو مستقبل کے برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ فکر پر اٹھایا جائے گا۔ آپ مارچ ۱۹۳۹ء میں طویل جلاوطنی کے بعد وطن واپس آئے اور اپنے ساتھ مشاہدات و تجربات کے ساتھ ساتھ عملی پروگرام بھی لائے مگر یہاں کی دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ پورا ملک اور قوم رجعت و قدامت کا شکار تھے۔ مولانا مرحوم اپنے ابنائے وطن کو جہاں چھوڑ کر گئے تھے وہ اس سے بھی پیچھے تاریک ماضی میں جا پڑے تھے۔ مولانا، جدید تعلیم، معاشرت، سائنس اور ٹیکنالوجی کی باتیں کرتے تھے۔ مذہب کے ساتھ ساتھ معاش و اقتصاد کو اولیت دیتے اور صنعت و حرفت اور زراعت میں مشینری کی اہمیت پر زور دیتے، مگر یہاں کے بڑے بڑے عبا پوشوں اور مذہبی اجارہ داروں کے علاوہ عوام کو بیوقوف بنانے والے رہنماؤں کو یہ باتیں ناگوار گذرتیں۔ مولانا قرآن کو ایک حقیقت مانتے تھے، مگر مذہبی ناخداؤں کے نزدیک وہ صرف ایک مقدس کتاب تھی، جسے چوما اور آنکھوں پر رکھا جا سکتا تھا یا تبرکاً پڑھا جاتا تھا۔ پوری قوم روایات و خرافات میں کھو گئی تھی۔ مولانا اگر مستقبل کی بات کرتے تھے تو عوام ان سے پچھلی صدی کی باتیں سننے کے مشتاق ہوتے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ عبقریوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ مولانا مرحوم کے خلاف بھی بے گانوں اور یگانوں نے الزام و دشنام کا کوئی تیر الیسا نہ تھا جو خالی جانے دیا ہو۔ ملحد، بے دین، کمیونسٹ، دیوانہ و فاتر العقل تک آپ کو کہا گیا، لیکن مولانا اپنی دھن کے پکے تھے۔ وہ زندگی کے آخری لمحوں تک اپنے خیالات و تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لیے مکمل جد و جہد کرتے رہے، اور اپنا پیغام ملک کے

تعلیم یافتہ اور روشن دماغ نوجوانوں تک پہنچانے کی سعی کرتے رہے۔ زندگی میں مولانا مرحوم کو بہت کم پہچانا گیا، مگر حالات وزمانہ کے مقتضیات کے ساتھ ساتھ اب ملک وقوم کو ان کے افکار وتعلیمات کی قدر وقیمت محسوس ہو رہی ہے اور ملک کے نوجوان عنصر کو ان کی قلندرانہ باتیں سمجھ میں آنے لگی ہیں۔ انگریزوں نے اپنے سب سے بڑے دشمن مولانا مرحوم کو بھی ان کے ایک بدبخت شاگرد کے ہاتھوں زہر دلا دیا تھا، بلکہ آنکھوں میں لپا ہوا سیسہ ڈالا گیا تھا جس سے آخر میں ظاہری آنکھیں بے نور ہو گئی تھیں۔ غرض اسی تکلیف سے ملک وملت کا یہ عظیم فرزند، بطلِ حریت، امام انقلاب ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء بمقام دین پور شریف بحالت صوم اپنے حقیقی خالق کے ہاں سدھار گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا مزار حضرت دین پوریؒ کے مرقد مبارک کے قریب ہے۔

حضرت سیدالعارفینؒ کا وصال

(جیسا کہ بیان ہو چکا ہے) حضور سیدالعارفین حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۱ء) کی شب اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے حضرت دین پوریؒ بھی حضور شیخؒ موجود تھے۔ محبوب مرشدؒ کی جدائی کا یہ سانحہ قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ جماعت میں عام گریہ وفغاں تھا۔ حضرت امروٹیؒ نے اپنے حزن وملال کے اظہار کے لیے شعر وشاعری (نوحہ ومرثیہ) کا سہارا لیا۔ مگر حضرتؒ پر شانِ صدیقی کا غلبہ تھا مرشد پاک کے جسد مطہر کو دیکھ کر خاموش روتے رہے۔ حضرتؒ پر حضور مرشدؒ کی جدائی کا اثر تاحیات رہا۔ جب کبھی آپ کا نام آتا غمگین ہو جاتے۔ ہر سال مرشدؒ کے ایصال ثواب کے لیے خیرات کرتے۔ نیز ہر عید قربان پر ان کی طرف سے جانور ذبح فرماتے۔ حضور سیدالعارفینؒ کے سجادہ نشینوں اور ان کے خانوادہ کی اس قدر تعظیم وتکریم فرماتے کہ وہ نظارہ دیدنی ہوتا تھا اور لوگ حیران ہوتے تھے۔

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی بیعت

حضرت شیخ التفسیرؒ ابھی چھوٹی عمر کے تھے آپ کے والد نے مولانا سندھی سے یہ کہہ کر اپنا یہ بچہ اُن کے حوالے کر دیا کہ مولانا! یہ بچہ میں نے دین کے لیے وقف کیا ہے اسے قبول کیجئے؛ چنانچہ مولانا مرحوم نے اس بلند اقبال بچے کو اپنی سرپرستی میں لے لیا چونکہ مولانا مرحوم سندھ میں رہتے تھے اس لیے بچے کو بھی ہمراہ لے کر سندھ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں مولانا مرحوم اپنے مرشد حضرت دین پوریؒ کی زیارت کے لیے خان پور اتر پڑے اور بچے کو بھی حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرتؒ نے مستقبل کے اس مفسر قرآن اور ولی کامل کے مخفی جوہروں کو فوراً اپنی بصیرت روحانی کے ذریعے سے معلوم کر لیا۔ اپنے قریب بٹھا کر سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، اور اللہ کے نام کی تلقین فرما کر سلسلہ قادریہ میں آپ کو بیعت کر لیا۔ حضرت لاہوری کی عمر اس وقت تقریباً نو دس سال کی تھی۔ آپ اکثر اپنے مواعظ و مجالس ذکر میں فرمایا کرتے تھے: "میری عمر دس سال کی تھی جب میں نے حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ میری بیعت کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے۔ حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے جوانی کے بعد بیعت کی تھی۔ دونوں نے مجھے اللہ کا نام بتایا اور دوسروں کو بتلانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔"

(ملفوظات مولانا احمد علی ص۹)

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے دو مربی تھے۔ میں جس کے پاس جاتا تھا وہ ہر بار میرے کاسہ گدائی میں کچھ نہ کچھ ڈال دیتا۔ (انوار ولایت ص۳۲)

حضرت لاہوریؒ کی بیعت کا یہ واقعہ تقریباً ۱۸۹۵ء کا ہے۔

حضرت شیخ التفسیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ میں شیخ حبیب اللہ صاحب رح کے گھر میں ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بروز جمعۃ المبارک پیدا ہوئے۔ والد محترم نے بچپن میں دین کی خدمت کے لیے وقف کر کے مولانا عبیداللہ سندھی رح کے سپرد کر دیا۔ حضرت سندھی جہاں جاتے ان کو بھی ساتھ رکھتے۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ سندھ میں مولانا سندھی مرحوم کی زیر سرپرستی گذارا۔ مولانا مرحوم نے ہی آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ روحانی تعلیم حضرت امروٹی رح اور حضرت دین پوری رح سے حاصل کرتے رہے۔ حضرت امروٹی رح نے خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ حضرت دین پوری رح نے تصدیق و تائید فرمائی اس طرح حضرت لاہوری رح اپنے دونوں مشائخ کے جلال و جمال کا مظہر تھے۔ حضرت سندھی رح کی مراجعت دیوبند کے بعد کچھ عرصہ دار الرشاد گوٹھ پیر جھنڈا (سندھ) کا کام سنبھالے رکھا۔ بعد میں مولانا مرحوم کے حکم پر نواب شاہ میں ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا۔ پھر دہلی چلے گئے اور نظارۃ المعارف قرآنیہ میں حضرت سندھی رح کی زیر نگرانی کام کرتے رہے۔ حضرت سندھی رح کابل چلے گئے تو آپ یہ تمام کاروبار ان کے سپرد ہوا۔ تحریک ریشمی رومال کے سلسلے میں گرفتار ہوئے۔ اور لاہور لائے گئے۔

لاہور میں مستقل قیام کے بعد اپنے استاد حضرت سندھی رح کے مشن کو جاری رکھا۔ تعلیمی، سیاسی اور روحانی تبلیغی کام کرتے رہے۔ قاسم العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ انجمن خدام الدین کی بنیاد ڈالی۔ تحریک ہجرت۔ تحریک خلافت، ترک موالات، غرض علمائے حق کی ہر تحریک سے وابستہ رہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند میں کام کرتے رہے۔ تقسیم پاک و ہند کے بعد جمعیۃ العلمائے اسلام

قائم فرمائی۔ تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت میں بھی کام کیا۔ سیاسی اور دینی کاموں کے سلسلے میں فرنگی دورِ حکومت میں اور بعد میں بھی کئی بار قید و بند ہوئی اور سخت شدائد و ابتلا کا مقابلہ کیا۔ آپ کے علمی و روحانی کمالات کے ساتھ سیاسی و دینی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ آپ جب مشیت ایزدی سے انگریز کے ہاتھوں سے گرفتار ہو کر پابند سلاسل کر کے لاہور لائے گئے تھے تو اکیلے تھے لیکن جس وقت ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء (۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ) کو سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے تو آپ کے دیدار و وداع کے لیے لاکھوں کا مجمع تھا اور لاہور کے در و دیوار ماتم کناں تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا عبید اللہ انور کو جماعت کی روحانی و ظاہری تعلیم و تربیت کا کام سونپا گیا ہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن کا قیام

حضرت دین پوریؒ بستی گھوٹیہ میں پیرانہ سنت کے مطابق بستی کے بچوں کو خود قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت حسن شاہ جیلانیؒ اور حضور سید العارفینؒ نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں یہ سلسلہ جاری رکھا تھا۔ اس لیے حضرت کو بھی مرشدوں کی یہ سنت پسند تھی اور اسے زندہ رکھنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں دین پور شریف کے ابتدائی ایام میں بھی یہ خدمت خود انجام دیتے رہے تھے، لیکن خلق اللہ کے ہجوم اس کی باطنی تعلیم و تربیت اور خانقاہ میں آنے والوں کی خاطر مدارات اور دیکھ بھال کی وجہ سے جب خود وقت نہ نکال سکتے تھے تو باقاعدہ ایک استاد کی خدمات حاصل کی گئیں چنانچہ ایک باخدا حافظ قرآن میانجی خیر محمد مرحوم نے یہ خدمت اپنے ذمہ لے لی اور تاحیات اس فرض منصبی کو بہ طریق احسن ادا کرتے رہے۔ میانجی مرحوم نے تقریباً ستر پچھتر سال بغیر کسی طمع و لالچ، تنخواہ و مزد کے یہ مشغلہ جاری رکھا اور قرآن پڑھاتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کے پاس جا پہنچے۔ مدرسہ میں بیک وقت تقریباً ڈیڑھ دو صد طلبا حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے

طلباء کے تمام اخراجات وضروریات حضرتؒ ادا فرماتے تھے اور کسی قسم کے چندہ یا فراہمی کی کوئی سفارت قائم نہ تھی۔ جماعت کے متعلقین اور دوسرے لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے بچے اس مدرسہ میں چھوڑ جاتے تھے۔ یتیم بچوں کی ایک کثیر تعداد داخل مدرسہ ہوتی تھی جن کی حضرت بمنزلہ باپ کے سرپرستی ونگرانی فرماتے تھے۔ چھوٹے بچوں خاص طور پر یتیم طلباء سے لنگر یا مدرسہ کا کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت کسی یتیم بچے سے پانی کا لوٹا بھروانے تک کی خدمت لینا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دو بار ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت کو معلوم ہوا کہ کسی مسافر یا اجنبی مہمان نے یتیم بچے سے لوٹا بھروایا یا کنواں چلوایا تو حضرتؒ نے اسی وقت اس بچے کو بلا کر خدمت کا معاوضہ (آنہ یا دو آنی کی صورت میں) ادا فرمایا۔

حضرتؒ کی توجہ اور دلچسپی سے قرآن خوانی کی یہ رسم اس قدر مقبول ہوئی کہ اس مدرسہ سے ہزاروں حفاظ نعمت حفظ قرآن مجید سے بہرہ یاب ہوئے۔ گھر گھر میں تعلیم القرآن کے مدرسے کھل گئے اور یہ چرچا اس قدر بڑھا کہ سابق ریاست بہاولپور اور قریب کے علاقوں میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جہاں قرآن مجید کا درس نہ ہو۔ خود حضرت جب جماعت فقرا کے ساتھ سفر پر جاتے تھے تو دو تین درس کے طلباء اور ان کے میاں جی آپ کے ہمراہ ہوتے تھے جن کی تعداد سینکڑوں میں ہوتی تھی۔ تعلیم وتربیت کے لیے حضرتؒ کا یہ مخصوص انداز تھا۔ تعلیم القرآن کے سلسلے میں حضرت کے متعلقین حفاظ میں سے میانجی خیر محمد مرحوم کے بعد، میانجی محمود صاحب (والد حضرت مولانا درخواستی) اور میاں جی احمد دین صاحب مرحوم کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

صاحبزادہ سراج احمد کی ولادت اور وفات

حضرتؒ کے یکے بعد دیگرے چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں اور اولاد نرینہ نہ تھی۔ تمام جماعت اندرون وبیرون شدت سے یہ کمی محسوس کرتی تھی اور آپ کے ہاں اولاد

نرینہ ہونے کی دعائیں کیا کرتی تھی ۔ آخر ان کی یہ آرزو صاحبزادہ سراج احمد کی ولادت کی صورت میں پوری ہوئی۔ اہلِ خانہ اور تمام جماعت نے خوشی سے بارگاہ ایزدی میں شکریہ ادا کیا۔ حضرت امروٹی نے اس موقعہ پر اپنے بھائی (حضرتؒ) کے پاس تہنیت کا پیغام بھیجا اور آپ نے ہی صاحبزادہ کا نام "سراج احمد" تجویز فرمایا، حضرت صاحبزادہ کے نام کی نسبت سے ہی "ابوالسراج" کی کنیت سے معروف ہوئے۔

صاحبزادے موصوف حضرت کی شبیہ سے بے حد مماثل تھا اور معصوم و خوبصورت چہرے سے آثارِ ولایت ظاہر تھے ابھی صاحبزادہ چھ سات برس کا تھا۔ حضرت کسی سفر سے واپس آئے تھے۔ بی بی صاحبہ نے سنگار سرمہ سے آراستہ کر کے حضرتؒ والد کی قدمبوسی کے لیے باہر بھیجا۔ اس وقت حضرت کی مجلس میں فقرا کا ہجوم تھا۔ صاحبزادہ خاموش اور باادب ہو کر حضرت کے قریب جا کھڑا ہوا۔ حضرت نے بلایا تو کمال سعادت مندی سے قدمبوس ہوا۔ ابھی مجلس موجود تھی کہ صاحبزادہ گھر واپسی کے لیے الٹے قدموں محل سے باہر آیا۔ دروازہ کے باہر حاضرین کی جوتیاں پڑی تھیں اتفاق سے صاحبزادہ سے ایک جوتی الٹی ہو گئی۔ کھڑے ہو گئے اور تمام حاضرین کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیں اور گھر چلے آئے۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی ۔۔۔ سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

کسی کی نظر بد کام کر گئی۔ اسی وقت تیز بخار آیا۔ اور ایک دن رات کے اندر ہی صاحبزادہ اللہ کو پیارا ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرتؒ کو اس کی موت سے بے حد صدمہ ہوا مگر سوائے اشکِ غم کے یہاں اظہار کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ خاموشی سے یہ جانکاہ صدمہ برداشت کر لیا۔ کافی عرصہ تک دور دراز سے لوگ آپ کے پاس اظہارِ تعزیت کے لیے آتے رہے۔ ان میں اپنے وقت کے کئی ایسے خدارسیدہ اور

برگزیدہ انسان بھی تھے کہ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ اس بچے کی موت پر ایسے باخدا دوست ملے ہیں کہ دل چاہتا تھا، کہ ایسے بہت سے فرزند ہوں اور ہر روز ایک مرتا رہے۔"

خواجہ غلام فریدؒ کا شوقِ ملاقات

دین پور شریف کے قیام کے ابتدائی دور میں سلسلہ چشتیہ کے نامور صاحبِ دل، باصفا بزرگ حضرت حاجی حافظ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ (چاچڑاں شریف) کا تمام ریاست میں شہرہ تھا۔ آپ والی ریاست کے پیر بھی تھے۔ ایک بلند پایہ صوفی شاعر اور سرائیکی زبان کے نظیری و حافظ شیرازیؒ تھے۔ اکثر چاچڑاں شریف سے باہر جاتے ہوئے دین پور شریف سے متصل سڑک پر سے آپ کا گذر رہوتا۔ آپ پالکی پر سوار ہوتے لیکن جونہی دین پور شریف کی حدود کے قریب آتے۔ سواری سے اتر جاتے اور تھوڑی دور پیدل چل کر آگے جا کر سوار ہوتے۔

خدام آپ کے اس طرز عمل سے دل ہی دل میں کڑھتے رہتے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کے سامنے حضرت دین پوریؒ کے متعلق کچھ نازیبا خیالات کا اظہار کیا تو ایک دم جوش میں آگئے اور جھڑک کر فرمایا، "تم میرے سامنے ایک ایسے باخدا انسان کی غیبت کرتے ہو، جس نے جنگل میں بھی روحانیت کی آگ لگا رکھی ہے۔"

ایک دوسرے موقعہ پر چاچڑاں ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ خادم سے فرمایا، جس وقت ہماری گاڑی دین پور شریف کے سامنے سے گذرے تو مجھے خبر کرنا۔ ٹرین جونہی مقابل سے گذری تو خادم نے انگلی کے اشارے سے بتایا کہ حضرتؒ وہ سامنے دین پور شریف ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فوراً اس کے ہاتھ کو جھٹک کر فرمایا، "اللہ والوں کی طرف اس طرح اشارہ بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔"

حضرت دین پوریؒ اور حضرت خواجہؒ کے درمیان سلام و دعا کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اور

بعض خدام بھی آتے جاتے رہتے تھے، مگران دونوں بزرگوں کے درمیان کبھی ملاقات کا اتفاق نہیں ہُوا۔

ایک بار حضرت خواجہؒ دین پور شریف کے مقابل سڑک پر گذر رہے تھے۔ اچانک کشش باطنی ہوئی۔ حضرتؒ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہُوا۔ سواری پر سے حسب دستور اُتر پڑے اور دیر تک سڑک کے کنارے بے چینی اور اضطراب میں اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے اور زبانِ فیض ترجمان پر یہ شعر جاری تھا۔

میکوں عار ہے تیڈا تائیں آوݨ توں — توں امدانی وِی تیکوں کیا پئی اے

حاضرین و مشاہدین حال میں سے کسی نے حضرتؒ سے اس واقعے کا ذکر کیا تو متبسم ہو کر فرمایا "جس مائی (عورت) کو دردِ زہ ہوتا ہے دائی بھی وہی ڈھونڈتی ہے۔"

حضرت دین پوری زندگی کے آخری ایام میں افسوس فرمایا کرتے تھے کہ ان کی حضرت خواجہ صاحبؒ سے ملاقات نہ ہوئی۔

ایک دفعہ حضرت صاحبؒ نے خواجہ صاحبؒ کے متعلق فرمایا، حضور فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ (مرشد) کے وصال کے بعد سلوک کے مراحل میں ایک ہی منزل پر ٹھہر گئے تھے:

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۱ء میں وفات پائی۔

حضرت دین پوریؒ محفل سماع (بغیر مزامیر) میں اکثر حضرت خواجہ صاحبؒ کا عارفانہ کلام سماعت فرمایا کرتے تھے۔

میاں غلام رسول خان کی وفات

میاں غلام رسول خان حضرت دین پوری کے چھوٹے بھائی تھے۔ بچپن سے ان کا ساتھ چلا آتا تھا۔ سن شعور کے بعد محنت مزدوری کر کے والدہ اور بہنوں کی خدمت اور گھر کی نگہداشت کے

فرائض انہوں نے اپنے ذمے لگا لیے تھے۔ معمولی تعلیم حاصل کی تھی۔ گھر کی طرف سے حضرتؒ کو یکسوئی اور طمانیت ان کی وجہ سے تھی۔ حضرتؒ کے مشن کی تکمیل اور دین پور شریف کی تعمیر و تنظیم میں تا حیات جد و جہد کرتے رہے تھے۔ سیر و شکار کے بھی دلدادہ تھے۔ جماعت فقراؔ کی طرح یہ بھی بغیر لائسنس کا اسلحہ رکھتے اور آزادانہ پھرتے تھے۔ نہایت بہادر، بے باک اور نڈر تھے۔ ریلوے میں کام کرتے تھے۔ ایک انگریز آفیسر سے جھگڑا ہو گیا اس کی پٹائی کر دی۔ اس زمانہ میں یہ بڑی جرأت کا کام تھا اور سنگین جرم تھا۔ مقدمہ قائم ہوا۔ حضور سید العارفینؒ کی برکتِ دعا سے باعزت بری ہوئے۔ مردانہ اوصاف کا نمونہ اور بہت سی خوبیوں اور کمالات کا مجموعہ تھے۔ حضرتؒ کے جانثار و فدائی تھے۔ آپ کی شادی بھی ہوئی تھی۔ صرف ایک صاحبزادہ میاں عبد الصمد تولد ہوا۔ قضائے مبرم نے غالباً ۱۹۱۶ء میں آپ کو حضرتؒ سے جدا کر دیا۔ حضرتؒ نے رو کر فرمایا: آج میرا دایاں بازو ٹوٹ گیا ہے۔" حضرت نے آپ کے یتیم بچہ میاں عبد الصمد کی پرورش اور تعلیم و تربیت فرمائی۔ اور اپنی چھوٹی صاحبزادی ان کے نکاح میں دی جن سے ایک فرزند میاں مشتاق محمود پیدا ہوا۔ میاں صاحب نے اپنے آبائی رشتہ داروں میں سے دوسری شادی بھی کی تھی۔ اس سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ افسوس، میاں عبد الصمد خان نے بھی دسمبر ۱۹۵۶ء میں اپنے والد محترم کی طرح اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرمایا۔

نمونہ خلق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہمیشہ سے یہ قانونِ قدرت چلا آتا ہے کہ ہر عظمت کے ساتھ ہر زمانہ میں اس کے حاسدین و مخالفین بھی موجود رہے ہیں۔ کفر و اسلام کی جنگ، چراغِ مصطفویؐ سے شرار بولہبی کی چشمک اور اندھیرے اجالے کی آنکھ مچولی ازل سے چلی آتی ہے ابد تک چلے گی۔ انبیا علیہم السلام اور خدا کے تمام برگزیدہ انسان ان صبر آزما مراحل و تکالیف سے ہمیشہ گذرتے رہے ہیں۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت دین پوریؒ تبلیغ و ارشاد

کا اس قدر عظیم الشان کام سنبھالیں اور دشوار گذار گھاٹیاں بغیر آبلہ پائی کے عبور کر جائیں. چمنستان معرفت کی گلچینی کریں اور کانٹوں سے دامن بچالیں. چنانچہ حضرت دین پوریؒ کو بھی شدید مخالفتوں اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور مصائب جھیلنے پڑے، مگر صبر واستقامت، عفو و برداشت، اور رحمت ورافت کے اس عظیم پیکر نے مخالفین وحاسدین کے ساتھ بھی وہی معاملہ رکھا جو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے تعلیم فرمایا تھا۔

حضرت دین پوریؒ لڑکپن ہی سے کمال صبر وضبط، حلم وبردباری اور عفو وچشم پوشی کے بہترین اوصاف سے مزین تھے۔ شریر ہمجولیوں کے ہاتھوں ایذائیں اٹھائیں ان کے ظلم وستم برداشت کیے مگر کبھی اُن سے انتقام نہیں لیا اور نہ ہی اساتذہ سے کسی کی شکایت کی۔ حضرتؒ کی طالب علمی کے زمانہ کے کئی واقعات بطورِ مثال موجود ہیں۔

بستی مولویان کے مدرسہ میں ایک سید طالب علم اکثر آپ کے سالن یا بھات میں مرچیں ڈال دیا کرتا جن کی زیادتی سے کھانا بھی مشکل کھایا جاسکتا، مگر آپ کمال صبر وضبط کے ساتھ کتنا عرصہ اس طالب علم کی یہ شرارت برداشت کرتے رہے اور کبھی استادوں سے شکایت نہیں کی۔ ایک دن آپ اسی طرح کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ اتفاقاً آپ کے استاد وہاں آگئے اور راز فاش ہو گیا تو پھر کہیں حضرت اس کی شرارتوں سے محفوظ ہوئے۔ یہی طالب علم سید صاحب بعد میں حضرتؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ دین پور شریف اکثر آتے رہتے تھے۔ بواسیر کی شکایت تھی اس لیے حضرتؒ اُن کے لیے علیحدہ کم مرچ کا سالن پکواتے تھے۔ کبھی کبھی بی بی صاحبہ حضرت سے ہنس کر فرماتیں: "آپ کے یہ دوست بچپن میں آپ کو زیادہ مرچیں کھلاتے تھے۔ اب ہماری باری ہے، ہم بھی خوب مرچیں ڈالیں گے۔"

اسی طرح راجن پور (سندھ) کا واقعہ ہے۔ آپ کے استاد صاحب کا مکان تعمیر ہو رہا تھا۔

آپ بھی دوسرے ساتھیوں کے ساتھ گارا ڈھو رہے تھے، مگر شریر ہمجولی آپ کے ساتھ مذاق کرتے اور ہنسی مذاق میں گارا مارتے جس سے آپ کے تمام کپڑے اور چہرہ کیچڑ سے لت پت ہوگیا۔ آپ خاموشی سے کام کرتے رہے۔ طلباؑ کے شور اور ہنسی مذاق کی آوازوں سے اندر۔ دن حویلی استاد صاحب کی اہلیہ محترمہ کو شبہ ہوا تو انہوں نے استاد صاحب کو باہر بھیج کر حضرت کی شریر لڑکوں سے گلو خلاصی کرائی مگر حضرتؒ نے پھر بھی کسی کی شکایت نہیں کی۔

بچپن اور لڑکپن کی یہی اوصاف وخصوصیات، جوانی اور بعد میں حضرتؒ کے کمالات و خلق عظیم کا ایک مثالی نمونہ بن گئی تھیں۔ چنانچہ دین پور شریف کے قیام کے بعد جب حضرتؒ کی عظمت وشہرت کو چار چاند لگ گئے تو مقامی لوگوں میں کئی حاسد اور مخالف پیدا ہوگئے۔ یہ جرائم پیشہ قوم کے افراد تھے۔ انہوں نے حضرتؒ کی ذات اور جماعت فقراؑ کو کبھی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کیا۔ چوری چکاری اور جماعت کے فقیروں کو بلا وجہ مارنا پیٹنا تو ان کا روز کا معمول تھا۔ فقیروں کو گالیاں دینا اور تنگ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

انہی مخالفین میں سے ایک فرد جو حضرت کا پیر بھائی بھی تھا، آپ سے حسد رکھتا اور ہمیشہ آتش حسد میں جلتا رہتا۔ حضرتؒ اور جماعت کی مخالفت میں پیش پیش رہتا۔ چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں پر جھگڑا کرتا رہتا۔ چاہ مسجد پر اپنا حق جتاتا۔ حضرت کی خرید شدہ اراضی پر دعویٰ حق شفع دائر کیا۔ جماعت اور حضرتؒ کے خلاف کئی بے سر و پا مقدمات عدالتوں میں لے گیا اور کامل چالیس سال تک جماعت کے ساتھ مقدمات لڑتا رہا۔ مگر اس عرصہ میں حضرتؒ کبھی کسی دیوانی یا فوجداری کیس کے سلسلے میں کسی ماتحت یا بڑی عدالت میں حاضر نہیں ہوئے۔ مقدمات کی پیروی فقراء کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ اس کا پالتو آوارہ کتا جسے وہ باندھ کر نہیں رکھتا تھا، نقصان کرنے کی وجہ سے کسی فقیر کی بندوق سے مارا گیا۔ ہفتوں اس کتے کی متعفن لاش پولیس کے پاس عدالتوں میں

اٹھائے پھرتا رہا۔ چونکہ وہ زمیندار بھی تھا اور دین پور شریف کا راستہ اسکی زمین میں سے گذرتا تھا اس لیے وہ راستے میں کانٹے بچھانے، مسافروں اور مہمان زائرین کو تنگ کرنے، مارنے پیٹنے یا بدکلامی یا فحش زبانی سے بھی نہ چوکتا تھا۔ حضرتؒ کی ذات گرامی اور ناموس پر بڑے کمینہ اور رکیک حملے کرتا رہتا۔ حضرتؒ نے حضرت میاں عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بھر چونڈوی) کے فیصلہ اور فرمان کے مطابق اس کو حق شفع والی زمین واپس کر دی مگر پھر بھی وہ اپنی شیطنت سے باز نہ آیا اور فقراؔ کو ہمیشہ پریشان کرتا رہا، مگر اس کی ان تمام نازیبا اور صبر آزما کارروائیوں اور ایذاؤں کا جواب حضرتؒ کی خاموشی اور کامل سکوت تھا۔ اس نے حضرتؒ اور جماعتِ فقراؔ کو ہر قسم کی روحانی اور جسمانی تکالیف پہنچائیں ہر قدم پر کانٹے بچھائے، لیکن ادھر محض خندۂ گل تھا۔ وہ برائی کرتا رہتا۔ ادھر سے بھلائی ہوتی رہی۔ وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ یہ اپنی عالی ظرفی اور عادت سے لاچار تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ وہ یا اُس کا خاندان کسی مصیبت اور ناگہانی آفت کا شکار ہوئے مگر حضرتؒ کی کوشش سے جاں خلاصی ہوئی ایک دفعہ اس کے گھروں کو (جو خس و خاشاک کے تھے) آگ لگ گئی۔ حضرتؒ نے تمام جماعتِ فقراؔ اور طلباؔ کے ہمراہ جا کر آگ بجھائی۔ اظہارِ افسوس کیا۔ بہت سا سامان خورد و نوش۔ مال و متاع اور کپڑے لنگر میں سے اس کے پاس بھجوائے۔

کمزور کا عفو و درگذر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جوانمردی یہ ہے کہ طاقت اور ہمت کے باوجود اپنے دشمن سے بدلہ نہ لیا جائے۔ بعینہٖ حضرتؒ کے ہاں یہی کیفیت تھی۔ آپ انتقام اور مقابلہ کی طاقت اس سے بدرجہا زیادہ رکھتے تھے۔ آپ چاہتے تو جماعت فقراؔ اس کو یا اس کے خاندان کو مسلسل تنگ کرتی اور ہر قسم کا نقصان اور تکلیف پہنچا سکتی تھی خود ریاستی حکومت کے حکام میں حضرتؒ کا اس قدر اثر تھا کہ آپ کے معمولی اشارہ پر افسران تادم مرگ اسے یا اس کے خاندان کو قید خانوں میں محبوس رکھتے۔ مگر نہیں، حضور فخر کائنات رحمت للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسوہ حسنہ ہمیشہ

آپ کے پیشِ نظر تھا۔ طائف کے نابجاروں کے ہاتھوں تکلیف اٹھا کر بھی شانِ رحمتؐ کا نظارہ سامنے موجود تھا۔ اس لیے آپ کے پاس اس کی ایذاؤں کے بدلے ہمیشہ لطف و کرم تھا۔ رحمت و راحت تھی یا دعائیں تھیں۔ اُس نے بُرا کیا آپ بھلا کرتے رہے۔ بُرا سنا، خوش کلامی فرمائی اس طرح جماعت کو بھی سختی سے صبر و ضبط کی تاکید تھی۔ بعض لوگ اسے اور اس کے خاندان کو "مخالف" کے نام سے یاد کرتے تھے، لیکن آپ اسے ہمیشہ "ہمسایہ" کہتے تھے۔

حضرتؒ حج بیت اللہ پر جا رہے تھے اس کے گھر جا کر رخصت طلب ہوئے۔

حضرتؒ کی مرض الموت میں وہ آیا اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ حضرتؒ نے گریہ فرمایا۔ اور کہا "...... فقیر نے تجھے معاف کیا، دعا کرتا ہوں، اللہ تجھے معاف فرما دیں:

یہ تھا ان تنازعات اور عداوتوں کا ایک ہلکا سا پس منظر جس میں حضرت دین پوری کے حسنِ اخلاق اور حسن معاشرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کتنے عظیم تھے!

صاحبزادہ مولانا عبدالہادی کی ولادت

صاحبزادہ سراج احمد کی ولادت اور وفات کے بعد حضرت دین پوری کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرتؒ کی چھوٹی صاحبزادیاں جواب سیانی ہو رہی تھیں۔ حضرتؒ کی خدمت میں آتیں تو بھائی کی ولادت کی دعائیں منگایا کرتیں۔ جماعت بھی حضرتؒ کے جانشین فرزند کے لیے دن رات دعائیں کرتی رہتی۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص سے ایک بڑی مدت کے بعد حضرتؒ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ ۴، ۵۔ اپریل ۱۹۰۴ء کی شب کا واقعہ ہے۔ ٹھیک اسی شب اور تاریخ کو نواب بہاول خان (والئی ریاست بہاولپور) کے ہاں ولیعہد ریاست کی پیدائش ہوئی۔ گویا ایک بچہ سلطنتِ فقر و ولایت کا شہنشاہ ہونے والا تھا تو دوسرا ریاست بہاولپور کا نامور اور ہردلعزیز فرماں روا (نواب صادق محمد خان خامس عباسی مرحوم) حضرت دین پوری کے

بلند اقبال نومولود کا اسم گرامی "عبد الہادی" تجویز ہوا۔

سابق ریاست بہاولپور میں قانون تھا کہ ریاست میں جس بچہ کی ولیعہد ریاست" کی تاریخ پیدائش کے موقع پر ولادت ہو۔ اسے ماہوار وظیفہ دیا جاتا تھا) چنانچہ حکام کو حضرتؒ کے نومولود کی اطلاع ہوئی تو صاحبزادہ صاحب کے نام کا وظیفہ بھی مقرر کیا گیا، مگر حضرتؒ نے لینے سے انکار کر دیا۔ صاحبزادہ میاں عبد الہادی کے بعد حضرت کے ہاں بی بی ام المساکین کے بطن سے دوسرا صاحبزادہ میاں عبد الرشید صاحب پیدا ہوئے۔ یہ غالباً ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے۔

امام الاتقیاء حضرت مولانا عبد الہادی صاحب دامت برکاتہم

آپ حضرت دین پوریؒ کے خلف الرشید خلف اکبر ہیں۔ آپ ابھی چھ سات سال کی عمر کے تھے کہ میاں جی خیر محمد مرحوم کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لیے مدرسہ میں داخل ہوئے ۱۹۱۱ء میں جب حضرت تھانویؒ دین پور تشریف لائے تو آپ اس وقت بچے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے آپ سے سورۃ فاتحہ اور اخلاص سنیں۔ سر پر دست شفقت رکھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کے بعد آپ نے مختلف اساتذہ سے فارسی اور عربی کتابیں پڑھیں۔ اساتذہ میں سے مولوی عبد القادر صاحب مرحوم مولانا عبد اللہ لغاری، مولانا محمد سلیمان صاحب اور مولانا غلام صدیق حاجی پوری رحمۃ اللہ علیہم بہت مشہور ہیں۔ دورہ تفسیر قرآن لاہور جا کر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری سے پڑھا۔ دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ "نقش حیات" میں لکھتے ہیں کہ دیوبند سے علم حدیث وغیرہ پڑھا ہے) آپ کو بچپن سے ہی کاملین کی صحبت اور توجہ حاصل رہی ہے۔ پہلے حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ کی آغوش میں تعلیم و تربیت پائی۔ ان کے بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ظل عاطفت میں لے لیا۔ آپ کو ان تینوں مربیوں سے نسبت

خاص ہے۔ حضرت دین پوریؒ نے سفر حاجی پور (ڈیرہ غازی خاں) کے موقعہ پر جماعت کی تعلیم و تربیت کا کام سپرد فرمایا اور خلقِ خدا کو اللہ اللہ سکھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت لاہوریؒ نے بھی اجازت وخرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ان کے علاوہ یہ اپنے وقت کے تمام مشائخ اور اولیاء اللہ کی توجہات کا مرکز اور ان کے نورِ نظر رہے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا آپ سے بہت زیادہ ربط و اخلاص تھا۔ ایک دفعہ آپ نے اُن بزرگوں کے نام کی فہرست بنوائی، جن کی آپ نے زیارت کی یا ان سے کسبِ فیض کیا۔ اس فہرست میں تیس اولیائے کبار کے نام تھے۔ حضرت کی زندگی میں آپ نے لنگر اور خانقاہ کی خدمت اپنے ذمہ لے لی تھی۔ حضرتؒ نے آپ کی شادی اپنے چچازاد بھائی حاجی محمد بخش خان مرحوم (ضلع جھنگ) کی صاحبزادی سے کرائی تھی۔ جن سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں اور آگے ان کی بہت سی اولاد ہوئی جو رونق قریہ ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے میاں سراج احمد صاحب اور پوتے میاں مسعود احمد صاحب عالم باعمل اور نہایت نیک انسان ہیں۔

باطنی و روحانی خدمات کے علاوہ حضرت میاں صاحب نے ملکی اور ملی سیاسیات میں بھی خوب اور بھرپور حصہ لیا۔ تحریکِ خلافت میں مولانا محمد علی جوہرؒ، شوکت علیؒ، ابوالکلام آزاد اور اپنے بزرگوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ علی برادران کی گرفتاری کے بعد، ایک دفعہ بی اماں مرحومہ کے ساتھ ایک رضاکار کی حیثیت سے ملک کا دورہ کیا۔ سیاست میں جمعیۃ العلمائے ہند کی پالیسیوں سے متفق رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کے جھنڈے تلے آزادی کی جنگ لڑی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے نہایت عقیدت و محبت کا علاقہ تھا۔ ۱۹۴۰ء میں جب مولانا مرحوم نے جمعیۃ الانصار دین پور قائم کی تو آپ نے اپنے تمام نوجوان طاقت اور جماعت حضرت سندھیؒ کی سیاسی کمان میں دیدی اور خود جماعت کی سرپرستی قبول فرمائی۔ دینی مدارس اور تبلیغی اجتماعات کے انعقاد کا ابتداء سے بہت زیادہ شوق رہا ہے۔ حضرت دین پوریؒ کی حیات طیبہ کے

آخری دور میں جو یادگار اجتماعات منعقد ہوئے تھے۔ ان کا انتظام و انصرام آپ کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ تحریکِ آزادی کے سلسلے میں اپنے روحانی خانوادہ کے نامور فرزند حضرت سید صبغۃ اللہ شاہ ثانیؒ پیر پگارہ سے آپ کے بہت مخلصانہ تعلقات تھے۔ حضرت پیر پگارہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی جماعت کے مریدین و مسترشدین میں سے آپ پر زیادہ اعتماد کرتے تھے اور تحریک میں جماعت دین پور کے شاندار کردار سے بہت خوش تھے۔ تحریک ختمِ نبوتؐ میں آپ کی خدمات سب کو معلوم ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت امیر شریعتؒ کے بعد مرحوم آغا شورش کاشمیری کی مساعی کو بہت سراہتے ہیں۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم کا بھی آپ سے بہت زیادہ تعلق ارادت تھا۔ ایک دفعہ اپنے ہفتگی "چٹان" لاہور (۱۷ فروری ۱۹۶۶ء) میں آپ کی شخصیت پر جو شذرہ لکھا وہ مرحوم کا آپ سے تعلق و محبت کی ایک زندہ تصویر ہے۔ آپ کی بلند پایہ شخصیت کے عرفان کے لیے یہاں اس کی نقل یقیناً قارئین کی دلچسپی و استفادہ کا باعث ہوگی لکھتے ہیں:

سرورق پر آج ایک ایسے شخص کی تصویر دی جا رہی ہے جو تخت نشین نہیں۔ بوریہ نشین ہے کسی سلطنت کا فرمانروا نہیں فقر و استغنا کی سلطنت کا تاجدار ہے۔ آپ خود اس سے ملیں تو معلوم ہوگا کہ آپ کے سامنے قرونِ اولیٰ کا کوئی چہرہ آگیا ہے۔ سنا تھا کہ حضرت دین پوری ان فقرا و مشائخ کا عکس ہیں جن کی داستانیں اب تذکروں میں رہ گئی ہیں اور جن کی عظمتیں دلوں پر نقش ہیں۔ راقم نے ان کی بے نیازی اور تعلق باللہ کا چرچا بھی سن رکھا تھا، انہیں دیکھا نہیں تھا۔ اپنی ایک پریشانی کے زمانے میں انہیں خط لکھا کہ میرے لیے دعا فرمائیں۔ جواب آیا۔

"اپنے رب کو یاد کیا کرو، سب کچھ اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تمہارے لیے ضرور دعا کروں گا اور مجھے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں یقین ہے کہ وہ میرے گنہگار ہاتھوں کی ضرور لاج رکھیں گے۔"

جس افتاد سے پریشان تھا اپنے موقع پر وہ عقدہ حل ہوگیا اور قلباً سکون ہوا۔ دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ خالق اپنی مخلوق کی سُنتا اور ضرور سنتا ہے۔ پھر ایک اہل اللہ کی دعا کہ خدا کی رحمت ہر لحظہ منتظر رہتی ہے کہ کب پاکیزہ ہاتھ اٹھیں اور کب ان کی زبان کے کلمات بارگاہِ ایزدی سے بامراد لوٹیں۔ اس ایک دعا کے بعد دعاؤں پر میرا عقیدہ اور بھی پختہ ہوگیا۔ میں غائبانہ طور پر ان کا گرویدہ رہا۔ بارہا یہ آرزو پیدا ہوئی کہ ان کے آستانہ پر حاضری دوں، مگر یہ سوچ ابھی دائرے بُن رہا تھا کہ آرزو بامراد ہو کر گھر میں آگئی۔ مجید نے دوڑ کر بتایا کہ حضرت دین پوری آئے ہیں۔ مَیں دفتر سے اتر کر صحن میں پہنچا تو حضرت اپنے ساتھیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ عجز و الحاح کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایک باعظمت انسان کی طرح ایستادہ تھے پہلے نہ مَیں نے کبھی انہیں دیکھا تھا نہ انہوں نے لیکن فوراً ہی مجھ سے بغلگیر ہوگئے۔ مَیں نے محسوس کیا کہ اس لحظہ میرے اندر کی معصیتیں فرار ہوگئی ہیں اور میں ایک ایسے انسان سے معانقہ کر رہا ہوں جو اپنے لیے نہیں جو اللہ کے لیے جیتے ہیں اور جن کا وجود خشیت الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔ ان کا ظاہر و باطن منشائے الٰہی کے تابع ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب یہ لوگ بوریے سے سلام پھیر کر اٹھتے ہیں تو ان کے چہروں سے شہنشاہوں کی بے نیازی ٹپکتی ہے۔ ان کی نظریں درباروں کو اس طرح تکتی ہیں جس طرح نگاہوں کے سامنے مغرور انسانوں کے تخت نہیں بے حس پتھروں کا ڈھیر پڑا ہے۔ ان کا فقر کسی کا محتاج نہیں۔ بجز اللہ کی رضا کے۔ حالت ان کی حاجت مندوں کی سی ہوتی ہے، لیکن چہرہ بے نیازوں کا۔

حضرت نے کہا یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ عرض کیا اوپر دفتر میں چلیے۔ دفتر میں بچھا ہوا قالین دیکھ کر اپنے جوتے اتار دیئے۔ مَیں نے جوتے اٹھا لیے۔ عرض کیا حضرت اس قالین کو آپ کے جوتوں سے کوئی نسبت نہیں ہم تو آپ کے لیے پلکوں کا فرش کرنے کو تیار ہیں۔ وہاں درویشانہ استغنا کا

پُر جمال سحر دفتر کا احاطہ کر چکا تھا، ہم واقعی محسوس کر رہے تھے کہ ہم ایک ایسے انسان کے روبرو ہیں جو بوئے اسد اللّٰہی بھی رکھتا ہے اور فقر ابوذرؓ بھی۔ فرمایا۔ بھائی! ہم لوگ یہاں سے گذر رہے تھے چٹان کا نام پڑھا تو موٹر رک گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم اور زبان کو برکت دے۔ ایمان کی دولت عطا فرمائے۔ آپ نے دین حق کی خدمت کی ہے۔ مَیں یہاں اپنے مرشد حضرت لاہوریؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا۔ آپ کا دفتر دیکھا رُک گیا۔"

حضرت: ہمارے لیے دعا فرمائیں؛ میں نے عرض کیا؛ دعا — مَیں کعبہ کی طرف منہ کر کے کہتا ہوں (اپنے وجود کی نفی کرتے ہوئے) ..... سے بدتر ہوں؛

حضرت آپ عظیم متاع ہیں اور ہم آپ کی دعاؤں کے محتاج ہیں۔ دعا فرمائی۔ خضوع، خشوع اخلاص، انکسار، گداز، رقت، تڑپ، للّٰہیت، غرض اس دعا میں سبھی کچھ تھا۔ غور کیا تو لگا ہوں میں ذوالفقار کی چمک تھی، چہرہ پر ابوذرؓ کا استغنا، طبیعت میں علی مرتضیٰ کی فقیری پھٹے پرانے کپڑوں میں عمر فاروقؓ کے "دبدبے" کا پرتو، چال ڈھال میں عثمان غنیؓ کی حیا اور لب و لہجہ میں عمر فاروقؓ کا وقار۔ دُنیا کا تو ذکر ہی کیا اپنی ذات سے بے نیازی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دنیا کوئی اہمیت نہیں رکھتی، وہ دُنیا کو اپنے سفر کا ایک پڑاؤ سمجھتے ہیں، اور جب اس پڑاؤ سے نکل جاتے ہیں تو خدا ان کا اور وہ خدا کے ہو جاتے ہیں۔ اُن کی ہمنشینی میں وہ سرور ہے جو بادشاہوں کے ہاں نہیں اور حیف ہے۔ ان لوگوں پر جو بادشاہوں کے آستانوں پر کاسۂ گدائی لے کر جاتے ہیں۔

غرض دین پوریؒ کے یہ نامور و باکمال فرزند ایک جامع کمالات شخصیت اور یادگار سلف ہیں۔ عرصہ چھ سات سال سے صاحبِ فراش ہیں۔ بیماری، ضعف، پیری و کمزوری اور باوجود چل پھر نہیں سکتے۔ خلق خدا کو فیض رسانی اور تعلیم و تربیت کا کام باقاعدہ ہو رہا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دیر تک سلامت باکرامت رکھیں۔

حضرت تھانویؒ اور مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دین پور شریف میں تشریف آوری

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سندھ اور سابق ریاست بہاولپور کے علاقوں میں بارہ۱۲ چودہ۱۴ سال جو سیاسی اور علمی کام کرتے رہے تھے اور ان علاقوں میں قادری راشدی بزرگان کے توسط سے تحریکِ جہاد کا علم بلند کر رکھا تھا۔ اب ضرورت ہوئی کہ اس مکتبِ فکر اور اس تحریک کے علاوہ اس جماعت کے قائدین کا بھی وہاں باقاعدہ تعارف کرایا جائے جس کے خود مولانا مرحوم نمائندہ تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کے ایما پر ۱۹۱۱ء میں خیر پور میرس، سندھ اور سابق ریاست بہاولپور میں "دارالعلوم دیوبند" کے تعارف کی غرض سے مولانا سندھیؒ کی رہنمائی میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند (فرزند حضرت نانوتویؒ) پر مشتمل ایک سہ رکنی وفد روانہ فرمایا۔ دیوبند کے یہ نامور فرزند سب سے پہلے دین پور شریف تشریف لائے۔ مولانا سندھیؒ نے حضرتؒ کو پہلے سے ان بزرگوں کی آمد کی اطلاع کر دی تھی مگر حضرت تھانویؒ اور مہتمم صاحبؒ کو یہ نہیں بتایا کہ ہم پہلا قیام کہاں کریں گے؟ یا جن کے ہم مہمان ہوں گے، وہ کس پائے کے انسان ہیں۔ مولانا مرحوم راوی ہیں کہ جس وقت ہماری گاڑی سمہ سٹہ کی حدود میں پہنچی تو مولانا تھانوی ڈبے کے باہر خلا میں بڑی توجہ سے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا، عبید اللہ! مجھے یہاں کسی اللہ والے کی خوشبو آرہی ہے۔ میں خاموش رہا۔ جب خانپور کے اسٹیشن پر اُترے تو بہت زیادہ مضطرب تھے۔ دوبارہ فرمایا، عبید اللہ! یہاں مجھے کسی اللہ والے کی خوشبو آرہی ہے۔ میں نے کہا۔ حضرت! دُنیا اللہ والوں سے ابھی خالی تو نہیں ہوئی۔ ریلوے اسٹیشن پر حضرتؒ کی بھیجی ہوئی سواریاں موجود تھیں۔ تینوں بزرگ گھوڑیوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ اِدھر حضرتؒ بھی پیشوائی کے لیے اپنے

مستقر سے چل کر سڑک پر پہنچ گئے تھے. ابھی دور ہی سے سامنا ہوا تھا کہ حضرت تھانویؒ فوراً گھوڑی پر سے اتر پڑے. بار بار تاسف سے فرماتے تھے "حبیب اللہ! تو نے ہمیں مار دیا" ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا کہ یہاں اس پائے کا ولی اللہ رہتا ہے. بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ خلیفہ صاحب تو ہمارے حاجی صاحب (حضرت امداد اللہ مکیؒ) کے پایہ کے ولی کامل ہیں"۔

غرض دین پور شریف میں ان بزرگوں کی آمد سے ایک نئے تعلق مودت و عقیدت کی بنیادیں ڈال دی گئیں. وقت کے ساتھ ساتھ یہ تعلق بڑھتا ہی چلا گیا. حضرت دین پوریؒ اور حضرت تھانویؒ کے درمیان تسلیمات نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا. چنانچہ ایک دفعہ مولانا ابوالحسن ندوی کو لکھتے ہیں:

"حضرت خلیفہ صاحب کے پیام و سلام سے اُن کی یاد تازہ ہو گئی، اللہ تعالیٰ ان کی برکات میں تضاعف فرمادے" (پرانے چراغ" ص ۱۲۳)

حضرت تھانویؒ سندھ اور اس علاقے (مغربی پنجاب) کے اپنے مسترشدین کو حضرت دین پوریؒ کی زیارت اور صحبت کے لیے اکثر تاکید فرمایا کرتے تھے. ایک بار حضرتؒ نے حضرت تھانوی کے پاس یہاں کی مشہور "مسواکیں" بھیجیں. مسواکیں حضرتؒ نے اپنے دندانِ مبارک سے چبا کے دی تھیں. حضرت تھانوی نے یہ تحفہ وصول فرمایا تو دیر تک مسواکیں اپنی آنکھوں کو لگاتے رہے. سر پر سے دستار اُتار دی اور فرستادہ سے فرمایا! کہ حضرتؒ سے عرض کرنا، حضرتؒ! اشرف علی بوڑھا ہو گیا ہے اور آپ بھی ضعیف اور سفر کے ناقابل ہیں. ظاہری ملاقات ممکن نہیں ہے. میرے سر پر غائبانہ دست شفقت رکھدیں. تاکہ قیامت میں نجات کا سامان ہو جائے"۔

حضرت دین پوریؒ اس موقعہ پر کراچی تک ان بزرگوں کے ہمراہ تشریف لے گئے. حضرت امروٹیؒ نے بھی ساتھ دیا اور اس طرح سندھ اور کراچی میں پہلی بار "دارالعلوم دیوبند" اور ولی اللہی جماعت کا باقاعدہ تعارف کرایا گیا۔

مؤتمر الانصار کے جلسوں اور دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت

دوسرے سال اپریل ۱۹۱۲ء میں آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی خصوصی دعوت پر مؤتمر الانصار کے جلسوں اور دار العلوم دیوبند کے پچاس سالہ جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لیے حضرت سید تاج محمود امروٹیؒ اور بہت سے علمأ کے ہمراہ دیوبند کا سفر کیا۔ حضرت شیخ الہند نے دعوت نامے میں لکھا تھا کہ آپ دیوبند میں کوئی نظام الاوقات بنا کر نہ آئیں۔ یہاں پر آپ کا پروگرام ہماری منشا پر منحصر ہوگا۔ اس سفر میں حضرت شیخ الہندؒ سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں' علمی سیاسی اور روحانی مسائل پر تبادلۂ خیالات ہُوا۔ دوسرے دیوبندی بزرگوں سے بھی دلچسپ اور مفید صحبتیں رہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ حضرتؒ سے مل کر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا کرتے تھے: "دوسرے بزرگوں کی ولایت کی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے۔ مگر حضرت خلیفہ صاحبؒ اپنی ولایت کی آپ دلیل ہیں"۔ پھر فرماتے "آفتاب آمد دلیل آفتاب" ایک اور موقعہ پر فرمایا، دوسرے بزرگوں سے ورد اوراد اور ذکر اذکار سیکھنے سے سالک کو اتنا فائدہ نہیں ہوتا، جو کہ صرف حضرت، خلیفہ صاحب (دین پوری) کی صحبت میں بیٹھنے سے ہوتا ہے"۔ اس تاریخی سفر کے بعد حضرتؒ دین پوری فرمایا کرتے تھے: "ہم پہلے دیوبند کو محض مولویوں کا ایک مرکز خیال کرتے تھے مگر وہاں جا کر ہم نے بے شمار عام لوگوں پر انوار الٰہی کی بارش برستی دیکھی ہے۔ خواص کی تو کچھ بات ہی اور تھی"۔ آپ کے اس یادگار تاریخی سفر کا حوالہ اس سال کی "روداد سالانہ مدرسہ عالیہ دیوبند" میں بھی دیا گیا تھا۔ جس میں ان دور دراز کے مہمانوں کو "باعثِ رونق جلسہ" لکھا گیا تھا۔

تحریکِ جہادِ حریت کی گم شدہ کڑیاں

دیوبند کے اس تاریخی سفر میں حضرت شیخ الہند رح سے ملاقاتوں اور تبادلۂ خیالات کے بعد، حضرت دین پوری اور حضرت امروٹی کو اس "تحریک جہاد" کی گم شدہ کڑیاں مل گئیں جس کا علم آپ کے مرشد سید العارفین بھرچونڈی، حضرت جیلانی سائیں (سوئی شریف) حضرت پیر صبغۃ اللہ شاہ اول پیر پگارو اور دوسرے قادری راشدی بزرگان نے تقریباً پون صدی سے سندھ اور بلوچستان میں بلند کر رکھا تھا اور اب وہ علم دست بدست ان کے پاس پہنچا تھا۔ یہ بزرگ اپنے مرشدوں کے مشن کی تکمیل و تبلیغ میں روزِ اول سے سرگرم تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس تحریک کے سلسلے کا ایک سرا سید احمد شہید کی تحریکِ مجاہدین سے جا کر ملتا ہے مگر سانحۂ بالاکوٹ (سید احمد شہید اور آپ کے رفقا کی شہادت) کے بعد، وہ کڑی کہیں گم ہو گئی تھی اور یہ سلسلہ منتشر ہو گیا تھا۔ مگر اب دیوبند جا کر ان کو معلوم ہوا کہ سندھ اور دہلی کے مرکز کی وہ کڑی ضرور ٹوٹ گئی تھی، لیکن ابھی تک بے کار نہیں ہوئی تھی۔ دونوں طرف کام ہوتا رہا تھا۔ ان حضرات نے دیکھا تھا کہ اب اس تحریک کا مرکز دیوبند ہے۔ اور حضرت شیخ الہند کی ذات ستودہ صفات کے ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور ہے؛ چنانچہ اپنے اپنے مستقر پر آنے کے بعد، حضرت دین پوری اور حضرت امروٹی نے باقاعدگی اور تنظیم کے ساتھ تحریکِ جہاد کا کام شروع کر دیا۔

تحریکِ ولی اللہی رح اور سندھ کے قادری راشدی بزرگان

دار العلوم دیوبند جن پاکباز انسانوں اور قدسی نفس بزرگوں کی علمی مساعی اور فکر و نظر کا ترجمان ہے۔ ان کا براہِ راست تعلق، دہلی کے اس مدرسہ سے تھا جسے امام وقت، مجدد عصر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں نے قائم کیا تھا اور خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ ہی جس کی شہرت و عظمت کے

امین تھے۔ مغل سلطنت و حکومت کے زوال پذیر معاشرہ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حساس اور دوررس فکر و ادراک کی قوتوں کو نئے دور اور نئے تقاضوں کے متعلق سوچنے پر مجبور کیا تو آپ نے اپنے علم و حکمت اور الہام و تجربات کی روشنی میں مستقبل کی عالمگیر سوسائٹی کے لیے ایک سیاسی اور معاشی حل کا نقشہ ترتیب دیا۔ کارل مارکس نے آپ کی وفات سے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد جو فلسفۂ حیات (کمیونزم اور سوشلزم) کی صورت میں دُنیا کے سامنے پیش کیا حضرت شاہ صاحبؒ کا پروگرام اس سے کہیں زیادہ جاندار سائنٹیفک اور فطرت انسانی کے زیادہ قریب تھا۔ اگر شاہ صاحبؒ کے فلسفہ کو اسی طرح پریس اور بہترین نشر و اشاعت کا سامان مہیا ہوتا جس طرح کارل مارکس اور اس کے ساتھیوں کو تعاون حاصل رہا ہے، تو یقیناً آج دُنیا کے بڑے خطوں پر آپ کے فلسفہ و حکمت کی حکمرانی ہوتی۔ نیز کمیونزم کو شاہ صاحبؒ کے پروگرام کے مقابلے میں جو شہرت و اشاعت حاصل ہوئی ہے۔ اس کی وجہ صرف پریس اور ذرائع ابلاغ کی کمی نہ تھی، بلکہ اس میں سازش افرنگ (یہود و نصاریٰ) کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ کمیونسٹوں کو آج تک صرف ایک بورژوائی محاذ کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن شاہ صاحبؒ کے حاملین فلسفہ کو اپنوں اور غیروں کے خلاف چومکھی لڑائی لڑنا پڑی ہے۔ انہوں نے بیک وقت آزادی کی جنگ، مذہب و عقیدہ کے تحفظ کی جنگ، اپنی تہذیب و معاشرت کے بچاؤ کی لڑائی اور خارجی و داخلی دشمنوں سے پیکار کے علاوہ کتنے ہی چھوٹے بڑے محاذ سنبھالے رکھے ہیں۔ مخالفین نے ان کو کبھی اپنا پروگرام پیش کرنے یا اس کی تبلیغ کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ چنانچہ تحریک جہاد بھی اس پروگرام کو نافذ بروئے عمل لانے کی ایک صورت تھی۔ اب اس تحریک کو اسی فکر کی روشنی میں دیکھتے جائیں تو بات آپ کو سمجھ آتی چلی جائے گی۔

حضرت شاہ صاحبؒ جس وقت دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ نے اپنا یہ پروگرام اپنے عظیم المرتبت صاحبزادوں کے سپرد فرمایا۔ دہلی کا مدرسہ اس فکر و فلسفہ کا نقیب تھا۔ شاہ عبدالعزیزؒ

کے زمانہ میں ہی ہندوستان دارالحرب بن چکا تھا اور ایک بدیسی سامراج طاقت پوری طرح ملک میں پھیل رہی تھی۔ ادھر پنجاب اور سرحد جو ہمیشہ سے فاتحین پاک و ہند کی طاقت کا سرچشمہ رہے تھے۔ سکھوں کے قبضے میں تھے۔ ملک میں طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، عیار و مکار انگریز پوری طرح چوکس تھا کہ وہ ہندوستان کے اس بازوئے شمشیر زن (پنجاب اور سرحد) کو ہتھیا لے۔ انہی حالات میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے (سید احمد شہیدؒ) کی زیرِ قیادت اور مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئیؒ کے زیرِ مشورت "جماعت مجاہدین" کی تنظیم فرمائی، مگر یہ تنظیم ابھی ابتدائی مراحل میں تھی کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی مسندِ ارشاد پر امام اسحاق دہلویؒ رونق افروز ہوئے۔ انہی کے دور میں جہاد کا فیصلہ کیا گیا اور سب سے پہلے پنجاب اور سرحد پر اپنی حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ فیصلہ اس وقت کی جنگی اور سیاسی حکمت عملی کا ایک بہترین فیصلہ تھا، فرض کریں، اگر اس وقت ان دونوں صوبوں پر مجاہدین کی حکومت قائم ہو جاتی تو سندھ اور بلوچستان یقیناً ان کے ساتھ ہوتے یا بزور کر لیے جاتے۔ اس صورت میں یہ اتنی بڑی طاقت ہوتی کہ انگریز اپنی تمام ترفنی و حربی طاقت کے باوجود ان کے مقابل نہ آتا اور نہ ہی تختِ دہلی پر اس کا غاصبانہ قبضہ برقرار رہتا۔ چنانچہ آج ہندوستان کی تاریخ کچھ نئے انداز کی لکھی ہوئی ہوتی۔ اس کے برعکس اگر مجاہدین، براہ راست انگریز سے جہاد کا فیصلہ کرتے تو اس کے نتائج جنگِ پلاسی اور سرنگاپٹم سے مختلف نہ ہوتے۔ ہمارے بعض عقل سے تہی نادان دوستوں کو مجاہدین کا سکھوں سے جہاد کا بڑا دکھ ہوتا ہے۔ وہ اسے رہزنی اور ہوسِ جاہ و منصب سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اچھی طرح معلوم ہے اور اس تاریخی حقیقت کو وہ کبھی نہیں جھٹلا سکتے کہ بقول ان کے ان رہزنوں نے (نعوذ باللہ) ان کے پیرانِ طریقت اور پیشوایانِ ملت سے بھی امداد و تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کور باطنوں کو ان رہنمایانِ خلقِ خدا کا اُن سے تعلق یا مکمل تعاون کا

انداز نظر نہ آتا ہو مگر ان کی بے بصری سے حقائق تو نہیں بدل جاتے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

اس تحریکِ جہاد سے وابستہ جماعت مجاہدین نے جب ملک کے اندر بڑے پیمانے پر جہاد کی تیاریاں شروع کیں۔ بیعت جہاد کی اور جماعت کے مبلغ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل کر تبلیغ وارشاد کا کام کرنے لگے تو حضرت سید احمد شہید کی باطنی توجہات وتصرفات اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی شعلہ بیانی کے باعث عوام کے دل جذبہ جہاد سے بھر گئے اور ان کے اندر ایک نئی اور آزادزندگی کی تڑپ اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ مجاہدین کی اسی جماعت نے ۱۸۲۶ء میں اسی تحریک کے سلسلے میں راجستھان اور سندھ کا بھی دورہ کیا۔ اس وقت سندھ میں حضرت سید صبغۃ اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ درگاہ شریف پیر پگارہ اور آپ کے والد کے خلیفۂ اعظم حضرت حسن شاہ جیلانی دسوئی شریف اس علاقے میں دو سب سے بڑے روحانی مقتدا اور پیر تھے۔ جماعت مجاہدین نے پیر صاحب پگارہ اوّل کے ہاں درگاہ شریف میں قیام کیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: "یہی پیر صبغۃ اللہ اوّل ہیں جنہوں نے حضرت سید احمد شہید اور ان کے قافلے کی سنہ ۱۸۲۶ھ یا ۱۸۳۶ء کے سفر ہجرت میں بڑی اولوالعزمی کے ساتھ ضیافت ومیزبانی کی اور انہی کی وجہ سے ان کے مستقر پیر کوٹ میں آپ کا تیرہ روز قیام رہا۔ سید صاحب کے اہل وعیال عمر کوٹ سے آکر ۶-۷ سال وہیں مقیم رہے اور پھر آپ کی شہادت کے بعد وہیں سے مستقل طور پر ٹونک منتقل ہو گئے۔"　　(پرانے چراغ ص۱۴۷)

حضرت پیر پگارہ اول اس زمانہ میں قادری راشدی سلسلہ کے سندھ میں نہ صرف ایک بہت بڑے بزرگ تھے بلکہ آپ ایک بہت بڑے عالم دین بھی تھے۔ مسئلہ جہاد پر ان کا حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ خاصا طویل مذاکرہ ہوا۔ حضرت پیر صاحب اس وقت ضرورت جہاد کے سلسلے میں کچھ متردد تھے۔ گفتگو کے بعد قائل ہوئے تو سید صاحب سے فرمایا! حضرت! یہ ٹھیک ہے،

ضرورت جہاد کے متعلق میرا شبہ دور ہو گیا ہے لیکن میری جماعت میں ایثار کا مادہ نہیں ہے اور قربانی تو جہاد کے لیے شرطِ اول ہے۔" حضرت شہیدؒ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ جماعت مجاہدین کا قیام بڑھا دیا۔ ایک دن حضرت پیر صاحبؒ سے فرمایا کہ جماعت کو حکم دیں کہ آج ہم دریا کی سیر کریں گے۔ کشتیاں وغیرہ تیار رکھیں۔ دونوں بزرگ ایک کثیر جماعت کے ساتھ دریا کی سیر کے لیے کشتیوں پر سوار ہوئے۔ جس وقت عین دریا کے بیچ میں پہنچے تو سید صاحب نے حضرت پیر صاحبؒ سے کہا کہ آپ جماعت کو حکم دیں کہ وہ دریا میں کود جائے۔ چنانچہ حضرت پیر صاحب کا اشارہ پاتے ہی تمام فقرا نے بلا چون وچرا تعمیل حکم کی۔ کسی نے وجہ تک نہ پوچھی کہ حضرت! آخر یہ حکم کیوں دے رہے ہیں؟" اسی دن سے حضرت سید شہیدؒ کی دعا اور برکت و تصرف باطنی سے "حُر جماعت" عالم وجود میں آئی۔ جو ابھی تک ایک ایثار پیشہ جاں باز و جاں نثار تنظیم کی صورت میں قائم ہے۔ اس "جماعت حُر" نے حضرت سید صبغۃ اللہ شاہ ثانی شہید (پیر پگارہ) کی قیادت میں دوسری جنگ عظیم کے موقع پر حکومت برطانیہ کے خلاف بہترین ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا اور ہندوستان میں اپنی دہشت پسند کارروائیوں کے باعث انگریز حکومت کو ناک چنے چبوا دیے تھے۔ پیر کوٹ (درگاہ شریف) سے یہ جماعت مجاہدین سوئی شریف حضرت حسن شاہ جیلانیؒ کے پاس گئی اور یہاں سے ولی اللہی تحریک اور سندھ کے قادری راشدی بزرگوں کا تعلق شروع ہوا (سوئی شریف میں جماعت مجاہدین کی آمد کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔) اور یہ رشتہ محبت اس قدر استوار ہوا کہ سانحہ بالاکوٹ تک یہاں سے جماعت مجاہدین کو برابر مالی، مادی اور اخلاقی امداد ملتی رہی اور سندھ و بلوچستان میں تحریک جہاد کا کام نہایت تنظیمی صورت میں اور تسلی بخش طریقے پر ہوتا رہا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور پیر صاحبؒ کے درمیان یہ جذبہ اخلاص و اختصاص تھا کہ حضرت سید شہیدؒ کے اہل و عیال پیر کوٹ (درگاہ شریف میں ۶-۷ سال مقیم رہے اور دونوں

حضرات کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ حضرت سید شہید کے مندرجۂ ذیل مکتوب سے بھی ہر دو بزرگان کے تعلقات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے بعض نادان دوست اس تعلق کے بھی منکر ہیں۔ ان منکرین کے متعلق بس ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں۔

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے

اصل خط فارسی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از امیر المومنین سید احمد بخدمت بابرکت، سجادہ نشین محافل ارشاد وتلقین۔ رہنمائے ارباب صدق ویقین، مرجع مستفیدین۔ ملاذ مسترشدین، ہادی راہ الٰہ، مخدومی حضرت شاہ صبغۃ اللہ مداللہ ظلال ہدایۃ علی رؤس الطالبین الیٰ یوم الدین۔ بعد از سلام مسنون اور دعا کے واضح ہو کہ آپ کے نوازشنامے جو کمال رغبت، عالی ہمتی اور احیائے سُنت، اقامت جہاد اور کفر و گمراہی کے استیصال کے لیے تاکید پر مشتمل تھے۔ پہنچے۔ ان کے مندرجہ مضامین عبارات و آثار سے اجمالاً اور فرستادہ آدمیوں کے زبانی بیان سے تفصیلاً واضح ہوئے۔ بیشک اس عظیم مہم اور کام کی سرانجامی کا شوق آپ جیسے مقبول وہر دلعزیز رہنماؤں اور ممتاز ارباب ہمت کو زیب دیتا ہے، ع "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند: ہر چند خارزار دشت و کوہ کو اپنے بابرکت قدم اور محفل فقراء کو اپنے وجود مسعود سے یقیناً رشک افزائے باغ بہشت بنائیں گے اور باعث رونق ہوں گے، لیکن مصلحت وقت یہ ہے کہ آپ اپنے مخلصین، اور عقیدت مندوں کو خصوصاً اور مومنین صحیح الخیال کو عموماً ترغیب و تبلیغ فرمائیں اور اس علاقے کے خواص کو بلکہ جمہور عوام کو اپنا ہم خیال اور ساتھی بنائیں۔ اور ایسی جگہ اقامت فرمادیں، جو دشمنوں کے شر سے اور ظالموں کے نقصان سے محفوظ اور شریر کفار کی حدود سے متصل نہ ہو۔ جیسے مقام داخل وغیرہ۔ اس فقیر کے اہل وعیال کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ مذکورہ موضع میں یا دوسرے محفوظ مواضع میں سے کسی میں مقیم فرمائیں:

اس مقام سے اپنا کام شروع کریں اور معرکۂ جہاد اہل کفر و فساد کے خلاف برپا کر کے اطراف و
جوانب میں دست ہمت دراز کریں اور کفار کے شہروں کو مجاہدین اور دین متین کا محل بنادیں۔ اس
طرح جہاں تک ممکن ہو، اقامت جہاد اور کفر و فساد کے استیصال کا غلغلہ بلند کریں۔ دائیں بائیں
میدان شجاعت میں کود جائیں اور توپ سے کفار اور شریر لوگوں کے خونریزی سے میدان لالہ زار
بنادیں۔ یہاں تک کہ الماس رنگ تلواروں کی چمک اور تیر و تفنگ کی بجلی سے ظلمت شرک دور
ہو جائے۔ تمام علاقہ توحید رب معبود سے بھر جائے۔ کفر کی رات ختم ہو اور ہدائیت کا آفتاب
عالمتاب شجاعت و بہادری کے افق سے طلوع ہو۔ جس قدر طاقت ہو، وہ اس مقصد کے حصول
کے لیے صرف کرنے کی مکمل کوشش کریں اور انجام رب پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ وفا شعار بندوں کا کام
یہ ہے کہ اپنی طرف سے رب کے احکام کی بجاآوری کی تدبیر کریں اور اس کا انجام تقدیر کے حوالے
کردیں۔ آپ کی خدمت عالی میں جمہور اہل اسلام کے نام ایک اعلان عام ارسال ہے۔ اس کو
لے کر تمام اطراف میں پھیلائیں اور علماء، فقراء، روسا اور عوام کے کانوں تک حق کی یہ دعوت پہنچائیں۔
انشاء اللہ اس تحریر کے بعد، فقیر اپنے رفقا میں سے ایک ساتھی کو اپنا نائب مقرر کر کے بیعت امامت
کے لیے آنجناب کی خدمت میں روانہ کرے گا، جو اس دعوت حق پہنچانے والے کمزور لوگوں میں سے
راسخ الاعتقاد مومن، صاحب ہمت بلند اور بخت ارجمند ہو گا۔ اُمید ہے کہ اس علاقے کے مومنین اور
مسلمانوں کو آپ اس طرح کی ترغیب دیں گے کہ اس فقیر کی بیعت امامت اس کے ہاتھ پر قبول
کریں گے۔ ہر چند بہتر اور زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس سلسلے میں آپ کو اپنا نائب مقرر کرتا
اور اس علاقے کے جملہ مؤمنین کے کانوں میں اس نیابت کی آواز پہنچاتا۔ لیکن وہ جو حکم ہے۔
"واحضرت الانفس الشح" نفوس انسانی میں جمود جہالت ہے۔ اورسان کی لوح قلب صاف
نہیں۔ اس علاقے کے بعض دوست، آنجناب کی ہمسری و ہم چشمی کا بزعم خویش دعویٰ رکھتے

ہیں۔ وُہ اس بیعت امامت اور امر مسنون کی بجا آوری اگرچہ بطریق نیابت کیوں نہ ہو پسند نہ کریں گے۔ اس لیے ایک اجنبی شخص کو برائے نام اس افضل شعائر اسلام کی تکمیل کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت اس فقیر کا منصب نیابت بھی آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ باقی تفصیلات برادر دینی میاں محمد قاسم کی زبانی واضح کی جائیں گی۔ آپ اس کے کلام سے جو مفہوم صحیح اور جائز معلوم کریں۔ اس پر عمل فرمائیں۔ والسلام مع الکرام۔

مکرر یہ کہ آپ جبکہ جہاد برپا کریں اور اس سلسلے میں کوشش فرمائیں۔ جس قدر کفار کے شہروں کو حکومت اسلامی کے تحت لا کر اُن شہروں میں حکومت اسلام قائم کریں گے۔ وُہ تمام ولایت آپ کو تفویض کی جائے گی۔ اس وعدہ کو سچے وعدوں میں سے قابلِ ایفا شمار کریں اور کسی قسم کے وہم و گمان کو دل میں راہ نہ دیں۔ ہاں بشرطیکہ مقبوضہ شہروں میں احکام شرعیہ جاری ہوں اور مقدمات عدالت و حکومت میں قوانین شرع کا عمل ہو۔ جن سے سر مُو تجاوز نہ کیا جائے۔ باقی تفصیلی حالات برادر دینی میاں محمد قاسم زبانی بیان کرے گا۔ آپ اس کی گفتگو سے جو مفہوم اخذ کریں۔ اُسے صحیح جانتے ہوئے عمل پیرا ہوں۔ والسلام مع الاکرام

(مکاتیب سید احمد شہیدؒ صہ ۹۳۔ صہ ۹۴)

اس مکتوب کو غور سے پڑھیے۔ اس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ اس تعلق کی نشاندہی کر رہے ہیں جو حزب ولی اللّٰہی کے ساتھ قادری راشدی بزرگان کا تھا۔ پھر ان بزرگان کی قیادت میں جہاد کی عملی تیاریاں۔ بعد میں جیلانی سائیںؒ کا بیعت جہاد لینا۔ حضرت سید العارفین بھر چونڈی کا معرکہ جہاد میں حصہ لینا۔ حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ کا تحریک جہاد میں حصہ لینا۔ نیز گوٹھ پیر جھنڈا کے پیروں کا اس تحریک میں عملی اور علمی طریق سے منسلک رہنا نیز حضرت پیر پگارہ صبغۃ اللہ ثانی شہید اور جماعت حرؒ کی انگریزوں کے خلاف زبردست جد و جہد اور جنگ اس تحریک جہاد کی کڑی نہیں تو آخر کیا ہے۔

تحریک شیخ الہندؒ

سانحۂ شہادت بالاکوٹ کے بعد، تحریک جہاد کن مراحل سے گذری؟ دوبارہ کن علاقوں میں اور کہاں کہاں منظم ہوتی اور پروان چڑھتی رہی اور اس کے بے لوث اور مخلص رہنماؤں اور کارکنوں پر کیا کچھ بیتی؟ وہ کون سی قیامت تھی جو اغیار (انگریزوں) اور اپنے کے ہاتھوں ان پر ٹوٹی؟ یہ ایک طویل والمناک داستان ہے۔ جو ہمارے موضوع سے باہر ہے، مگر اب تاریخ کی کتابوں اور تذکروں کی زینت بن چکی ہے۔ وہاں سے ان کی تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے۔

حزب ولی اللہی کے لقیۃ السلف نے اپنے اپنے علاقوں اور ضرورتِ زمانہ کے مطابق اپنی نہج اور سوچ سے تحریک کا کام جاری رکھا۔ اسی حزب کی دہلوی جماعت کے افراد نے ایک دفعہ پھر اس منتشر شیرازہ کو مجتمع کرنے کی سعئ مشکور فرمائی۔ چنانچہ اس وقت ہندوستان کے عظیم صوفی، علماء اور کاملین، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے مقدس ہاتھوں دار العلوم دیوبند کی بنیاد ڈال دی گئی۔ دار العلوم دیوبند صرف ایک تعلیمی ادارہ نہ تھا بلکہ ایک خاص سیاسی ذہن کا ترجمان ۔ ۔ اور حزب ولی اللہی کی اسی تحریک جہاد کا علمبردار تھا۔ جو بہ ظاہر بالاکوٹ کے بعد ختم ہو گئی تھی، مگر حقیقت میں یہ آگ ہر جگہ دبی ہوئی سلگ رہی تھی۔ چنانچہ دیوبند کی اس تحریک نے بھی ہر محاذ پر یگانوں اور بیگانوں سے سیاسی اور نظری جنگیں لڑیں ۔ مخالفتوں اور عداوتوں کے طوفان کا مقابلہ کیا اور اپنے منتشر عناصر کو جمع کرتی ہوئی ملک کے اندر ایک

عظیم سیاسی طاقت بن گئی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے پھر اس سلسلے کو یکجا کر دیا جو ٹوٹ گیا تھا۔ اور آپ نے وہ کڑیاں ڈھونڈ نکالیں جو گم ہو گئی تھیں۔ اب وہ تحریک ان کے زمانۂ قیادت میں اندرون و بیرون ہند پھیل کر بین الاقوامی تحریک بن چکی تھی۔ بلکہ اب تو یہ تحریک بھی انہی کے نام سے "تحریک شیخ الہندؒ" مشہور ہو کر تاریخ کا حصہ بن گئی ہے۔ دار العلوم دیوبند سے تعارف اور حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کے بعد اب قادری راشدی بزرگان پھر ایک دفعہ اسی تحریک سے جڑ گئے اور وہ کام جو یہاں پہلے غیر محسوس طریقے پر بے ترتیبی سے ہو رہا تھا۔ اب باقاعدگی اور تنظیمی صورت میں ہونے لگا۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ

"شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے استاد محترم کے متعلق لکھا ہے:

مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ میرے استاد محترم تھے اور دار العلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں میرا ان پر تمام تر اعتماد تھا۔ آپ کے والد کا نام ذو الفقار علی تھا۔ موصوف کا سلسلہ نسب قریش کے اموی خاندان سے ملتا ہے۔ مولانا محمود حسن ۱۲۶۸ھ (یا ۱۸۵۱ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں آپ نے اپنے والد اور چچا سے پڑھیں۔ ۱۲۸۳ھ یا ۱۸۶۶ء میں جب مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑی تو مولانا اس میں داخل ہوئے۔ اور مولانا محمد یعقوب بن مملوک علی اور مولانا محمود دیوبندی سے پڑھا۔ آپ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کی صحبت میں رہے اور موصوف سے بہت استفادہ کیا۔ آپ نے مولانا احمد علی، شیخ محمد مظہر نانوتوی اور شیخ عبد الرحمٰن پانی پتی سے تدریس و تعلیم کی اجازت طلب کی اور ان سب بزرگوں نے موصوف کو اس کا اہل پا کر اجازہ علمی مرحمت فرمایا۔ نیز شیخ الاسلام محمد قاسم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں مولانا عبد الغنی سے بھی مولانا محمود حسن کے لیے اجازہ علمی حاصل کیا۔ اس کے علاوہ اپنے استاد مولانا محمد قاسم کی تعمیل ارشاد کرتے ہوئے آپ نے حاجی امداد اللہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ جن بزرگوں نے شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم سے علم حاصل کیا تھا ان میں سے تین حضرات خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے۔ لیکن ان میں سے حضرت شیخ الہندؒ کو اپنے استاد سے سب سے زیادہ محبت تھی اور وہ ان کے علوم پر سب سے زیادہ حاوی تھے اور ان کے اتباع میں موصوف کو سب سے زیادہ شغف تھا۔ میں آپ سے شیخ الاسلام

مولانا محمد قاسم کی کتاب حجۃ الاسلام" پڑھی، کتاب پڑھتے پڑھتے کبھی کبھی یوں محسوس کرتا جیسے علم اور ایمان میرے دل میں اوپر سے نازل ہو رہا ہے۔ حضرت شیخ الہند کی ذات اقدس کے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے کہ وہ فطرتاً بڑے ذکی اور ذہین تھے۔ موصوف کا شمار ان بزرگوں میں سے ہو سکتا ہے جنہیں امام ولی اللہ کی اصطلاح میں "مفہمین" کہا جاتا ہے۔ آپ اپنے استاد سے بڑی عقیدت رکھتے اور ان کی متابعت میں ہر دم کوشاں رہتے۔ آپ کو شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم سے تواضع اور انکسار کی نسبت تھی اسی نسبت کو امام ولی اللہ نے اپنی کتابوں میں "نسبت اہل بیت" کا نام دیا ہے۔ حضرت شیخ الہند نے ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (مطابق ۱۹۲۰ء) کو امام عبدالعزیز کی وفات کے پورے سو سال بعد انتقال فرمایا۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۲۶۴)

گو حضرت شیخ الہند تمام ظاہری و باطنی خوبیوں کا مرقع اور مجموعۂ کمالات تھے مگر سیاسی بصیرت اور تحریکِ آزادی میں آپ کی مخلصانہ قیادت نے آپ کو تمام ملک و ملت کا محبوب بنا دیا تھا اور ملت نے اظہارِ حقیقت کے طور پر آپ کو شیخ الہند کا خطاب دیا تھا جس کے آپ ہر طرح سے مستحق تھے۔ تقریباً سو سال سے تحریک مجاہدین کے منتشر شدہ شیرازہ کو مجتمع کرنے کا سہرا آپ کے سر ہے۔ قدیم و جدید اداروں دیوبند اور علیگڑھ کو یکجا کرنے کی مساعی اور جامعہ ملیہ کا قیام آپ کی سیاسی بصیرت کی روشن مثال ہیں۔ حضرت دین پوری سے نہایت قریبی تعلق خاطر تھا۔

جہادِ حریت کی تیاریاں

حضرت دین پوری اور حضرت امروٹی کے ہاں جو کام پہلے غیر تنظیمی صورت میں ہو رہا تھا مولانا عبیداللہ سندھی کے ذریعے سے حضرت مولانا شیخ الہند اور دیوبند سے وابستگی کے بعد ان کے سامنے ایک عظیم تحریک اور منظم شکل میں موجود تھا۔ تحریک کی قیادت شیخ الہند کر رہے تھے اور دیوبند اس کا مرکز تھا۔ اب دین پور شریف، امروٹ شریف اور سندھ میں باقاعدہ کام ہونے لگا۔ جہادِ حریت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حضرت دین پوری اسلحہ کی فراہمی

اور تیاری، مجاہدین کی تربیت اور روپیہ کا انتظام اس قدر خفیہ طریق اور رازداری میں کر رہے تھے کہ اکثر اُن کے قریبی حلقوں تک کو ان امور کا پتہ نہ تھا۔ لوگ اس بوریہ نشین، صحرائی فقیر کو بظاہر ہر وقت رشد وارشاد، تبلیغ و تعلیم اور طلبا کی باطنی تزکیہ و تربیت میں مصروف دیکھتے اور مجاہدین بھی جنگل میں جاکر یا بند حجروں میں بیٹھ کر اپنے اپنے کام میں مشغول رہتے۔ زبان پر ذکر و اذکار ہوتا اور ہاتھ اسلحہ و بارود سازی میں منہمک رہتے۔ مسجد کے صدر دروازہ کے نیچے واقع تہ خانہ میں ایک چھوٹی اسلحہ ساز فیکٹری کا کام ہو رہا تھا، مگر کسی کو خبر تک نہ تھی۔ دیوبند سے پیغامات کا تبادلہ، شیخ الہند ؒ سے رابطہ، مولانا سندھی کی خفیہ آمد و رفت اور کابل روانگی سے قبل کافی عرصہ یہاں قیام۔ ان کی خفیہ روانگی کے انتظامات۔ انقلابی مجاہدین کی پوشیدہ کارروائیاں اور یہ سب سرگرمیاں اس وقت جاری تھیں، جب کہ دشمن طاقت کی سی آئی ڈی کا جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا اور ایک معمولی سے شبہ پر آزادی کے متوالوں اور وطن کے جیالوں کو قید و بند سے لے کر دار و رسن تک پہنچایا جا رہا تھا، مگر ان بوریہ نشین فقیروں کے خفیہ نظام کے سامنے اس وقت کا پورا جاسوسی نظام مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ جس کو دعویٰ تھا کہ اس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ پنجاب کی سی آئی ڈی جو ہواؤں میں بو سونگھ کر جرائم کا سراغ لگا لینے اور ہمہ دانی کا دعویٰ رکھتی تھی۔ ان خفیہ کارروائیوں کا پتہ چلانے سے عاجز تھی۔

حضرت دین پوری ؒ نے بلوچستان کی شورش میں حصہ لیا۔ آدمی اور روپیہ بھیجتے رہے، لیکن سی آئی ڈی کو دو سال بعد بھی ٹھیک سے پتہ نہ چل سکا۔ ان ہمہ دانوں کو اتنا پتہ چلا بلوچستان میں شورش برپا کرنے کا انتظام ہندوستان میں کیا گیا تھا۔ (بہاولپور کے غلام محمد (حضرت ؒ) کو گرفتار کیا جا چکا ہے) یا پھر وہ حضرت ؒ کے فرد جرم میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں وہ بھی یقین کے ساتھ نہیں: "بلوچستان میں ۱۹۱۵ء میں جو جنگ ہوئی وہ اس (حضرت ؒ) کی کوششوں کا نتیجہ بیان کی جاتی ہے۔ تحریک شیخ الہند ؒ صہ ۱۷۶)

لیکن اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔" (تحریک شیخ الہندؒ ص ۲۲۴) اس طرح مولانا سندھیؒ کا مکمل ایک سال تک سرکاری خفیہ محکمہ کو پتہ نہیں چلتا کہ "وہ کہاں غائب ہو گیا ہے"۔ غرض تحریک جہاد و حریت کا یہ عجیب نظام تھا۔ انوکھی تنظیم تھی جو فیصلے شیخ الہندؒ دیوبند میں بیٹھ کر فرماتے تھے۔ ان پر یہاں عمل ہوتا تھا اور اس جگہ کی باتیں اُن تک پہنچتی تھیں آپس میں خفیہ رابطے کا یہ عالم تھا کہ مولانا سندھی کابل روانگی سے پہلے حضرتؒ کے پاس آتے ہیں تو حضرت سب سے پہلے یہی پوچھتے ہیں، مولانا آپ ابھی تک کابل نہیں گئے ؟ کابل سے لے کر دیوبند تک ایک عجیب و غریب اور دلچسپ اتحاد تھا۔

سیاسی و علمی شجرہ جماعت مجاہدین تحریکِ آزادی
حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
حضرت امام محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت پیر سید صبغۃ اللہ شاہ رح پیر پگارہ اوّل
مولانا سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا مملوک علیؒ
حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ
سر سید احمد خاںؒ بانی علی گڑھ
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
سوئی شریف
حضرت شاہ حسن جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند
بھرچونڈی شریف
حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
پیر سید حزب اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ
دین پور شریف
امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ
امروٹ شریف
حضرت سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت پیر راشد اللہ صاحب العلم
حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
پیر ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم لاہور
حضرت مولانا عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم دین پوری
شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم
امیر جمعیت العلمائے اسلام صوبہ پنجاب
حضرت سید صبغۃ اللہ ثانی شہیدؒ پیر پگارہ
صدر جمعیت العلماء اسلام پاکستان

جنگِ بلقان وطرابلس کے اثرات

برِصغیر پاک و ہند میں سفید سامراج (انگریزوں) کو سب سے زیادہ جس خطرناک اور سخت جان دشمن کا ڈیڑھ سو سال سے سامنا تھا وہ علما اور صوفیا کی یہی سرفروش و سربکف جماعت تھی جو برِصغیر میں ان کی آمد سے ہی ان کے لیے دردِ سر بنی ہوئی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر شیخ الہندؒ تک وہ یہی گروہ سرفروشاں تھا جو ہر میدان اور محاذ پر ان دشمنانِ ملک و ملت کا مقابلہ کرتا رہا اور ان کی ہزارہا کوششوں مکر و فریب، تلبیسی ہتھکنڈوں، عیاریوں اور ستم رانیوں کے باوجود ختم ہونے یا مٹنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ قید و بند دار و رسن۔ اور کالے پانی کے سامنے بھی ان کے جذبۂ آزادی کی آگ نہیں بجھتی تھی، لیلائے آزادی کے یہ وہ مجنوں تھے کہ جن کے سامنے مصائب دشت و صحرا کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ جاں بازی و سرفروشی ان کا شیوہ، اور جہادِ حریت میں بے لوث جد و جہد ان کی عادت تھی۔ آزادی کے خمارِ عشق میں نفع و نقصان سے بے نیاز جان تک کی بازی ہار دینی ان کا معمولی کھیل تھا۔ وہ مر کر اور مٹ کر بھی فخر سے کہتے تھے۔

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہ کن ۔۔۔ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو دے سکا

مکار و عیار انگریز اگر کسی جماعت سے خطرہ و خوف محسوس کرتا تھا تو وہ یہی بوریہ نشینوں کی جماعت تھی۔ چنانچہ ادھر بھی منتشر عناصر کو جمع کرنے اور ایک طویل منصوبے (آزادیِ وطن اور اتحادِ عالمِ اسلام) کی تنظیم ہو رہی تھی کہ بلقان وطرابلس کے واقعات بانیانِ تحریک کے لیے خصوصاً اور مسلمانِ ہند کے لیے عموماً برقی تازیانہ ثابت ہوئے: "ترکی خلافت" جو اتحادِ عالمِ اسلامی اور جہادِ آزادی کے

کے علمبرداروں کی آخری اُمید اور استحاد کی علامت تھی. دشمنانِ دین کے ہاتھوں اس کا وجود خطرے میں تھا. اکابرِ دیوبند نے پچاس سال سے اندرونِ ملک آزاد قبائل (باغستان وجمر قند وغیرہ) اور افغانستان میں جس منصوبے پر خاموشی اور نہایت رازداری سے عظیم الشان کام کیا تھا. اور آزادی کا جو نقشہ تیار کیا تھا. ابھی اس پر عملدرآمد کا وقت نہیں آیا تھا کہ ترکی، اور یورپ کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور اثرات نے پوری تحریک کا گھیراؤ کر لیا. یہ گھیراؤ سیاسی بھی تھا اور جذباتی بھی. وہ کام جو ایک مقررہ وقت میں ہونا طے پایا تھا. اب عجلت اور جلدی میں اسے رفتارِ زمانہ کے ساتھ ہم آہنگ کرنا پڑا. پہلے منصوبے کی تکمیل پر مجاہدین اپنی پسند کا میدانِ جنگ منتخب کرتے لیکن اب وہ دشمن سے دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہو گئے تھے. چنانچہ خلافت ترکی کے تحفظ کی خاطر بانیانِ تحریک کے حکم پر مجاہدین نے سرحدوں پر اپنے مورچے سنبھال لیے. آزاد قبائل میں حاجی صاحب ترنگ زئی اور ان کے ساتھیوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔

کئی محاذوں پر مجاہدین کو شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں. دشمن کو بہت زیادہ جانی ومالی نقصان پہنچایا گیا. سامانِ رسد اور اسلحہ بارود کی کمی شدت سے محسوس کی گئی. پروگرام تھا کہ کسی دوست استحادی ملک سے سامانِ جنگ تجربہ و تربیت حاصل کی جائے گی مگر جنگ اچانک پھٹ پڑنے سے ابھی کسی ملک سے رابطہ پیدا نہ ہو سکا تھا. اندرون ملک مسلمان ترکوں کی امداد کے لیے ہلال احمر کی طرز پر چندوں کی مہم خوب کامیاب رہی. ہر مرکز نے اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا. حضرت دین پوریؒ اور آپ کی جماعت نے خوب ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا. مرید عورتوں نے اپنے زیورات تک چندے میں دیدیے. نقد و جنس کے ڈھیر لگ گئے. ایک موقع پر حضرتؒ نے اپنی دستار مبارک اتار کر عطیہ دے دی. جسے آپ کے ایک ارادت مند قاضی مہر دین مرحوم نے ایک سو روپیہ نقد دے کر خود حاصل کر لی۔ اس اثنا میں پہلی جنگ عظیم پوری طرح چھڑ چکی تھی اور ترکی حکومت

کو بُری طرح جنگ میں پھنسا کر، سیاست افرنگ خلافت کے خاتمے مسلمان ریاستوں کے حصے بخرے کرنے اور عربوں اور ترکوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے کے منصوبے پر عمل پیرا تھی۔ پاک و ہند کے مسلمان سخت مضطرب اور پریشان تھے۔ علمائے حق اور علمائے سو کے درمیان حکومت برطانیہ کی مخالفت اور موافقت کی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ دجل و فریب پر مبنی جھوٹا پروپگنڈہ زوروں پر تھا۔ ابن الوقت اور نام نہاد، کاسہ لیس، پیروں اور مولویوں کی پوری فوج ظفر موج حکومت برطانیہ کی پشت پناہی اور حمایت میں کمربستہ تھی۔ فتاویٰ کا بازار گرم تھا۔ کچھ ایسے ہیجانی و ہنگامی حالات تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فوری طور پر مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کابل جا کر افغانی حکومت کو مؤثر اقدام پر آمادہ کرنے دیگر دول سے امداد و تعاون حاصل کرنے اور مجاہدین کی رہنمائی کرنے کے کام سپرد کیے۔ بلوچستان میں شورش برپا کرانے اور اس علاقے میں جہاد کی تیاریوں کی نگرانی کے لیے حضرت دین پوریؒ کا انتخاب کیا گیا اور خود حکومت ترکی سے بات چیت کے لیے اپنے رفقاء کو حجاز لے کر چلے گئے۔

حکومت برطانیہ نے اپنے ان پرانے دشمنوں پر احتساب و نگرانی سخت کر دی۔ سگانِ افرنگ ہر طرف ان کی زیرِ زمین خفیہ کارروائیوں کی بو سونگھتے پھرتے تھے۔ حزم و احتیاط کا تقاضا تھا کہ تحریک ابھی رازداری میں پروان چڑھتی رہے، لیکن بلقان و طرابلس کے واقعات اور ترکی۔ خلافت پر ابتلا کے بعد بے چین روحوں اور عشق و مستی کے جذبوں نے آتش نمرود میں کود پڑنے کو ترجیح دی۔ اب وقت کم تھا اور کام زیادہ تھا۔ افرنگی عفریت کے سر کچلنے کا وقت آ گیا تھا اس لیے بانیانِ تحریک اور یہ جماعت پھر ایک بار کھل کر سامنے میدان میں آگئی تھی۔

در جنوں بیکار نتواں زیستن　　　آتشم تیز است و دامن می زنم

امیر حبیب اللہ خان والیٔ افغانستان کی دعوت

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے کابل جا کر تحریک شیخ الہندؒ کا کام سنبھالا تو امیر حبیب اللہ خان کو جب یہاں کے سیاسی کام اور اس کے قائدین کا تعارف کرایا گیا تو وہ حضرت دین پوری کی شخصیت سے خاص طور پر متاثر ہُوا۔ وہ حضرتؒ کو اپنے دورۂ ہند کے ایام سے جانتا تھا، جبکہ حضرت کی مساعی سے نواب بہاولپور خان عباسی مرحوم اور امیر موصوف کے درمیان ملاقات کا انتظام کرایا گیا تھا۔ نواب صاحب حج بیت اللہ سے واپس آ رہے تھے۔ تاریخ مقرر ہو چکی تھی اور خان پور کے ہوائی اڈہ پر ملاقات کے انتظامات مکمل کیے جا چکے تھے کہ اچانک نواب صاحب کی بحری جہاز میں وفات سے یہ سارا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انگریز حکومت کو نواب صاحب کی امیر صاحب سے ملاقات منظور نہ تھی۔ اس لیے ان کو راستے میں ہی زہر دے کر ہلاک کرایا گیا تھا۔

امیر صاحب نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ذریعے حضرت کو کابل تشریف لانے کا دعوت نامہ بھیجا۔ وہ مکتوب مولانا عبداللہ لغاری لائے تھے۔ حضرتؒ نے خط کے جواب میں یہاں کے سیاسی حالات و مصروفیات کے علاوہ ضعف کبر سنی کا عذر پیش کیا۔ امیر صاحب حضرت دین پوریؒ کو کابل منگوانے اور وہاں ان کے مستقل قیام کا بے حد اشتیاق رکھتے تھے۔ وہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور خیال کیا کہ حضرت چونکہ آزاد طبع ہیں۔ اس لیے وہ حکومت کے زیر بار مرہون احسان ہونا نہیں چاہتے۔ اس لیے دوبارہ سفارت بھیجی۔ یہ نظر محمد، محمد عالم دو افغان بھائی تھے اور حضرتؒ سے تعلق بیعت رکھتے تھے۔ انہوں نے امیر صاحب کا پیغام دیا کہ امیر صاحب فرماتے ہیں کہ آپ ضرور کابل آئیں، آپ حکومت یا کسی شخص کے محتاج نہ ہوں گے۔ میں نے آپ کی خانقاہ کے لیے کابل کے نواح میں دو باغات مختص کر دیئے ہیں جو آپ کے مِلک ہوں گے۔" مگر حضرت نے اس دفعہ بھی عذر معذرت کر لی۔ محکمہ خفیہ کی رپورٹوں میں بھی اس دعوت کا ذکر آیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مولوی عبیداللہ سندھی جو مارچ ۱۹۱۶ء میں عبیداللہ اور بعض دوسرے ہندوستانی سازشیوں کے خطوط لے کر ہندوستان آیا تھا اس کو ہدایت تھی کہ میر غلام محمد کو افغانستان لائے، لیکن آخر الذکر سفر کی مشکلات اور دشواریوں کی وجہ سے یہ سفر نہیں کر سکا۔ لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے امیر کو خط لکھا تھا کہ اس نے حلف لے لیا ہے اور جب بھی ہندوستان پر حملہ ہوگا۔ وہ ہر امکانی مدد کرے گا۔"

(تحریک شیخ الہند، صفحہ ۴۲۴)

تحریکِ ہجرت

بلقان وطرابلس کے واقعات کے بعد، خلافت ترکیہ کے خلاف حکومت برطانیہ اور اتحادیوں کے ظالمانہ اور عیارانہ رویّے سے مسلمانانِ پاک و ہند نہایت دل گرفتہ و افسردہ تھے اور ان کا جذبہ و جنون اپنے ترک بھائیوں کی حمایت میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ سرکار انگریزی نے ملک میں ترکی کے حق میں تقریر و تحریر پر پابندیاں سخت کر دی تھیں۔ یہاں تک کہ اس جنگ میں زخمی ترکوں کے لیے وہ ہلال احمر کا چندہ تک کرنے کو قابلِ تعزیر جرم قرار دے چکی تھی، ترکوں کے خلاف بے سرو پا پروپیگنڈہ ہو رہا تھا۔ علماء سو سے ترکوں کی تکفیر کے فتوے لے کر شائع کیے جا رہے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ حالیہ "ترک برطانیہ" جہاد نہیں ہے، یہ ایک سیاسی جنگ ہے"۔ کچھ ایسے حالات تھے کہ یہاں کے مسلمان قائدین نے امان اللہ خان کی اس دعوت کو بہت سراہا کہ پاک و ہند کے مسلمان دار الحرب سے ہجرت کر کے افغانستان چلے آئیں۔ افغان حکومت ان کا خیر مقدم کرے گی"۔ یہ اعلان دراصل امیر افغانستان کی حکومت برطانیہ سے مراعات حاصل کرنے اور شرائط منوانے کی سیاسی چال تھی، لیکن یہاں کے سادہ لوح مسلمان رہنماؤں اور مسلم عوام کے لیے یہ نوید مسرت سے کم نہ تھا۔ مسلمان ایک ظالم حکومت سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کا ایک مذہبی فریضہ ادا کرنے کو بیتاب ہو گئے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ اور حضرت دین پوریؒ اس ہجرت عمومی کے حق میں نہ تھے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ہجرت کے لیے یہ وقت موزوں نہیں ہے"۔ اور مولانا آزادؒ ملک میں رہ کر لوگوں کو آزادی اور ترکوں

کی حمایت کی تحریک چلانے کا مشورہ دیتے تھے۔ مگر مسلمانوں کے عام جوش و جنون کے سامنے ان بزرگوں کے یہ صائب مشورے "شرف قبول حاصل نہ کر سکے۔ حضرت دین پوریؒ حضرت امروٹیؒ کے بارے میں بار بار فرماتے کہ میرے بھائی کو ہجرت کا جنوں سوار ہو گیا ہے اور وہ جوش و جلال میں کسی کی بات نہیں سنتا۔ کاش اُسے کوئی سمجھائے کہ ہجرت کا یہ موزوں وقت نہیں ہے۔" ادھر حضرت شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ بھی ہجرت کر کے کابل پہنچ گئے تھے۔ مولانا سندھیؒ نے آپ کو سمجھا بجھا کر واپس بھیجا۔ لکھتے ہیں۔ مہاجرین کی کثیر تعداد میں ہمارے بعض عزیز بھی ہم سے ملے۔ مولوی احمد علی کو ہم نے ہندوستان واپس بھیجنا مناسب خیال کیا۔ منت سے ہم اسے اس پر راضی کر سکے۔

(ذاتی ڈائری صد ۱۳۲)

غرض یہ تحریک جسقدر جوش و جذبہ سے شروع ہوئی تھی۔ حکومت افغانیہ کی سیاسی حکمت عملی کی نذر ہو گئی اور اس طرح بہت جلد سرد پڑ گئی۔ حضرت دین پوریؒ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔

ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

تحریک ریشمی خطوط

تحریک ریشمی خطوط کوئی نئی تحریک نہ تھی، جس کا یہاں تفصیلی تعارف کرایا جائے بلکہ یہ اسی تحریک جہادِ آزادی کی سرکاری تعبیر تھی، جسے حزب ولی اللّٰہی نے شروع کیا تھا۔ اور سید احمد شہیدؒ سے لے کر شیخ الہندؒ تک مجاہدین کے عظیم سرفروشانہ کارناموں اور ان کے جذب و عشق اور عزم و استقامت کی ایک طویل خونچکاں داستان کا حصہ تھی۔ چنانچہ خفیہ محکمہ کے ماہر مسٹر سی دی دیان نے "ریشمی خطوط کے کیس" کا جو خلاصہ تیار کیا۔ اس میں اس نے پہلے تو کیس کا تعارف اس طرح کرایا۔ "زیر نظر کیس کو ہم اپنی آسانی کے لیے ریشمی خطوط کا کیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس بارہ میں ہمیں گہری اور مکمل واقفیت اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے تین خطوط کے پکڑے جانے سے حاصل ہوئی جو کابل میں موجود سازشیوں نے حجاز میں موجود سازشیوں کو بھیجنے کے لیے روانہ کیے تھے۔ (تحریک شیخ الہندؒ صفحہ ۲۳)

اور پھر اس تحریک کا تعلق واضح الفاظ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی اس تحریکِ جہاد سے ثابت کیا ہے جسے وہ (انگریز اور اس کے کاسہ لیس) وہابی تحریک کے نام سے موسوم کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

انیسویں صدی کے شروع میں عرب کے وہابیوں کی تحریک ہندوستان میں داخل ہوئی (حالانکہ یہ غلط ہے اور محض تحریک کو بدنام کرنے کے لیے یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ مصنف) بریلی کے مولانا سید احمد شاہ (صحیح نام سید احمد شہیدؒ) نے گنگا کی وادی میں اسے رائج کیا جہاں سے بڑی تیزی سے بالائی ہندوستان میں پھیل گئی۔ انہوں نے ۱۸۲۳ء میں کچھ پیروؤں کے ہمراہ خود بھی شمالی مغربی سرحدی صوبہ کو عبور کیا اور یوسف زئی قبائل کے علاقہ میں مجاہدین یا متعصب ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بستی قائم کی۔

تب سے یہ ہندوستان کے بے دین حکمرانوں کے لیے عذاب بنی ہوئی ہے۔

شروع میں اس کا قیام خاص اس مقصد کے لیے عمل میں آیا تھا کہ سرحدی قبائلیوں کو سکھوں کے خلاف جہاد کے لیے اکسائے جو اس وقت پنجاب پر قابض تھے (وجہ وہی تھی جو پہلے بیان ہو چکی ہے سید شہیدؒ نے پہلے سکھ حکومت کو غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف تعاون کی اپیل کی تھی مگر سکھ مقابلے میں آگئے اور مجبوراً سیاسی اور جنگی مصلحت کے تحت ان سے جہاد ناگزیر ہو گیا۔ اگر مجاہدین انگریزوں کے دوست اور حلیف ہوتے (جیسا کہ مخالفین پروپیگنڈہ کرتے ہیں) تو اس رپورٹ کا انگریز مصنف اس قدر سخت الفاظ استعمال نہ کرتا۔ مصنف) تب سے یہ بستی ہندوستانی وہابیوں کی مالی امداد سے اور ہندوستان سے یہاں آتے رہنے والے نوجوان وہابیوں کی وجہ سے (میدان جنگ میں ہزیمتیں اٹھانے اور برطانیہ کے دوست قبائل کی طرف سے سیاسی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنے کے باوجود) تاہنوز قائم ہے۔

"ہندوستان میں ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۳ء تک وہابیوں کے خلاف عدالتی تحقیقات اور مقدمات کے طویل سلسلہ کے دوران ہندوستان میں سازشیں کرنے اور روپیہ جمع کر کے اسے سرحد پار کے متعصب ہندوستانیوں کو بھیجنے والی ایک جماعت کا پتہ چلا تھا جس پر کئی بڑے بڑے وہابیوں کو سزائیں دی گئی تھیں اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ تحریک ہندوستان میں گویا ختم ہو گئی ہے۔" آگے لکھتا ہے۔ ۱۹۱۰ء میں یہ تحریک پھر سر اٹھاتی ہوئی معلوم ہوئی کیونکہ افغانستان کے انگریز دشمن جماعت کے ایک نہایت طاقتور رکن نے متعصب ہندوستانیوں کی مالی امداد اور ہمت افزائی شروع کر دی۔ (تحریک شیخ الہندؒ ص۲۳۱ تا ۲۳۳)

رولٹ ایکٹ کمیٹی کی رپورٹ کی طرح ریشمی خطوط کے کیس کے خلاصہ کا مصنف مسٹر وی دیان بھی مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو شیخ الہندؒ کی بجائے اس تحریک کا اصل محرک تصور کرتا ہے۔ حالانکہ مولانا سندھیؒ اپنے کابل پہنچنے کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہٗ جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کے حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم

کے لیے تیار ہیں۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے اس انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔

(ذاتی ڈائری ص۲۱)

تحریک ریشمی خطوط کے مقاصد کو اجمالاً سمجھنے کے لیے ہم رولٹ کمیٹی کی رپورٹ اور مسٹر وی وی

دیان کے مرتب کردہ خلاصہ میں سے کچھ فقرے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کے واقعات کا انکشاف ہوا۔ اور حکومت کو اس سازش کا پتہ چلا۔ یہ ایک منصوبہ تھا جو ہندوستان میں اس خیال سے تجویز کیا گیا تھا کہ ایک طرف شمال مغربی سرحدات پر گڑبڑ پیدا کر کے اور دوسری طرف ہندوستانی مسلمانوں کی شورش سے اسے تقویت دے کر برطانوی راج کو ختم کر دیا جائے۔ اس منصوبے کو مضبوط کرنے اور عمل میں لانے کے لیے مولوی عبید اللہ نامی ایک شخص نے اپنے تین ساتھیوں عبد اللہ فتح محمد اور محمد علی کے ساتھ اگست ۱۹۱۰ء میں شمال مغربی سرحد کو پار کیا۔ (ذاتی ڈائری ص۵۳)

اس شخص (مولانا عبید اللہ) اس کے دوسرے دوستوں (شیخ الہندؒ) کا اہم مقصد یہ تھا کہ بیک وقت ہندوستان پر باہر سے حملہ کرایا جائے اور ہندوستانی مسلمانوں میں بغاوت بھی پھیلائی جائے (ذاتی ڈائری ص۵۴)

عبید اللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف قرآنیہ کے نام سے عربی کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ حالیہ تحقیقات سے ظاہر ہوا ہے کہ اس کے قیام کا مقصد اسے اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر بنانا تھا۔

(تحریک شیخ الہندؒ ص۲۳۵)

اس سازش کے اراکین کو جنود ربانیہ (خدائی فوج) کا نام دیا گیا تھا۔ اس فوج کا مقصد کافروں کے تحت حکومت ممالک اسلامیہ بالخصوص ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے سلاطین اسلامیہ کو متحد کرنا تھا۔ مولانا محمود حسن (شیخ الہندؒ) کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ حجاز کے ذریعے خلافت عثمانیہ سے رابطہ قائم کریں اور اس حکومت کو چند شرطیں ماننے پر آمادہ کریں جن کے پورے ہونے پر حکومت افغانستان برطانیہ سے

برسرِ جنگ ہو جائے گی۔ اس فوج کے جو افسران کابل میں تھے ان کے ذمہ تھا کہ وہ بھی اس مقصد کے لیے افغانستان کے انٹی برٹش عناصر سے جوڑ توڑ کرتے رہیں اور آزاد قبائل میں برطانیہ کے خلاف ہر وقت عداوت اور دشمنی کے جذبات کو مشتعل کرتے رہیں۔

ہندوستان میں جو سازشی موجود تھے ان کا کام (غالباً پرانی وہابی تحریک کے ذریعہ) روپیہ جمع کرنا تھا تاکہ کابل ہندوستان اور حجاز میں سازش کے مصارف پورے ہو سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی جنون کو اتنا زیادہ بڑھا دینا تھا کہ افغانستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ چھڑتے ہی وہ بھڑک کر ہر طرف آگ لگا دیں۔

مختصر یہ کہ عبید اللہ کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلامی عسکریت کی سوکھی ہڈیوں میں سے جن اجسام میں زندگی کی رمق باقی ہے ان سے کام لیا جائے۔ اس طرح اس نے اپنی سازش میں وہابی تحریک کی باعمل مشینری، مولوی طبقہ کا اسلامی جوش و جذبہ اور اتحادِ اسلامی کے حامیوں کی سیاسی توانائی اور تلخی کو یکجا کر دیا تھا۔ اس کا مزید منصوبہ یہ تھا کہ ایک دوسری سازشی جماعت (یعنی حکومت مؤقتہ ہند) کے پہلو بہ پہلو کام کیا جائے تاکہ ہندوؤں کے انقلاب پسند عناصر اس کی جانب رہیں۔

(تحریک شیخ الہندؒ صـ ۲۳۴ تا ۲۳۹)

تحریکِ جہادِ آزادی اور اتحادِ اسلامی (تحریک ریشمی خطوط) کا کام ایک طویل المیعاد منصوبہ پر مشتمل تھا جس کی کامیابی کے لیے خلافت عثمانیہ (ترکی) افغانستان اور دیگر دول اسلامیہ کے تعاون (اخلاقی اور مادی) کے علاوہ اندرونِ ملک شورش اور بغاوت کے لیے بڑی جد و جہد اور تگ و تاز کی ضرورت تھی اور اس سلسلے میں اندرون و بیرون ملک کام ہو رہا تھا جس کا ایک معین وقت پر اظہار ہوتا تھا، لیکن جنگ عمومی کی وجہ سے بین الاقوامی سیاسی حالات نے اس قدر تیز تر کروٹ لی کہ تحریک جہادِ آزادی (اور اب تحریک ریشمی خطوط) کے رہنماؤں کو مجبوراً اس طویل المیعاد منصوبے کو مختصر اور

کم وقت میں مکمل کرنے کی سعی کرنی پڑی جو بظاہر ان کی ہمت استعداد سے باہر معلوم ہوتا ہے اگر دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک بے یار و مددگار، نومسلم نوجوان (عبیداللہ سندھیؒ) اور اس کے معمر وضیف ستر سالہ استاد (شیخ الہندؒ) نے ایک مختصر عرصے کے اندر وہ کام کر دکھائے جو برسوں میں مشکل سے انجام پاتے ہیں قلیل مدت میں جرمن، افغان اور ترکی حکومتوں کا مکمل تعاون حاصل کر کے منصوبے پر عملدرآمد ہونے والا تھا کہ جنگِ عمومی میں ترکی کی شکست اور عربوں کی بغاوت نے وہ تمام ذرائع اور راہیں مسدود کر دیں، جن پر اس منصوبے کی کامیابی کا انحصار تھا۔

جاسوسان فرنگ کا دعویٰ ہے کہ ریشمی خطوط کی تحریک (سازش) کا بروقت سراغ لگا کر انہوں نے ہی اسے ختم کر دیا تھا۔ حالانکہ ان کو اس تحریک (سازش) کا پتہ اگست ۱۹۱۶ء میں چلا۔ جبکہ یہ تحریک جون ۱۹۱۶ء میں شریف مکہ کی بغاوت اور ترکی حکومت کا مصائب میں گھر جانے سے خود بخود ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ دانایان فرنگ کو اپنی ہمہ دانی کا بڑا دعویٰ تھا مگر وہ اس وقت کہاں تھے؟ جب فی الحقیقت تحریک کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ غرض یہ اس تحریک ریشمی خطوط کے بانیوں کا کمال ہے کہ انہوں نے اس بین الاقوامی تحریک کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ جب منزل قریب آگئی تھی اور لب بام جبکہ دو چار ہاتھ رہ گیا تھا۔ اب اس کی ناکامی کے لیے مشیتِ ایزدی کا شکوہ کریں یا ملک و ملت کی سیہ روزی کا۔ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

حضرت دین پوریؒ کے نام ریشمی خط

حضرت شیخ الہند کی زیر قیادت چلائی جانے والی تحریک جہاد آزادی (یا تحریک ریشمی خطوط) سے حضرت دین پوریؒ کی وابستگی اور تعلق کا اس بات سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ اس تحریک سے منسلک عملی کارکن (مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے لے کر فتح محمد تک) اکثر کا تعلق ارادت یا رابطہ حضرت دین پوریؒ سے ہے۔ اور یہ تحریک جماعت کے ان مخلصین کے گرد گھومتی رہتی ہے جو کسی نہ کسی واسطہ

سے آپ سے متعلق ہوتے ہیں۔ مولانا سندھیؒ کی روانگی کابل سے پہلے، اور بعد میں آپ کی خفیہ اور اعلانیہ سرگرمیاں اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔ اس تحریک کے بعد، پورے صوبہ پنجاب (سابق ریاست بہاولپور) بلکہ سندھ اور بلوچستان میں بھی حضرتؒ کی عظیم سیاسی شخصیت مکمل کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ ان علاقوں میں محکمہ خفیہ کی تمام کاروائی میں آپ کی ذات ہر وقت تنقید و تبصرہ کا ہدف بنی رہتی ہے۔ (تفصیلات کے لیے ان دستاویزات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے جو اب شائع ہوکر منظر عام پر آگئی ہیں)

غرض حضرت دین پوریؒ اس تحریک کے مکمل روح رواں اور بانی کارکن تھے۔ چنانچہ تحریک کی سرگرمیوں کے دوران آپ کا دیوبند اور کابل سے برابر رابطہ قائم رہا۔ کارکنوں کی خفیہ آمد و رفت، پیغامات کا تبادلہ اور تحریک کی ضروریات کی فراہمی کا سلسلہ ہر وقت جاری رہا۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں مولانا عبداللہ لغاریؒ (حضرتؒ کا مرید اور مولانا سندھیؒ کا شاگرد) امیر حبیب اللہ خان کا دعوت نامہ اور بعض خفیہ ہدایات لے کر دین پور شریف آیا۔ کابل سے فتح محمد (حضرت کے مرید) کو بھی کچھ اس قسم کے پیغامات دے کر بھیجا گیا تھا۔ نظر محمد اور محمد عالم دو افغانی باشندے (حضرت کے مرید) اس مقصد کے تحت اکثر خفیہ آمد و رفت رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں آخری دفعہ حضرتؒ کے پاس جو شخص ریشمی خط لے کر آیا، وہ ایک نامعلوم شخص تھا۔ (یا حضرتؒ نے مصلحتاً اس کا نام ظاہر نہیں کیا۔)

جانشین حضرت دین پوریؒ مولانا عبدالہادیؒ صاحب راوی ہیں کہ حضرتؒ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر بیٹھے ہی تھے کہ سرخ و سپید رنگ کا ایک نوجوان مسجد میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہلکی بھوری گھنگری داڑھی تھی اور سر پہ کلاہ و مشہدی باندھے ہوئے تھا۔ شکل سے افغان معلوم ہوتا تھا۔ آتے ہی اس نے السلام علیکم کہا۔ حضرتؒ اور تمام جماعت نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے حضرتؒ کے قریب جاکر باادب ہوکر مصافحہ کیا۔ حضرتؒ فوراً کھڑے ہوگئے۔ (غالباً حضرتؒ نے تحریک کا نشان یا اشارہ پالیا)

تھا) اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھ گئے۔ جماعت کے فقرا چونکہ حضرتؒ کے مزاج شناس تھے۔ اس لیے کوئی فقیر اس طرف نہیں گیا، لیکن چونکہ میں بچہ تھا۔ اس لیے قریب جاکر دلچسپی سے یہ کارروائی دیکھتا رہا۔ (حضرتؒ نے بھی منع نہیں فرمایا) اس شخص نے اپنی مشہدی ٹوپی اور اپنی زریں کلاہ کی کناری کو ادھیڑ ڈالا۔ اس میں سے زرد رومال قسم کا ایک ریشمی کپڑا برآمد ہوا جسے اس نے حضرتؒ کو پیش کیا۔ اس نے حضرتؒ سے رخصتی مصافحہ کیا، مگر حضرتؒ نے اسے دین پور کی حدود سے باہر جاکر عزت و اکرام کے ساتھ وداع کیا۔

اس ریشمی رومال میں کیا راز پوشیدہ تھا اور اس وقت حضرتؒ اور نامعلوم فرستادہ کے درمیان کیا خفیہ گفتگو ہوئی؟ اس وقت اس بچے کا ناپختہ ذہن کچھ معلوم نہ کر سکا۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ ریشمی رومال ایک ایسا ایٹم بم تھا جس نے برطانوی سرکار کی تمام مشینری کی نیندیں حرام کر دی تھیں اور دانایانِ فرنگ کی عقل و ہوش جاتی رہی تھی۔

ریشمی خطوط پکڑے گئے

بدقسمتی سے اگست ۱۹۱۶ء میں ملتان کے ایک آنریری مجسٹریٹ خان بہادر رب نواز خان نے عبدالحق نامی شخص سے (جو اس کے لڑکوں اللہ نواز خان اور شاہ نواز خان کا اتالیق رہا تھا اور ان کے ساتھ کابل چلا گیا تھا) تین ریشمی خطوط حاصل کیے اور ملتان ڈویژن کے کمشنر کو دیدیئے۔ کمشنر نے پہلے ان خطوط کو کوئی اہمیت نہ دی، مگر جب یہ خطوط پنجاب سی آئی ڈی کے مسٹر ٹومکنس کے حوالے کیے گئے اور قاصد پر جرح کی گئی تو تمام معاملہ واضح ہو گیا اور سی آئی ڈی کو سازش (تحریک) کا ایک سرا ہاتھ لگ گیا۔

وہ خطوط خان بہادر رب نواز خان کے حوالے کیونکر کئے گئے؟ خفیہ محکمہ کی رپورٹیں اس سلسلے میں چنداں روشنی نہیں ڈالتیں۔ البتہ رپورٹ کا یہ حصہ قابلِ غور ہے: "ممکن ہے کہ جب خان بہادر نے اس پر جرح کی اس وقت تک وہ خوفزدہ ہو چکا ہو اور اپنے مشن کے خطرات

سے اور جہاں گردی سے تھک چکا ہو اور اس نے مزید مہم جوئی سے احتراز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ خان بہادر نے بہت خوب کام کیا اور مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہے کہ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر جنرل کا بھی یہی خیال ہے۔ چنانچہ اس کو جلدی تعریفی سند اور انعام عطا کیا جائے گا۔" (تحریک شیخ الہندؒ ص۱۸۱)

عبدالحق قاصد خان بہادر کے بچوں کا اتالیق تھا۔ سی آئی ڈی کے خیال کے مطابق خان بہادر کے لڑکے اللہ نواز خان نے اسے ہجرت کابل پر آمادہ کیا تھا اور وہ ان کے ساتھ کابل جا کر تحریک میں شامل ہو گیا تھا۔ جاسوسان فرنگ کی یہ عجیب منطق ہے کہ ان کے نزدیک شاگرد استاد کو متاثر کرتے ہیں۔ چنانچہ بقول ان کے مولانا عبید اللہ نے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کو ورغلایا اور میاں اللہ نواز خان کا ایک کمسن لڑکا ایک جہاں دیدہ و جہاں گرد استاد کو ترغیب دیتا ہے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ اصل واقعہ یہ ہوگا کہ عبدالحق پہلے سے تحریک سے وابستہ ہوگا یا اس کے ساتھ ہمدردی کے جذبات رکھتا ہوگا۔ اس کی صحبت میں خان بہادر کے لڑکوں (اللہ نواز خان اور شاہ نواز خان) کو قومی کاموں سے دلچسپی ہوئی ہوگی جو بالآخر ہجرت کا باعث ہوئی۔ خان بہادر کو بہر حال اصل معاملہ کا علم ہوگا۔ وہ سرکار انگریزی کے وفادار تھے۔ اپنے بچوں کے مستقبل کی تباہی اور گمراہی کا ذمہ دار عبدالحق کو سمجھتے ہوں گے۔ اور ان کو اس بات کا قدرتی رنج ہوگا۔ اب جبکہ عبدالحق قاصد کابل سے خطوط لے کر آ رہا ہوگا تو اللہ نواز خان وغیرہ نے اسے کوئی پیغام یا کام ضرور سپرد کیا ہوگا جو ان کے گھر، اہل خانہ یا کسی دوست سے متعلق ہوگا۔ ورنہ ملتان میں عبدالحق کا جانا خان بہادر کی محض زیارت مقصود نہ تھا۔ اتفاق سے عبدالحق خان بہادر یا اس کے کارندوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اور خان بہادر جو پہلے سے اس کے متعلق اچھے خیالات نہ رکھتے تھے اپنے لڑکوں کے سلسلے میں اس سے پوچھ تاچھ کی جو محض زبانی کلامی نہ ہوگی بلکہ خوب تشدد کیا گیا ہوگا۔ محض زبانی جرح سے خوف زدہ ہو جانا مشن کے خطرات جہاں گردی اور مہم جوئی سے

احتراز کا سارا افسانہ سی آئی ڈی یا خان بہادر نے زیب داستاں کے لیے گھڑا ہوگا۔ اگر واقعی یہ بات تھی اور عبدالحق قاصد نے خطوط پیش کرنے تھے تو وہ ملک میں داخل ہوتے ہی یہ تمام خطوط اور معلومات براہ راست سرکار انگریزی کے کسی اعلیٰ کارندے کے حوالے کر سکتا تھا اور وہی انعام اور تعریفی سند خود لے سکتا تھا جو خان بہادر کو ملی تھی۔

غرض اس تمام بحث سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ خطوط خود پیش نہیں کیے گئے بلکہ جبراً اور تشدد کے ذریعے حاصل کیے گئے ہوں گے۔ نیز عبدالحق نے پولیس کی روایتی جرح (ظلم و ستم) سے تنگ آکر تحریک کے متعلق انکشافات کیے ہوں گے۔ اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالحق مذکور کو لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا جاتا تھا اور کئی انسانیت سوز اذیتیں اسے پہنچائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس سازش (تحریک) کے انکشاف کا یہ پہلو قابلِ غور ہے کہ اس معاملے میں سی آئی ڈی (جاسوسانِ فرنگ) اور برطانوی سامراج کی پوری مشینری قطعی ناکام رہی تھی مگر جس وقت سوِ اتفاق سے اسے یہ خطوط ملے تو اس نے اس میدان میں خوب جولانیاں دکھائیں اور بزعم خویش تحریک کی ناکامی کا سہرا اپنے سر باندھ لیا۔

تلاشیاں اور گرفتاریاں

ریشمی خطوط کے پکڑے جانے پر حکومت برطانیہ کی پوری انتظامیہ اور خفیہ مشینری کے کل پرزے حرکت میں آگئے۔ خفیہ محکمے میں ہلچل مچ گئی۔ وزارتِ ہند، وزارت داخلہ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ۔ وائسرائے ہند۔ صوبائی گورنروں اور سیکرٹریوں کے درمیان رابطہ قائم ہوگیا۔ اطلاعات۔ یادداشتوں اور احکامات کے تبادلے ہونے لگے۔ دلی سے لندن تک تازہ کارروائیوں اور سرگرمیوں کی رپورٹیں ہونے لگیں۔ بیرونی ممالک روس افغانستان، ترکی، ایران اور حجاز وغیرہ سے سفارتیں قائم کر دی گئیں۔ سراغرسانی و جاسوسی نظام کو مستعد کر دیا گیا۔ ادھر اندرون ملک متعلقہ افسران و حکام کی میٹنگیں، فیصلے اور اوپر کے احکام

کی تعمیل کے لیے بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔

ریشمی خطوط میں جنود ربانیہ (نجات دہندہ خدائی فوج) کے اہم عہدہ داران کی ایک فہرست بھی تھی۔ اور عبدالحق کے بیانات سے بھی پولیس نے معلومات اور نتائج اخذ کیے تھے۔ اس لیے اب انتظامیہ یہی سوچ رہی تھی کہ وہ کوئی ایسا موثر قدم اٹھائے کہ تحریک کی مکمل کڑیاں اس کے ہاتھ میں آجائیں۔ چنانچہ بڑی سوچ بچار اور تبادلۂ خیالات (خفیہ میٹنگوں اور کانفرنسوں) کے بعد ضروری کارروائی کے لیے سب سے پہلی رپورٹ جو تیار کی گئی۔ اس کے یہ حصے ملاحظہ ہوں۔

" جب سے یہ ریشمی خطوط گذشتہ ماہ کی ۳۰ تاریخ (۳۰ اگست ۱۹۱۶ء) کو میرے دفتر میں موصول ہوئے ہیں، ہم ان کے پورے معنی اور مطالب اخذ کرنے میں، ان کی تشریح کرنے میں، نیز حکومت ہند اور مقامی حکام سے ان اقدامات کے بارہ میں صلاح و مشورہ کرنے میں مصروف ہیں جو اس سلسلے میں کیے جانے والے ہیں۔

یہ فیصلہ ہوگیا ہے اور اس کے انتظامات کیے جا رہے ہیں کہ پشاور، پنجاب، دلی اور سندھ میں تلاشیاں لی جائیں اور کچھ گرفتاریاں کی جائیں۔ چند خاص معاملات میں اطلاعات اور شہادتیں فوری کارروائی کے لیے کافی سمجھی جا رہی ہیں۔ یوپی اور ملک کے دوسرے حصے میں کوئی انسدادی کارروائی شروع کرنے سے پہلے مزید تحقیقات ضروری ہے۔

ہماری رائے میں کسی فوری کارروائی کی ضرورت کی وجہ یہ نہیں کہ کوئی بڑا طوفان اچانک پھٹ پڑنے والا ہے۔ کیونکہ ہماری پہلی اطلاعات سے بھی اور عبیداللہ کے خطوط سے نیز عبدالحق کے بیان سے بھی اس ارادہ کا اشارہ ملتا ہے کہ جب تک موجودہ صورتِ حال ہمارے متعصب دشمنوں کے حق میں، زیادہ موافق نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اپنے اقدام میں تاخیر کریں لیکن ہم نے کم سے کم ان چند افراد کو اچھی طرح پہچان لیا ہے جو سازشیں کر رہے ہیں اور اپنی قوم کو کسی جدید یا قدیم

میدانِ جنگ میں پیچیدگیاں پیدا ہونے پر گڑبڑ اور مشکلات پیدا کرنے کے لیے اکسا رہے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے یہ وقت اور یہ موقع بہت مناسب ہے تاکہ انھیں اپنی اسکیموں سے روکا اور دوسروں کو ان سے باز رکھا جاسکے۔ (تحریک شیخ الہند ص ۱۹۴)

۱۴ ستمبر ۱۹۱۶ء کی ایک یادداشت کے چند اقتباسات بھی ملاحظہ ہوں:

پنجاب سی آئی ڈی پولیس کے ایک افسر کی زبانی جس نے عبدالحق کا بیان اردو میں درج کیا تھا۔ میں نے اپنے دفتر میں ۱۹ ستمبر کی کانفرنس میں پہلی مرتبہ اس کو سنا تھا۔ اس کانفرنس میں یوپی اور پنجاب کے نمائندے بھی شریک تھے۔ ہم سب اس بات پر متفق تھے کہ دوسرے مقامات کے ساتھ سندھ میں بھی کچھ گرفتاریاں عمل میں آنی چاہئیں۔

آگے ایک ٹیلیگرام کے مضمون میں درج ہے،

"پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر۔ یو۔پی کے چیف سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس کو نیز ہوم اور فارن ڈیپارٹمنٹوں اور سر جارج اروس کیمپل کو سارے معاملے کی زبانی وضاحت کر دی گئی ہے۔ متفقہ رائے ہے کہ یہ اسکیم بڑی خطرناک اور نہایت اہم ہے۔ نیز یہ عام صورت حال اور انکشافات کا تقاضا ہے کہ حکومت کوئی قدم اٹھائے تاکہ افغانستان، عرب اور ہندوستان میں سازشیوں کے درمیان خط و کتابت، سازشوں اور روپے کے لین دین کا سلسلہ بند ہو جائے۔" آئندہ جمعرات کو پنجاب۔ دلی اور پشاور میں گرفتاریاں عمل میں لائی جائیں گی۔ (تحریک شیخ الہندؒ ص ۱۹۶)

چنانچہ اسی قسم کے تبادلۂ خیالات کے بعد تلاشیوں اور گرفتاریوں کے احکامات صوبائی حکومتوں کو بھیج دیئے گئے۔ اور ہر صوبے کو مطلوبہ افراد کی فہرست بھی مہیا کر دی گئی۔ کراچی کے مقامی حکام کو جن اشخاص کی گرفتاری کا تار بھیجا گیا اس فہرست میں تیسرے اور چوتھے نمبر پر مولوی عبداللہ اور فتح محمد کا نام تھا۔ ٹیلیگرام کے آخر میں پھر ان کے متعلق وضاحتی نوٹ دیا گیا۔

"مذکورہ بالا ٹیلیگرام میں تیسرے اور چوتھے نمبر کے جن اشخاص کی گرفتاری کی درخواست کی گئی ہے. ممکن ہے وہ سندھ میں نہ ملیں کیونکہ پنجاب کی ریاست بہاولپور کے مقام دین پور میں ان کو آخری مرتبہ دیکھا گیا تھا. حکومت پنجاب نے ان کی گرفتاری کا فیصلہ کیا ہے لیکن حکومت بمبئی کو اس سلسلہ میں اس لیے مطلع کیا جا رہا ہے کہ شاید یہ لوگ سندھ میں نہ ہوں"۔ (تحریک شیخ الہند ص۱۹۸)

دین پور میں تلاشی، حضرت اور آپ کے رفقا کی گرفتاری

ریشمی خطوط کے انکشاف کے بعد، حکومت پنجاب بہت زیادہ سراسیمہ و خوفزدہ تھی۔ پنجاب کی ریاست بہاولپور میں "دین پور" خاص طور پر اس تحریک کا مرکز تھا اور حضرت دین پوری اس علاقے بلکہ پورے سندھ اور بلوچستان تک تحریک کی سرپرستی و نگرانی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ سازش کا انکشاف بھی اس علاقے میں ہوا تھا اور تحریک کی بہت سی کڑیاں یہاں آکر ملتی تھیں۔ اس لیے حکومت پنجاب اور سی آئی ڈی کی پریشانی قدرتی تھی۔ چنانچہ خفیہ محکمہ کی پہلی یادداشت میں پنجاب میں تلاشیوں اور گرفتاریوں کے ضمن میں جو رپورٹ دی گئی تھی اس میں اس پریشانی کا خاص طور پر ذکر ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

عبیداللہ کے خطوط اور عبدالحق کے بیان سے جو باتیں معلوم ہوئیں۔ اُن سے ان اطلاعات کی تصدیق ہوئی اور ان میں اضافہ ہوا جو متعصب مذہبی جنونی مسلمانوں کی اسکیموں کے بارے میں ہمیں پہلے سے مل چکی تھیں اور جن سے پنجاب کے حکام کو پریشانی لاحق تھی۔ ان نئی اطلاعات کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد افسران متعلقہ کے لیے سارا کیس بالکل آسان ہو گیا ہے۔ چنانچہ پنجاب سی آئی ڈی نے مقامی حکومت کو مشورہ دیا کہ مندرجہ ذیل اشخاص کے خلاف کارروائی کی جائے اور اس کے ڈیفنس ایکٹ رولز کی دفعہ نمبر ۷ اور دفعہ نمبر ۱۲ الف کے تحت تلاشیوں اور گرفتاریوں کے احکام جاری کر دیئے۔ نام یہ ہیں:

۱: میر غلام محمد آف دین پور ریاست بہاولپور۔ عبدالحق کے بیان کے صفحات ۲۹، ۳۰ سے اس کا سازش سے تعلق صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲: عبدالقادر جو نمبر ۱ کا داماد ہے۔ عبدالحق کے بیان ص۳۰ پر اس کا تذکرہ ہے اور عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے لیفٹیننٹ کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

۳: عبداللہ۔ عبدالحق کے بیان ص۲۴، ۳۰ پر اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

۴۔ فتح محمد۔ عبدالحق کے بیان ص۲۴۔۳۰ پر اس کا ذکر ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس فہرست میں نمبر ۳ و نمبر ۴ پر جن لوگوں کا نام ہے۔ بمبئی میں مجوزہ گرفتاریوں کی فہرست میں بھی ان کو شامل کیا گیا ہے۔

۵: محمد علی۔ عبدالحق نے اسے عبیداللہ کا بھتیجا بتایا ہے۔ یہ شخص کابل سے ہندوستان تک اس کے ہمراہ تھا۔ بیان کا ص۲۹ دیکھئے۔ یہ شخص پنجاب یا دہلی میں ملے گا۔

۶: احمد علی۔ یہ شخص نمبر ۵ کا بھائی ہے اور آج کل دہلی میں عبیداللہ کے قائم کردہ جونی اسکول کا پرنسپل ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل ظاہر کیا گیا ہے۔

۷: مولوی احمد لاہوری۔ شیخ عبدالرحیم کے نام عبیداللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے کرنل ظاہر کیا گیا ہے

۸: عبدالحق۔ عبدالحق کے بیان ص۳۱ پر اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل بتایا گیا ہے۔ پنجاب پولیس اسے بخوبی جانتی ہے۔

۹: مولوی حمیداللہ آف پانی پت۔ شیخ عبدالرحیم کے نام عبیداللہ کے خط میں اس کا تذکرہ

ہے۔ وہ دیوبند کے مدرسہ کے سابق طالب علم ہیں۔ جہاں وہ حضرت مولانا مولوی محمود حسن کا چہیتا شاگرد تھا۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے ہر نام کے سامنے دو ایک باتیں بہت مختصر طور پر تحریر کردی ہیں جو ان لوگوں کے خلاف شہادت کے لیے کام دیں گی۔ عبید اللہ کے خطوط کے سلسلہ میں میں نے جو رپورٹ تیار کی ہے اس میں کچھ زیادہ تفصیلات ہیں۔ پنجاب پولیس کی اطلاعات زیادہ تفصیل سے ہیں۔

آج میں نے سنا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو صبح گرفتار کر لیا گیا ہے۔

(تحریک شیخ الہندؒ ص ۱۹۹ تا ۲۰۱)

مسٹر سی آر کلیو لینڈ کے تحت خفیہ محکمہ کی اس یادداشت سے (جو ۴ ستمبر ۱۹۱۶ء کو مرتب کی گئی ہے۔) پتہ چلتا ہے کہ دین پور میں تلاشی اور حضرت دین پوریؒ اور آپ کے رفقاءؒ کی گرفتاری کی کارروائی ۴ ستمبر ۱۹۱۶ء سے قبل کسی قریبی تاریخ میں عمل میں آئی تھی۔ دوسری یادداشت مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۶ء کی رپورٹ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ صوبہ پنجاب میں گرفتاریوں کی اطلاع کے ضمن میں تحریر ہے: "جن نو آدمیوں کے خلاف مقامی حکومت نے آرڈر جاری کیے تھے۔ ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ بجز فتح محمد کے جو ہاتھ نہیں آسکا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ عبید اللہ نے بیان شروع کر دیا ہے۔ (تحریک شیخ الہندؒ ص ۲۱۲)

اسی یادداشت میں صوبہ سندھ میں ہونے والی گرفتاریوں میں حضرت امروٹیؒ کی گرفتاری کا بھی ذکر آیا ہے۔ لکھتا ہے:

"میں نے حکومت بمبئی کو جو تار بھیجا تھا۔ اس میں یہ پانچوں نام تھے۔ مقامی حکام نے اپنے طور پر ان کے علاوہ تین دوسرے اشخاص کو بھی گرفتار کر لیا جن کا شیخ

عبدالرحیم کے گروہ سے گہرا تعلق ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مولانا تاج محمود (صحیح نام سید تاج محمود امروٹی مرحوم) پیر اسعد اللہ شاہ اور حاجی شاہ بخش (تحریک شیخ الہندؒ ص ۲۱۲)

غرض ۱۴ ستمبر ۱۹۱۶ء سے قبل ایک شب کا واقعہ ہے۔ دین پور شریف (اللہ والوں کی بستی) پر مکمل سکوت اور خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ اکثر شب زندہ دار فقراء مسجد اور اپنے حجروں میں خاموش یادِ الٰہی میں مصروف ہیں اور کئی لوگ محو استراحت ہیں۔ بستی کا ماحول پُر سکون ہے۔ حضرت دین پوریؒ اپنی قیام گاہ پر آرام فرما رہے ہیں کہ رات کے اس اندھیرے اور سناٹے میں ایک سایہ بڑھتا ہوا بستی کی خاموش فضا میں داخل ہوتا ہے اور سیدھا حضرت کی قیامگاہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ خادم پہچان لیتا ہے۔ یہ میاں شمس دین ہے۔ تحریک کا ایک گمنام کارکن۔ جو غالباً کسی اہم اطلاع کے لیے خان پور سے پیدل چل کر آیا ہے۔ حضرتؒ کو بیدار کر کے اطلاع دیتا ہے کہ اسے پتہ چلا ہے کہ تحریک کا راز سی آئی ڈی کو مل گیا ہے اور ملک میں عام گرفتاریوں کے لیے پولیس اور ملٹری حرکت میں آگئی ہے چنانچہ ابھی ایک سپیشل گاڑی سے پولیس کی ایک بڑی جمعیت خان پور اسٹیشن پر بھی اتری ہے اور وہ خود اس بات کی تصدیق کر کے ابھی وہاں سے آرہا ہے۔"

یہ اطلاع نہایت اہم تھی۔ حضرت فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ مولوی عبداللہ لغاری ایک جگہ سو رہے تھے۔ ان کو جگایا۔ مشورت کے لیے مولوی عبدالقادر کو بلایا۔ فوری طور پر اسلحہ بارود کے ضیاع اور زیر زمین دفن کرنے اور مولوی عبداللہ لغاری کا روپوش ہو جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولوی عبداللہ حضرتؒ سے محبت و عقیدت کے باعث اپنی روپوشی کے فیصلے سے متفق نہ تھا اس کا خیال تھا کہ اس کے فرار سے حضرت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ آخر فیصلہ کیا گیا کہ وہ عارضی طور پر قریبی جنگل میں روپوش ہو جائے۔ اگر حکومت بہت زیادہ دباؤ ڈالے اور تشدد کی کارروائی پر اتر آئے تو وہ بعد میں پیش ہو جائے۔

حضرتؒ کے معمولی اشارے سے رات کا سناٹا اچانک ٹوٹ گیا۔ پوری بستی جاگ اٹھی۔ فقرا مسجد اور حجروں سے نکل آئے اور ایسی تنظیم و ترتیب سے ایک نئی خدمت میں جُت گئے جیسے چیونٹیوں کی خاموش فوج اپنی خوراک بلوں میں لیجا رہی ہو۔ بارود کی بوریاں اور بھرے ہوئے تھیلے نہر کے پانی میں پھینک دیئے گئے۔ اسلحہ، رائفلیں اور کارتوس زیرِ زمین دفن کر کے بیلوں کی جوڑیوں کے ذریعے اوپر کلر شور، اور مٹی کا ڈھیر ڈال کر بڑے بڑے تودے اور ٹیلے بنا دیئے۔ (یہ ٹیلے ۱۹۶۰ء تک عید گاہ کے قریب موجود تھے۔ بعد میں اراضی آباد کرنے کے لیے ہموار کر دیئے گئے۔) غرض غیر قانونی سرگرمیوں کے وہ تمام نشان مٹا دیئے جن سے بغاوت اور سازش کا پتہ چلتا تھا۔ اب صرف فقرا اور کارکنوں کے دل و دماغ اس اسلحہ کی بھٹیاں بن گئے تھے۔ جو ظالم و جابر حکومت کے بس سے باہر تھے۔

سحر کے وقت فقرا پھر مسجد اور اپنے اپنے حجروں میں موجود تھے۔ نوافل تہجد پڑھ رہے تھے۔ خاموش عبادت کر رہے تھے اور کلمہ طیبہ کے ذکر جہر سے بستی کی پوری فضا گونج رہی تھی اور ان کے مطمئن چہروں پر گذشتہ شب کی محنت شاقہ کے کوئی آثار موجود نہ تھے۔ ابھی اذان سحر کے لیے مؤذن نے نعرہ توحید بلند کیا تھا کہ دین پور کی یہ مختصر بستی فوج اور پولیس کے نرغے میں آ چکی تھی۔ فوج نے پورے جنگل کا گھیراؤ کر لیا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت معطل کر دی تھی۔ نماز فجر کے بعد حضرتؒ نے حسبِ معمول تلاوت قرآن پاک شروع کی۔ اتنے میں پچاس مسلح سپاہیوں کی گارد کے ساتھ پنجاب اور ریاست بہاولپور کے چند اعلیٰ افسر بستی میں داخل ہوئے اور سیدھے حضرتؒ کے پاس آکر سلام و مصافحہ کیا۔ حضرتؒ نے بیٹھے بیٹھے سب سے مصافحہ کیا اور ان کو بھی چٹائیوں پر بیٹھ جانے کو کہا اور ان کی آمد کی غرض و غایت دریافت فرمائی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس داستان کا باقی حصہ اس "قلمی ملفوظات" سے

نقل کروں۔ جو حضرتؒ کے وصال کے بعد آپ کے نواسے (غالباً) مولوی عبدالمنان صاحب نے جمع کر کے لکھے تھے۔ وہ لکھتے ہیں،

۱۹۱۶ء کا ذکر ہے کہ حسب عادت مبارک حضرتؒ تلاوت فرما رہے تھے اور حضرت الوہم صاحب (مولانا عبدالقادر مرحوم) سن رہے تھے اور پچاس آدمی پولیس کے مسلح حضرتؒ کو آکر ملے۔ آپ نے بیٹھے ہوئے ہاتھ دے دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ کو اسٹیشن خان پور تک تشریف لے چلنا ہے وہاں ایک افسر آپ کے ساتھ ملیں گے۔ اس مجمع میں عبدالعزیز کپتان علاقہ پنجاب اور غلام محی الدین خان کپتان ریاست ہذا اور انسپکٹر عبدالقادر شاہ المعروف کوڑے شاہ بھی تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب سندھی کا مطالبہ کیا۔ بعض فقرا نے مولوی عبداللہ صاحب کو اس کی اطلاع دے دی، وہ یہاں ایک مخفی جگہ پر موجود تھے۔ مولوی عبداللہ نے سنا کہ شاید میرے حاضر نہ ہونے سے حضرت کو تکلیف ہو، اس لیے وہ حاضر ہو گئے۔ ان کو اسی وقت ہتھکڑی لگا کر خان پور بھیج دیا اور ظہر کے وقت حضرتؒ سے کہا، کہ اندر کچھ سامان وغیرہ دیکھنا ہے آپ ہمراہ ہوں تاکہ وہ دیکھ لیا جائے۔ حضرت نے جواباً فرمایا میری کوئی ضرورت نہیں، میری طرف سے آپ خود جا کر دیکھ لیں۔ اس پر وہ خود پردہ کرا کے اندر گئے اور سامان وغیرہ دیکھا، مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کوئی خطرناک چیز برآمد نہ ہوئی۔ حضرتؒ نے سپاہیوں کے لیے حکم فرمایا کہ جو سالن آج لنگر میں پکا ہے (وہ سالن اس دن ساگ تھا) وہ ایک ایک عام روٹی پر رکھ کر ان کو دیتے جائیں اور عبدالعزیز وغیرہ کو دیگ کا بھت (بھات) دیا گیا۔ اس موقعہ پر ایسا فرمایا ورنہ حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی امیر آدمی آتا تو لنگر کی عام روٹی بھی اس کے ہاں بھیج دیتے اور ساتھ ہی مکلف طعام بھی ہوتا۔ پھر عصر کے بعد یہاں سے روانگی ہوئی۔ کپتان عبدالعزیز نے کہا کہ دیگر جماعت یہاں ٹھہر جائے۔ میاں شفیع محمد فقیر نے کہا کہ ہم

ساتھ چلیں گے کپتان عبدالعزیز نے کہا کہ حضرت کا منہ دیکھو گے؟ اس نے جواب میں کہا۔ منہ ہی دیکھنے کے لیے تو آتے ہیں اور ہمیں کیا کام تھا۔" پھر عبدالعزیز نے اس سے احوال دریافت کیا اور اس نے اپنا ماجرا سنایا کہ میں سکھر کی پولیس میں رہتا ہوں (یہ فقیر اس وقت پولیس کی ملازمت چھوڑ کر اللہ اللہ کرتا تھا اور بڑا صاحب حال تھا "رہتا ہوں" کی بجائے رہتا تھا۔ صحیح ہے۔ مصنف) غرضیکہ تمام جماعت حضرت کے ہمراہ خانپور گئی۔ رات کو ریاست ہذا کے سرکاری بنگلہ میں قیام فرمایا۔ کپتان چودھری غلام محی الدین نے حضرت کے لیے بنگلہ کی چھت پر خاص اپنا بستر کرایا اور حضرت نے آرام فرمایا۔ صبح حضرت کو "کراچی میل" کے وقت سٹیشن پر لے گئے۔ وہاں جا کر کہا افسر نہیں آیا آپ کو لاہور تشریف لے جانا پڑے گا۔ میاں خدابخش ذکر کرتا ہے کہ پہلے تو قیامت برپا شدہ معلوم ہوتی تھی۔ طبیعت گویا خانہ سے باہر تھی مگر جب گاڑی روانہ ہو گئی اور حضرت نے روانگی کے وقت تسلی دی تو پھر طبیعت میں یہ خیال آیا کہ انبیا علیہم السلام اور دیگر بزرگان دین کے ساتھ ایسے معاملات ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہونا ضروری تھا۔ اس لیے فکر کی بات ہی کیا ہے۔"

وہیاں سے تشریف لے جا کر لاہور حضرت کو اتارا گیا اور حضرت ابویم صاحب (مولانا عبدالقادر) کو بھی لاہور اتارا گیا۔ وہاں تقریباً تین یوم پولیس کے حوالہ رہے اور اس کے بعد سنٹرل جیل لاہور میں بھیج دیئے گئے۔"

ملفوظات کے اس قلمی نسخہ میں ان حالات کے ضمن میں کافی اخفا سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "اس کے علاوہ کئی مخفی حادثات اور واقعات رونما ہوئے جن کا یہاں لکھنا مناسب نہیں ہے اور وہ ایسے واقعات تھے کہ اس میں جوان بھی ہمت ہار گئے تھے اور حضرت ام المساکین کو مشورہ دینے کے بعد بہت زور سے مجبور کر کے کہا گیا کہ ایسا ایسا کر لیں مگر صاحب موصوف

پورے استقلال اور استقامت میں رہیں" یہ غالباً حضرت سندھی کی صاحبزادی کے واقعہ سے متعلق اشارہ ہے۔ جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

گو ملفوظات کے پرانے نسخہ کے ان اقتباسات سے ہمیں تلاشی اور حضرتؒ کی گرفتاری کے متعلق بہت زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوئیں، لیکن ان کے پڑھنے سے واقعات کی ایک عمومی تصویر ضرور سامنے آجاتی ہے۔

مولوی عبداللہ لغاری کا مخفی جگہ پر روپوش ہونا اور پھر حضرتؒ کی تکلیف کے خیال سے حاضر ہو جانا (حالانکہ یہ پہلے سے طے شدہ تجویز تھی) خانہ تلاشی میں کسی خطرناک چیز کا برآمد نہ ہونا۔ اگرچہ صحیح ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ مطلوبہ ریشمی خط گھر میں موجود تھا اور حضرتؒ کی چھوٹی صاحبزادی کی گڑیوں اور کھلونوں کے ڈبے میں پڑا ہوا تھا۔ افسر تلاشی نے اس ڈبے کو اٹھا کر اور سرسری دیکھ کر رکھ دیا تھا۔ خط کا نہ ملنا حضرت کی کرامت تھی۔ (یہاں یہ بات قابلِ غور ہے۔ کہ پولیس یا محکمہ خفیہ کو ان تین خطوط کے علاوہ جو اس کو خان بہادر کی معرفت عبدالحق سے ملے تھے کسی جگہ یا کارکن سے کوئی خط یا دستاویز ہاتھ نہیں لگی اور اس معاملے میں تمام انتظامیہ اور خفیہ محکمہ کو شدید مایوسی اور ناکامی ہوئی۔

اس کے علاوہ جماعت کے عام ہیجان و اضطراب کا پتہ چلتا ہے۔ پولیس نے بھی عام شورش اور بغاوت کے اندیشے سے حضرت کو یہاں گرفتار نہ کیا اور مختلف بہانوں سے آپ کو لاہور لے جاکر گرفتار کیا گیا۔ حضرتؒ چونکہ جمال مجسم تھے۔ اس لیے روانگی کے وقت جماعت کو تسلی و تشفی کے الفاظ فرما کر فقراء کے قلوب کو صبر و رضا اور سنت یوسفی کی تعمیل و تکمیل پر آمادہ کر دیا۔

رفقائے اسارت

دین پور شریف میں پولیس کی اس کارروائی سے مرکزی اور صوبائی انتظامیہ کو حضرت دین پوری کے علاوہ جن دیگر تین رفقاء کی گرفتاری

مطلوب تھی۔ ان کے نام تھے۔ مولوی عبد القادر۔ مولوی عبد اللہ لغاری اور فتح محمد۔ جن میں سے اول الذکر دو اصحاب حضرت کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے مگر فتح محمد اس کارروائی سے پہلے حضرتؒ کے حکم سے بلوچستان میں چلا گیا تھا اور وہاں تحریک کا کام کر رہا تھا۔ استغاثہ ملک معظم بنام عبید اللہ وغیرہ میں اسے مفرور ظاہر کیا گیا ہے۔ چونکہ ان تینوں کا حضرتؒ کی ذات اور جماعت سے قریبی تعلق تھا اور تحریک میں بھی ان کا نمایاں حصہ تھا۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہاں ان کا مختصر تعارف اور حالات لکھ دیئے جائیں۔

مولانا عبد القادر دین پوری

یہ حضرتؒ کے عزیز ترین داماد اور کاروبار دینوی و سیاسی میں حضرتؒ کے خاص دست راست، مشیر و وزیر تھے۔ بٹی کورایاں کے مرحوم دولت خان کے چھوٹے لڑکے تھے۔ بچپن میں والد نے ان کو مویشی چرانے کا کام سپرد کیا تھا جب کہ ان کے بڑے بھائی کو تعلیم کے لیے وقف کیا تھا۔ مگر خدا کی قدرت آپ نے تعلیم حاصل کر کے مقام بلند حاصل کر لیا اور بڑا بھائی جاہل رہ گیا۔ چھوٹی عمر میں حضرت سید العارفین بھرچونڈویؒ سے بیعت ہوئے مگر آپ کے وصال کے بعد حضرت دین پوریؒ کی صحبت میں رہے۔ بہت بڑے عالم دین خدا ترس و عابد شب زندہ دار تھے۔ ابتدا میں مولانا سندھیؒ نے آپ ہی سے عربی کی صرف و نحو کی کتابیں پڑھی تھیں۔ حضرتؒ کے زمانہ پاک میں صبح و شام مسجد میں قرآن مجید اور بخاری شریف کے درس کی خدمت آپ کے سپرد تھی۔ آخری ایام میں مجلس ذکر کا حلقہ بھی آپ کے ذمہ تھا۔ سیاسی معاملات میں گہری بصیرت رکھتے تھے۔ جہاد آزادی کے سلسلے میں گولہ بارود کی تیاری، اسلحہ کی فراہمی اور جماعت کی تربیت و تنظیم کے معاملات میں بطور انچارج سربراہ کام کرتے تھے۔ تحریک آزادی (یا ریشمی خطوط کی تحریک) میں نمایاں کام کیا۔ محکمہ خفیہ کی دستاویز محررہ کیا تھا؟ میں اس کا تعارف یوں درج ہے۔

• مولوی غلام محمد ساکن دین پور در ریاست بہاولپور) کا داماد عبید اللہ کا پہلا معلم۔ یقین ہے

کہ اس نے اور اس کے خسر نے مولوی عبید اللہ سے اور حیدر آباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم سے جس کو تشریحی ریشمی خط بھیجا گیا تھا اپنا تعلق قائم رکھا ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں گرفتار کیا گیا۔ کچھ عرصہ تک اس پر پابندی تھی کہ "سرساس" رہے۔ اب دین پور میں ہے جہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ کرنل ہے۔" (تحریک شیخ الہندؒ)

آپ بھی تحریک ریشمی خطوط میں حضرتؒ کے ساتھ گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ کتابوں، رسائل اور اخبارات سے آپ کو عشق کی حد تک دلچسپی تھی۔ ایک بڑا کتب خانہ قائم کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ زمیندار بھی تھے۔ غرض مجموعۂ کمالات تھے۔ حضرت نے اپنی دو صاحبزادیاں (ایک صاحبزادی کی وفات کے بعد دوسری) ان کے نکاح میں دی تھیں۔ ان سے پہلے بھی آپ نے ایک نکاح کیا تھا۔ جس سے آپ کے بڑے فرزند مولوی عبداللہ مرحوم ایک عالم فاضل اور بزرگ ہستی تھے۔ جن کے فرزند جناب عبدالصبور صاحب اور مولانا عبدالشکور دین پوری ہونہار نوجوان عالم دین ہیں۔ حضرتؒ کی صاحبزادیوں میں سے آپ کے فرزند مولانا عبدالمنان صاحب مولوی محمد بشیر، مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی حبیب الرحمٰن مرحوم اور ان کی اولاد دین پور شریف میں آباد ہے اور یہاں کی رونق آبادی ہے۔ آپ نے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۴۹ء بشب اتوار ایک بجے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ

مولانا عبداللہ لغاری سندھی

آپ سندھ کے لغاری بلوچ تھے والد کا نام نہال خان تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد رشید تھے۔

آپ نے گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ "دارالارشاد" میں تحصیل علم کی اور پھر کچھ عرصہ وہاں معلمی کے فرائض بھی ادا کرتے رہے تھے۔ گرفتاری سے قبل محکمہ خفیہ کے کارپرداز آپ کو مولانا سندھیؒ کا ایک ناخواندہ ملازم خیال کرتے رہے تھے۔ چنانچہ سی آر کلیولینڈ ایک یادداشت میں لکھتا ہے۔

"گذشتہ یادداشت میں جن مختلف لوگوں کی گرفتاری کی اطلاع ملی تھی۔ ان سب سے پوچھ تاچھ جاری ہے۔ عبداللہ جسے سابقہ خطوط میں عبیداللہ کا ملازم ظاہر کیا گیا ہے تعلیم یافتہ آدمی نکلا، اسے بالعموم مولوی عبداللہ کہا جاتا ہے۔ پنجاب سی آئی ڈی کی رپورٹ درج ذیل ہے۔ عبداللہ کا بیان ہمیں زیادہ آگے نہیں لے جاتا، لیکن اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سازش بہت کم زوردار اور پھس پھسی ہے اور بالکل آغاز ہی میں اس کا انکشاف ہو گیا ہے۔ (تحریک شیخ الہند ؒ صفحہ ۲۱۶)

حضرت دین پوری ؒ سے بیعت تھے۔ حضرت دین پوری ؒ نے مولانا سندھی ؒ کے ہمراہ بطور معاون و خادم کابل روانہ کیا تھا۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں مولانا سندھی ؒ کے ساتھ کابل فرار ہونے والا عبداللہ نامی شخص، یہی مولوی عبداللہ تھے۔

مارچ ۱۹۱۶ء میں حضرت ؒ کے نام امیر حبیب اللہ خان اور مولانا عبیداللہ سندھی ؒ کے خطوط اور خصوصی پیغام لے کر افغانستان سے واپس آ گئے تھے۔ کچھ عرصہ حضرت دین پوری ؒ کے خلف الرشید حضرت صاحبزادہ میاں عبدالہادی صاحب کے اتالیق رہے تھے۔ گرفتاری کے وقت دین پور میں رہتے تھے۔ خوش فہمی کی بنا پر حکومت نے ان کو سازش استغاثہ کا سلطانی گواہ مقرر کر دیا تھا مگر ان کے عدالتی بیان سے وہ بہت مایوس ہوئے اور سازش ثابت نہ کر سکے۔ چنانچہ سی آئی ڈی نے اعتراف کیا تھا کہ عبداللہ کا بیان ہمیں زیادہ آگے نہیں لے جاتا۔ آپ نے کچھ ایسا بیان دیا تھا جس سے یہ سازش ایک معمولی بچگانہ کھیل معلوم ہوتا تھا۔

آپ ایک بہت بڑے عالم فاضل اور حضرت سندھی ؒ کے خیالات و افکار کے امین تھے۔ راقم الحروف نے دین پور میں ان کی زیارت کی تھی۔ "سورۃ یوسف" کی تفسیر کا ایک ضخیم نسخہ اپنے ہمراہ رکھتے تھے اور خواہش تھی کہ شائع ہو جائے۔ حضرت سندھی ؒ کی تعلیمات و افادات کا ایک بڑا دفتر ان کے پاس موجود تھا جو حضرت سندھی ؒ نے ان کو املا کرایا تھا۔ نامعلوم ان کی وفات کے بعد اس

کا کیا بنا؟ قیام پاکستان کے کافی عرصہ بعد سندھ میں فوت ہوئے۔

محکمہ خفیہ کی دستاویز "کون کیا تھا؟" میں ان کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے

"۴۔ عبداللہ آف سندھ۔ پسر نہال خان ساکن موضع گوٹھ ملا بخش نواری تھانہ متھیلو ضلع سکھر۔ پیر غلام محمد آف دین پور ریاست بہاولپور کا مرید ہے۔ کچھ عرصہ تک گوٹھ پیر جھنڈا اسکول تحصیل ہالہ ضلع حیدرآباد سندھ میں فارسی کا استاد رہا ہے۔ جولائی ۱۹۱۵ء میں مولوی عبیداللہ کے ہمراہ کابل گیا تھا۔ فروری ۱۹۱۶ء میں کچھ سازشیوں کے لیے خطوط لے کر ہندوستان آیا تھا۔ خطوط پہنچانے کے بعد وہ کابل واپس نہیں گیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس نے بڑا اہم بیان دیا ہے۔ اس کو اپنے گاؤں سے باہر جانے کی ممانعت ہے۔ "جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔"

تحریک شیخ الہندؒ ص۲۰۲

فتح محمد

فتح محمد چونکہ ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ اس لیے حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ اس نومسلم نوجوان سے بہت شفقت و محبت فرماتے تھے اور یہ ان ہر دو بزرگوں کا بہت لاڈلا اور چہیتا تھا۔ حضرتؒ اسے جمعدار فقیر کے نام سے یاد فرماتے تھے اور جماعت میں بھی اسی نام سے مشہور تھا۔ اس خفیہ تحریک میں اس نے عبدالرحمٰن اور خوشی محمد کے فرضی ناموں سے بھی کام کیا تھا۔ پہلے امروٹ شریف میں رہتا تھا۔ بعد میں مستقل طور پر دین پور شریف میں سکونت اختیار کر لی۔ حضرتؒ نے اس کی شادی بھی کرائی تھی جس سے ایک لڑکا مولوی خدا بخش دین پوری ہوا۔ فتح محمد حضرت دین پوریؒ سے بیعت تھا باوجودیکہ ناخواندہ تھا مگر بہت زیرک اور بہادر انسان تھا۔ ہجرت کابل کے وقت حضرتؒ نے اس کو حضرت سندھیؒ کے ہمراہ بطور خادم روانہ کیا تھا۔ ۱۹۱۶ء کے اوائل میں مولانا سندھیؒ کے چند خطوط لے کر واپس آگیا۔ حضرتؒ نے اسے جولستان میں بھیج دیا۔ اس کو مولانا مرحوم کے ساتھ بے حد عقیدت و محبت تھی۔ مقدمہ سازش میں اس کو بھی مفرور ملزم قرار

دیا گیا تھا۔ ۱۹۲۳ء میں حضرت کے ہمراہ حج۔ بیت اللہ سے بھی مشرف ہوا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد دین پور شریف میں فوت ہوا۔ اس کے متعلق مخفیہ محکمہ کی رپورٹ یہ ہے۔

۷۵۔ فتح محمد سندھی: سابق ہندو جسے دین پور ریاست بہاولپور کے مولوی غلام محمد نے اسی وقت مسلمان کیا، جب وہ لڑکا تھا۔ تبدیلِ مذہب کے بعد رہنے کے لیے وہ امروٹ ضلع سکھر کو چلا گیا۔ جہاں چھ برس گذارے۔ شکارپور اور سکھر میں بیکری کی دکانیں ہیں۔ گائے کی کھالوں کی بھی تجارت کرتا ہے۔ جولائی ۱۹۱۵ء میں مولوی عبید اللہ کے ہمراہ کابل گیا اور مارچ ۱۹۱۶ء میں عبید اللہ برکت اللہ وغیرہ کے خفیہ خطوط اس ملک کے چند سازشیوں کے نام لے کر واپس آگیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا، لیکن وہ مفرور ہو گیا اور اب اس کا پتہ و نشان معلوم نہیں۔" (تحریک شیخ الہندؒ)

حضرت شیخ الہندؒ کا پیغام

حضرت دین پوریؒ اور آپ کے رفقا کی گرفتاری، دین پور میں پولیس اور فوج کی کارروائی، نیز حکومت کے جبر و استبداد سے جماعت دین پور، خاص طور پر خانقاہ میں مقیم فقرا اور متعلقین سخت افسردہ ہراساں اور پریشان تھے۔ انہوں نے ایسے واقعات پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس آزمائش و ابتلا کے دور میں بعض متعلقین جماعت نے (اکثریت نہیں) اپنی طبعی کمزوری اور بے ہمتی کے باعث دین پوری شعار (کرتہ و لباس) تک ترک کر دیا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ جو اس تحریک کے قائد تھے۔ آپ کی دور رس نگاہ اس کارروائی کے بعد ردِ عمل پر بخوبی پہنچ رہی تھی۔ ایسے مواقع پر حوصلہ افزائی اور ڈھارس کے لیے کارروائی ضروری تھی۔ اگرچہ آپ اس وقت خود گرفتار بلا تھے۔ اور فوری طور پر حجاز جانے کی اسکیمیں بنا رہے تھے مگر اس حالت میں بھی آپ نے جماعت دین پور کو فراموش نہ کیا اور فوری طور پر اپنا ایک معتمد آدمی بھیج کر یہاں کے حالات اور خیر و عافیت معلوم

کرائی۔ نیز بی بی صاحبہ اور جماعت کے فقرا کو ایک زبانی پیغام کے ذریعے صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ فرستادہ نے حضرت شیخ کی طرف سے بی بی صاحبہ کی خدمت میں چند پارچات پوشیدنی بھی پیش کیے تھے۔ حضرت سجادہ نشین دین پوری دامت برکاتہم کا خیال ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے فرستادہ مولانا احمد اللہ پانی پتی تھے۔

میاں رحیم بخش خادم کی لاہور سے واپسی

حضرتؒ کی لاہور روانگی سے قبل عام جماعت کا خیال تھا کہ چونکہ حضرت کے ہاں سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی اور نہ ہی بہ ظاہر حکومت کے پاس سازش میں حضرت کے ملوث ہونے کا ثبوت ہے؛ اس لیے حضرت کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ معمولی جرح و تحقیق کے بعد آپ کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ اس لیے حضرت کے حکم پر تمام فقرا اسٹیشن سے دین پور واپس چلے آئے مگر حضرت کے خادم میاں رحیم بخش نے حضرتؒ سے آپ کے ہمراہ چلنے کا اصرار کیا تو آپ نے اس کو ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

لاہور پہنچنے پر حضرتؒ اور آپ کے رفقا کو تین دن پولیس تھانہ میں زیر تفتیش رکھا گیا۔ میاں رحیم بخش مذکور آپ کے ساتھ رہا، مگر جب آپ کو لاہور سنٹرل جیل منتقل کیا گیا تو اس کو زبردستی حضرت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس نے داروغہ جیل سے کہا کہ میں حضرتؒ کا خادم ہوں اور ان کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا کہ حضرتؒ کے لیے یہاں خدام کی کمی نہیں ہے۔ ہم ان کی خدمت میں تم جیسے کئی خادم رکھ دیں گے تم اس وقت واپس چلے جاؤ۔ پھر ملاقات کے لیے آتے رہنا" اس لیے میاں رحیم بخش مجبوراً دین پور شریف واپس آگیا، دوبارہ حضرتؒ کے کپڑے اور آپ کے لیے بھنے ہوئے چنے لے گیا؛ مگر حکام نے ملنے نہیں دیا۔ کئی بار ملاقات کے لیے باضابطہ درخواست دی مگر نامنظور ہو گئی۔

حضرت کے متعلق پولیٹیکل ایجنٹ (بہاولپور) کا نوٹ

حکومت گرفتار شدگان کی اہمیت اور ان کی گرفتاری کے متعلق عوامی ردِعمل معلوم کرنے کے لیے ہر وقت مقامی حکام سے رابطہ قائم رکھے رہتی تھی چنانچہ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۶ء کو سی آر کلیولینڈ نے جو خفیہ یادداشت مرتب کی۔ اس میں حضرت کے متعلق خاص طور پر تبصرہ کیا گیا۔ لکھتا ہے۔

"بہاولپور کے پولیٹیکل ایجنٹ نے ایک حالیہ مراسلہ میں اس بات کا اظہار کیا تھا۔ کہ (گرفتار شدہ) پیر غلام محمد ایک مشہور و معروف پیر ہے۔ جس کی زیارت کے لیے ہر سال سندھ سے ہزاروں مرید آتے ہیں۔ اب تک اس کی شہرت سیاسی رجحانات اور سرگرمیوں کے داغ سے پاک ہے (یہ ہے باخبروں کی بے خبری کی بہترین مثال مصنف) اس کی گرفتاری مقامی طور پر موضوع گفتگو بنی ہوئی ہے۔ (تحریک شیخ الہند صہ ۲۱۳)

اسارتِ فرنگ کے شب و روز

پولیس کی حفاظت کے (تیمن) دونوں میں حضرتؒ اور مولوی عبدالقادر مرحوم کو عموماً اکٹھے رکھا جاتا تھا اور رات کو بھی ایک ہی کوٹھری میں ایک ساتھ بند کر دیا کرتے تھے چونکہ گرمی کا موسم تھا اور بند کوٹھڑی میں حبس تھا اور مچھروں کی بہتات ہوتی تھی۔ اس لیے مولوی عبدالقادر صاحب تمام رات حضرتؒ کو پنکھا کیا کرتے تھے۔ اکثر غلبۂ نیند سے پنکھا چھوٹ کر حضرتؒ کے لگتا تو مولانا مرحوم آزردہ ہو کر رونے لگتے۔ جس پر حضرتؒ کمال شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور تسلی و تشفی کے الفاظ فرماتے۔

سنٹرل جیل میں منتقلی کے بعد، حضرتؒ اور مولانا مرحوم کو علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا۔ مولوی عبداللہ صاحب مرحوم کو تو پولیس پہلے ہی کہیں دوسری جگہ لے گئی تھی۔ مولوی

عبدالقادر مرحوم فرماتے تھے کہ جس وقت حضرتؒ کو مجھ سے علیحدہ کیا گیا تو میں بہت افسردہ تھا اور رو رہا تھا کہ اب زندگی میں پھر حضرتؒ کی زیارت نصیب ہو گی یا نہیں؟ حضرتؒ کے پاس ایک پیتل اور دوسرا مٹی کا لوٹا تھا جو پانی پینے اور وضو وغیرہ کے استعمال کے لیے ساتھ رکھ لیے تھے۔ علیحدگی کے وقت حضرتؒ نے مٹی کا لوٹا مجھے عنایت فرمایا کیونکہ اس میں پانی ٹھنڈا رہتا تھا۔ اور پیتل کا لوٹا خود رکھ لیا۔ ہر چند میں نے اصرار کیا کہ مٹی کا لوٹا آپ رکھیں مگر حضرت نہیں مانے اور میری آسائش کا خیال رکھا۔

پہلے پہل حضرتؒ کو سنٹرل جیل کی ایک چھوٹی سی تنگ و تاریک متعفن اور بدبودار کوٹھری میں بند کیا گیا۔ اور وہاں قید تنہائی میں رکھا گیا۔ کسی کو ملنے ملانے کی اجازت نہ تھی۔ کئی کئی وقت کھانا بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ تنہائی، گرمی، حبس کے علاوہ بھوک اور مشقت کی تکلیفیں دی جاتیں، مگر جب ان جسمانی ایذاؤں سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو حضرتؒ کو عام سیاسی قیدیوں کی "بارک" میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں آپ کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ دن رات میں ایک دفعہ صرف تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے کھانے کو ملتے تھے جو عموماً آپ اپنے ساتھ کے دوسرے بھوکے قیدیوں کو دے دیتے تھے۔ اس عرصے میں تفتیشی افسر اکثر حضرت کے پاس آتے رہتے تھے اور تحریک کے متعلق سوال و جواب ہوتے رہتے تھے، مگر ان کو اس سلسلے میں سخت مایوسی اور ناکامی کا سامنا ہو رہا تھا۔ حضرتؒ کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلتی تھی جو ان کے مقدمہ کی تقویت کا باعث ہوتی جب اس طرح بھی مقصد برآری نہ ہوئی تو حکام جیل نے حضرتؒ پر جسمانی سختیاں کم کر دیں اور اب آپ کی آسائش اور آرام کا بہت خیال کرنے لگے۔ بارک کا دس سالہ قیدی منشی جو بہت سخت طبع تھا اور تمام قیدی اس کی سختیوں سے نالاں رہتے تھے وہ بھی حضرت کا بطور خاص لحاظ کرنے لگا تھا۔ حضرت کو اب رات کے وقت کوٹھری میں بند

کرنے کی بجائے باہر رکھا جاتا تھا اور بارک میں جہاں چاہتے تھے بلا روک ٹوک چلے جاتے۔ حضرتؒ نے ان مراعات سے فائدہ اٹھایا اور مظلوم وستم رسیدہ قیدیوں کی خوب سفارشیں کرتے رہتے۔ مگر حکام یا حکومت کی طرف سے یہ سب کچھ تحریک کا راز معلوم کرنے کے لیے ایک نفسیاتی طریق کار تھا۔ حضرت فرماتے تھے کہ جسمانی ایذاؤں اور سزاؤں کے بعد اب ہمیں مختلف طریقوں اور ذرائع سے روحانی یا ذہنی عذاب دیا جاتا تھا۔ فرماتے تھے کہ ہمیں ہر روز کئی بار کوٹھڑی سے باہر لے جاکر سیاسی قیدیوں کو پھانسی دینے۔ ان کو اُبلتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں ڈال کر زندہ جلانے یا ان پر کیے جانے والے انسانیت سوز مظالم کے مناظر دکھائے جاتے۔ ہمیں اس بات کی ترغیب دی جاتی کہ تحریک کا راز فاش کر کے سلطانی گواہ بن جائیں اور ایسے دردناک انجام سے بچ جائیں۔ جیل میں قیدیوں کی صورت میں کئی ناصح مشفق بھیجے جاتے جو ہمیں نصیحتیں کرتے رہتے۔ کوٹھڑی کے باہر لکھے پڑھے سپاہیوں کے درمیان اس قسم کی گفتگو کرائی جاتی جس سے پتہ چلتا کہ اگر ہم نے گورنمنٹ کی امداد نہ کی اور سازش کے متعلق کچھ نہ بتایا تو ہمیں بھی پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ کڑھاؤ میں ڈالا جائے گا یا ہندوؤں کی لاشوں کی طرح ہماری میت بھی آگ کی نذر کی جائے گی۔ وہ سپاہی اکثر ایسے مظلوم قیدیوں کے واقعات، اُن کی تکالیف کا ذکر، ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی باتیں بڑے کریہہ اور نامناسب الفاظ میں بیان کرتے رہتے۔ ہمیں یہ سب باتیں سن کر سخت روحانی تکلیف محسوس ہوتی۔ اگرچہ گرفتاری کے بعد جیل کے حالات سے دوچار ہو کر ہم نے اپنے آپ کو ہر قسم کی اذیت بخش موت کے لیے تیار کر لیا تھا۔ مگر مرنے کے بعد اپنی میت سپرد آتش کیے جانے کے خیال سے ایک قسم کی ذہنی کوفت محسوس کرتے تھے، لیکن ایک دن "قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراہیم" کی تلاوت سے ہمارے تمام پریشان خیالات اور اضطراب طبع جاتا رہا۔ اب ہم اس سُنتِ ابراہیمیؑ

کی تکمیل کے لیے بھی بالکل تیار تھے"

حضرت قید کے ایام میں راتوں کو بہت کم نیند فرماتے تھے۔ پہرہ دینے والے سپاہیوں کی سخت ڈیوٹی دیکھ کر آپ کی نرم اور گداز طبیعت پر بہت اثر ہوتا۔ آپ سمجھتے یہ تو انسانوں کی نوکری میں اس قدر مستعد ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رب ارحم الرحمین کی حاضری سے غافل ہیں۔ چنانچہ رات رات بھر آپ جاگ کر یاد الٰہی میں گذار دیتے تھے۔

ایک رات پہرہ دینے والے سپاہی کی مترنم آواز سے آپ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ شعر بڑی درد انگیز لے میں گا رہا تھا۔

اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الْوَکِیْل

اَنْتَ شَافِیْ، اَنْتَ کَافِیْ، فِیْ مُہِمَّاتِ الْاُمُوْر

اس شعر کے سنتے ہی آپ کی طبیعت سے بہت سا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ خدا جانے گانے والا سپاہی تھا۔ یا سپاہی کے بھیس میں فرشتۂ تلقینِ صبر و رضا۔ بعد میں آپ خود بھی یہ شعر اکثر گنگنایا کرتے تھے۔

نُور محل (جالندھر) میں نظر بندی کے احکام

ستائیس یوم کی قید با مشقت کے بعد حضرت اور مولانا عبدالقادر مرحوم کو جالندھر شہر کی حوالات میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں اس تحریک کے اور بھی قیدی موجود تھے۔ غالباً ان کا آپس میں تعلق اور رابطہ معلوم کرنے کے لیے ایک دن شام کو تمام قیدیوں کو باہر میدان میں نکالا گیا۔ گرفتار شدگان میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ بھی تھے۔

• عصر کے وقت داروغہ جیل کے حکم سے آپ کو باہر نکالا گیا تو آپ نے دیکھا کہ کچھ دور داروغہ کے پاس آپ کے شیخ حضرت دین پُوری نوراللہ مرقدہٗ بھی تشریف فرما ہیں۔ اس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے شیخ بھی اس مقدمہ میں گرفتار ہیں۔ اس سے پیشتر آپ کو ان کی گرفتاری کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ حضرتؒ (لاہوری) نے دور ہی سے ان کی زیارت کی (مردِ مومن ص ۳۹)

حضرت لاہوریؒ فرماتے تھے کہ جونہی مَیں نے حضرت کو دُور سے دیکھا قدم بوسی کے لیے دل میں تڑپ پیدا ہوئی، لیکن مَیں ابھی دو قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ حضرتؒ نے میری طرف نگاہ فرمائی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے سینے پر کسی نے زور سے ہاتھ مار کر پرے دھکیل دیا ہے میں سمجھ گیا کہ ملاقات خلافِ مصلحت ہے اس لیے نلکے پر پانی لینے چلا گیا، مگر اس دوران حضرتؒ کی ایک ہی نگاہ کیمیا اثر اپنا کام کر گئی تھی اور میرے دل و دماغ سے رنج و الم کے تمام بادل چھٹ گئے تھے۔

اس حوالات سے حضرتؒ اور آپ کے دیگر رفقاً کو ہر روز ایک عدالت میں پیش کیا جاتا تھا جہاں ان سے بیانات لیے جاتے اور مختلف سزائیں سنائی جاتی تھیں۔ عدالت میں حضرتؒ سے جو سوال وجواب ہوئے ان کی نوعیت کچھ اس قسم کی تھی۔

عدالت: آپ کے خلاف ملک معظم شہنشاہ ہند اور سرکارِ انگریزی سے بغاوت اور غداری کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ آپ کے دونوں ساتھیوں نے بھی اعترافِ جرم کر لیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟

حضرتؒ: میرے رفیقوں نے اگر اعترافِ جرم کر لیا ہے اور ان کا دماغ چل گیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مجھ پر بغاوت کا الزام محض ایک الزام ہے۔

عدالت: مولوی عبیداللہ کی باغیانہ سرگرمیوں کے متعلق تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟

حضرتؒ۔ مولوی عبیداللہ میرا مرید ہے۔ اس کا میرے ساتھ روحانی تعلق ہے۔ دنیوی معاملات میں آپ اسے اچھی طرح جانتے ہوں گے۔

عدالت: عبیداللہ اب کہاں ہے؟

حضرتؒ: مجھے کیا علم کہ وہ کہاں پھر رہا ہے؟

عدالت: سُنا ہے وہ کابل میں ہے؟

حضرتؒ: آپ نے ٹھیک ہی سُنا ہوگا۔

عدالت: کیا یہ صحیح ہے کہ کابل بھاگ جانے سے پہلے وہ آپ کے پاس ایک مہینہ کے قریب ٹھہرا تھا؟

حضرتؒ: جی ہاں! وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، اور عام طور پر اس مہینے میں میرے پاس مرید دور دور سے آکر ٹھہرا کرتے ہیں۔

عدالت، مولوی عبید اللہ نے آپکے نام ریشمی خط بھیجا تھا؟

حضرتؒ: اس سلسلے میں پولیس خانہ تلاشی اور پوری تفتیش کر چکی ہے۔

عدالت: ریشمی خطوط میں "خدائی فوج" کا جو اعلان کیا گیا ہے۔ اس میں آپ کا عہدہ لیفٹیننٹ جنرل کا ہے۔ آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں؟

حضرتؒ: میں اسی نوے سال کا ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ اگر یہ اسکیم ہے تو اس کا بودا پن ظاہر ہے۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے!

غرض اس طرح کے سوالات و جوابات کے بعد، عدالت نے آپ کو نور محل (جالندھر) میں نظر بند کیے جانے کا حکم دے دیا۔ اور آپ کے رفقا میں سے مولوی عبد القادر مرحوم کو سرسہ اور مولوی عبد اللہ لغاری کو نامعلوم مقام پر بھیج دیا گیا۔ عدالت نے دوران نظر بندی تیس روپے ماہوار اور ایک ملازم دینے کا بھی اعلان کیا۔ حضرتؒ نے اعتراض فرمایا کہ یہ خرچ بہت تھوڑا ہے۔ تیس روپے تو میرا ایک وقت کا خرچ ہوتا ہے۔ اس پر عدالت نے بتایا کہ وہ مجبور ہے۔ اس سے زیادہ نہیں دے سکتی کیونکہ اوپر سے اس قدر منظوری ہوئی ہے۔

نظر بندی

نظر بندی کے احکام کے بعد، آپ کو نور محل (جالندھر) بھیج دیا گیا۔ مقامی پولیس نے آپ کی رہائش کا انتظام کیا۔ اب حضرتؒ صرف اس شہر کی حدود میں آجا سکتے تھے۔ ابتدا میں ملنے ملانے پر بھی نگرانی ہوتی تھی۔ پابند کیا گیا تھا کہ روزانہ پولیس تھانہ میں حاضری دیا کریں، لیکن حضرتؒ ایک دن بھی حاضری لگوانے نہیں گئے۔ آپ عموماً اپنی قیامگاہ پر رہتے۔ نمازیں قریبی مسجد میں ادا کرتے۔ جمعہ نماز کے لیے شہر کی جامع مسجد میں تشریف لے جاتے۔ آپ کے کھانے کا انتظام حکومت سے دیا ہوا ملازم کرتا تھا اور خود ہی کھانا پکاتا تھا۔ غالب خیال یہ ہے کہ وہ نمازی اور دیندار ہوگا۔ کیونکہ حضرتؒ کسی بے نمازی کے ہاتھ کی تیار کردہ

کوئی شے استعمال نہیں کرتے تھے۔ حضرتؒ کھانے پینے کے سلسلے میں کوئی توجہ نہیں دیتے تھے مگر ملازم اس معاملے میں بہت ہوشیار تھا چٹپٹی اور خوب نمک مرچ والی مصالحہ دار غذا کھانے کا شوقین تھا۔ اکثر اسے جس چیز کے کھانے کا شوق ہوتا حضرتؒ سے اس کے پکانے کے متعلق پوچھتا۔ حضرتؒ ہاں کہہ دیتے۔ آپ چونکہ زیادہ نمک مرچ اور مصالحہ پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اکثر کھانا نہ کھاتے مگر اُسے زجر و تنبیہ بھی نہ فرماتے۔ اس لیے وہ اکیلا خوب مزے لے لے کر کھانا کھاتا۔ بعد میں دین پور شریف سے رابطہ قائم ہونے پر حضرتؒ کے ہاں یہاں سے بھنے ہوئے چنے میٹھی روٹیاں گڑ شکر گھی اور دیگر اشیاء بھیجی جاتیں۔ حضرت وہ بھی خود کم استعمال کرتے مقامی دینی مدرسہ میں دے دیتے یا مساکین میں تقسیم کر دیتے۔

پہلے پہلے یہاں (نور محل میں) حضرت ایک اجنبی تھے اور لوگوں سے میل جول بھی کم تھا۔ یہاں کے لوگ آپ کی شخصیت سے متعارف نہ تھے کوئی مسافر یا پردیسی بزرگ خیال کرتے تھے۔ ایک دن آپ مسجد میں نماز پڑھ کر آ رہے تھے۔ راستے میں ایک بوڑھی عورت ملی اس نے آپ کو ایک پیسہ دیا اور کہا کہ اس کی نسوار لے لینا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ اماں! میں تو نسوار نہیں لیا کرتا۔ بوڑھی عورت نے کہا۔ تو پھر کوئی اور چیز لے لینا۔ آپ نے وہ "پیسہ" اپنے پاس رکھ لیا۔

آپ کی پُرکشش اور مقناطیسی شخصیت دیر تک اہلِ شہر سے مخفی نہ رہی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں بھی آپ کا حلقۂ ارادت پھیلتا چلا گیا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا۔ شہری عوام کے علاوہ پولیس کے کئی ملازم سب انسپکٹر اکرم خان بھی آپ کے مرید ہو گئے۔ جس وقت آپ وہاں سے رہا ہو کر آ رہے تھے تو لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔ نظربندی کے دوران مولوی فقیر اللہ صاحب نے (جو غالباً جالندھر کے تھے، عالم دین اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے) دین پور آ کر حضرتؒ کی اطلاع دی تھی اور رابطہ قائم کیا تھا۔ مولانا موصوف جالندھر کے کسی چک میں رہتے تھے تحریک

سے وابستہ تھے اور دورانِ نظر بندی حضرتؒ کی خورونوش اور ضروریات کا خیال فرماتے تھے۔

رہائی اور دین پور شریف تشریف آوری

نور محل (جالندھر) میں مکمل چھ مہینے کی نظر بندی کے بعد وائسرائے ہند نے اچانک آپ کی رہائی کے احکام جاری کر دیئے اور صوبائی حکومت نے سب انسپکٹر اکرم خاں کی زیرِ حفاظت آپ کو دین پور شریف بھیج دیا۔ آپ کی اس غیر متوقعہ ڈرامائی رہائی سے متعلق ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کی گرفتاری اور نظر بندی سے جماعت اور عوام کے اندر حکومت برطانیہ اور ریاست بہاولپور کے حکام کے متعلق شدید ردِّعمل پیدا ہوا۔ نفرت بے چینی اور غم و غصہ کے جذبات لوگوں کے دلوں میں پرورش پانے لگے۔ جن سے ایک عام بغاوت اور شورش برپا ہونے کے امکانات ظاہر ہونے لگے۔ سی آئی ڈی اور مقامی حکام حکومت کو برابر اس نازک صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ سر مولوی رحیم بخش مرحوم (ریذیڈنٹ ریاست بہاولپور) اور سردار بہرام خان مرحوم نواب آف رجھان حضرت کے عقیدت مند تھے۔ گو وہ سرکاری آدمی تھے، مگر وہ بھی حضرتؒ کی اس گرفتاری اور نظر بندی سے ناخوش تھے۔ ادھر خود حالات ان کے قابو سے باہر ہو رہے تھے۔ چنانچہ ان ہر دو صاحبان نے دِلّی میں منعقدہ والیان ریاست کی ایک میٹنگ میں "وائسرائے ہند" کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور زور دیا کہ وُہ اپنے اختیاراتِ خصوصی کے ذریعے حضرتؒ کی رہائی کا آرڈر کر دے یہ بھی سُنا ہے کہ ان دونوں نے حضرتؒ کی آئندہ سیاسی سرگرمیوں سے لاتعلقی کی ضمانت بھی دی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد فوراً آپ کی رہائی کے احکام جاری کر دیئے گئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ سر مولوی رحیم بخش نے حضرتؒ کی رہائی سے قبل دین پور شریف اطلاع بھیج دی تھی کہ "حضرتؒ عنقریب رہا کر دیئے جائیں گے۔" دین پور شریف، تشریف آوری کے بعد بھی کافی عرصہ تک

حضرتؒ کی ڈاک سنسر ہوتی رہی۔ نیز آپ کو علاقہ پابند کیا گیا تھا۔ ۵ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ (اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء) کے ایک مکتوب میں اپنے چچازاد بھائی حاجی محمد بخش مرحوم آف جھنگ کو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اب ہمارے خطوط ڈاکی بالا بالا راہ راست اس جگہ آتے ہیں۔ سنسر میں ملاحظہ کے لیے نہیں جاتے اور ہماری محدودی بدستور باقی ہے۔ یعنی تاحال جماعت کو کہیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہے) حضرت دین پوریؒ کی رہائی کے کچھ عرصہ بعد آپ کے رفیق مولانا عبدالقادر مرحوم کو بھی رہا کر دیا گیا۔

حضرت دین پوریؒ کے متعلق محکمہ خفیہ کی یادداشت

مقدمہ ریشمی خطوط اور تحریک کے سلسلے میں محکمہ خفیہ نے "کون کیا تھا؟" کے عنوان سے ایک الگ یادداشت ڈائری تیار کی تھی۔ جس میں ان تمام لوگوں کے نام اور واقعات کا مختصر ذکر کیا گیا تھا جو سی آئی ڈی کے علم میں آئے تھے۔ اس ڈائری میں حضرتؒ کے متعلق سی آئی ڈی نے مندرجہ ذیل رپورٹ مرتب کی تھی

۴۴۔ غلام محمد صاحب مولانا آف بہاولپور۔ پسر حاجی نور محمد۔ یہ خاندان ابتداً میں ضلع جھنگ کے مقام الہمار (عالماں) میں رہتا تھا، لیکن پچاس برس گذرے۔ ریاست بہاولپور میں متوطن ہو گیا تھا۔ مولوی غلام محمد دین پور علاقہ بہاولپور میں ۱۸-۱۹ برس سے مقیم ہے۔ وہ ایک بااثر پیر ہے اس کے پیرو کافی زیادہ تعداد میں مغربی پنجاب۔ سندھ اور بہاولپور میں ہیں۔ غلام محمد اور عبیداللہ دونوں مرحوم پیر محمد صادق آف بھرچونڈی ضلع سکھر (سندھ) پیر محمد صدیق صحیح ہے۔ غالباً انگریزی سے اردو ترجمہ میں غلطی ہوئی ہے) مولوی غلام محمد، پیر محمد صادق کا بھی خلیفہ ہے۔ مولوی عبداللہ سندھی جو مارچ ۱۹۱۶ء میں عبیداللہ اور بعض دوسرے ہندوستانی سازشیوں کے خطوط لے کر ہندوستان آیا تھا۔ اس کو ہدایت تھی کہ پیر غلام محمد کو افغانستان لائے۔ لیکن آخرالذکر سفر کی مشکلات

اور دشواریوں کی وجہ سے یہ سفر نہیں کر سکا لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے امیر کو خط لکھا تھا کہ اس نے حلف لے لیا ہے اور جب بھی ہندوستان پر حملہ ہوگا وہ ہر امکانی مدد کرے گا۔ بلوچستان میں ۱۹۱۵ء میں جو جنگ ہوئی وہ اس کی کوششوں کا نتیجہ بیان کی جاتی ہے، لیکن اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا کچھ عرصہ تک اسے جالندھر کے گاؤں نور محل میں پابند رکھا گیا تھا۔ اب وہ بہاولپور کے مقام دین پور میں ہے۔ جہاں اس کی نقل و حرکت پر پابندی ہے۔" جنود ربانیہ" کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل" ہے۔

تحریک شیخ الہندؒ ص ۴۲۳

تحریک خلافت

پہلی جنگ عظیم میں ترک اور جرمن کی شکست نے بین الاقوامی سیاسی حالات پر جو اثر مرتب کیا، وہ اس قدر شدید تھا کہ تقریباً تمام دنیا میں اس کا ردِ عمل محسوس کیا گیا، روس، ترکی، افغانستان اور حجاز میں انقلاب برپا ہوئے۔ جنگ اور مابعد جنگ سے یورپ نیم جاں ہو گیا تھا۔ دنیا کا ہر ملک انقلابی جھٹکے محسوس کر رہا تھا اور محکوم قومیں اپنے اندر آزادی کے جراثیم پالنے لگی تھیں۔ ریشمی خطوط کی تحریک جن حالات و واقعات کے تابع ختم ہوئی تھی اور ممالکِ اسلامیہ کی زبوں حالی، باہمی خلفشار اور خانہ جنگی نے پاک و ہند کے عوام خصوصاً مسلمانوں پر جو شدید اثر ڈالا تھا وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ برطانوی سامراج سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی جائے۔ چاہے وہ پُر امن جدوجہد (گفتگو و بات چیت) کے ذریعے ہو۔ یا لاقانونیت دہشت گردی اور جنگ کے ذریعے۔ تحریک ریشمی خطوط (یا تحریک آزادی) نے اگر کوئی اور نمایاں کامیابی حاصل نہ کی ہو مگر یہ بات مسلّم ہے کہ اس تحریک نے غلام ہندوستان کے عوام کو ظالم و جابر برطانوی سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ بخش دیا تھا۔ بوریا نشین علماء اور صوفیائے قوم کے اندر اس قدر جرأت و ہمت پیدا کر دی تھی کہ اب وہ اپنے حقوق کی بات کرنے لگی تھی ہر حرکت

ٹوٹ گئی تھی اور ایک عام بیداری کی لہر پیدا ہو رہی تھی۔ انگریز بہادر کا وہ ہوّا، اور خوف و دہشت جو عوام کے دل و دماغ پر مسلّط تھی۔ وقت کے ان کلیموں (علماء و صوفیاء) نے اپنی ایک ہی ضربِ عصا سے طلسم سامری کی طرح پاش پاش کر دی تھی۔ کیا یہ تحریک ریشمی خطوط کے فوائد و اثرات نہ تھے؟

بیسویں صدی کی یہ وہ دہائی ہے جو اس ہنگامہ خیز و حشر بداماں دور میں علماء نے پھر سے اپنی صفوں کو درست کیا۔ جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ کانگرس، خلافت پارٹی اور کئی نئی جماعتیں نئے جذبوں اور ولولوں کے ساتھ میدانِ عمل میں آئیں۔ یہی وہ دور تھا جب ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ ہندو اور مسلم چوٹی کے لیڈر ایک ساتھ دورے کرنے لگے اور گاندھی کہتا تھا کہ میں تو مولانا محمد علی کی جھولی کا ایک مہرہ ہوں۔ ادھر قدیم و جدید، دیوبند اور علیگڑھ کو ملانے کی شیخ الہندؒ کی سابق اسکیم کو پھر سے نئے خطوط پر منظم کیا جانے لگا۔ جامعہ ملیہ جیسی درس گاہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کیسے ممکن تھا کہ ان حالات و واقعات کو دیکھ کر حضرت دین پوریؒ اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لاتے اور خاموش تماشائی بن کر رہ جاتے۔ چنانچہ آپ نے وقت کی ان تمام مثبت تحریکوں کا نہ صرف ساتھ دیا بلکہ پوری طرح رہنمائی فرمائی۔ خلافت اور ترک موالات میں سرگرم حصہ لیا۔ جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ حضرت امروٹیؒ، مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا شوکت علی۔ ظفر علی خان اور ہند کے دوسرے چوٹی کے لیڈروں سے مشورت اور ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ جماعت کا عام ذہن جو پہلے اتحادِ عالم اسلامی اور تحریکِ آزادی کے لیے تیار کیا ہوا تھا۔ انگریز دشمنی اور غلامی کے خلاف نفرت و غیظ و غضب سے مملو ہو گیا تھا۔ اور حضرتؒ نے اپنی ظاہری سرگرمی اور باطنی تصرف سے جماعت کے اندر آزادی کی روح پھونک دی تھی۔ افرادِ جماعت کو نظم و ضبط اور جماعتی زندگی کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ کوئی شخص بھی جماعت سے الگ رہ کر نہیں سوچ سکتا تھا۔ تحریکِ خلافت میں

حضرتؒ نے اپنے نوجوان عنصر کو بھی شامل کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ میاں عبدالہادی صاحب اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ خان پور ریلوے اسٹیشن سے گذرنے والے لیڈروں کو حضرتؒ عموماً کھانا بھیجا کرتے تھے جو حضرت صاحبزادہ صاحب لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ گاندھی جی کے پاس بکری کا دودھ بھیجا تھا۔

حضرت دین پوریؒ کی صاف ستھری اور سادہ سیاست پر اگرچہ مخالف سے مخالف تر آدمی بھی نکتہ چینی نہیں کر سکتا تھا، مگر بعض سرکار پرست لوگ ایسے بھی تھے جو حضرتؒ کی ان سرگرمیوں کو اپنے مفاد کے خلاف خیال کرتے ہوئے انگریز بہادر کی خوشنودی جزو ایمان سمجھتے تھے اس لیے وہ خفیہ اور اعلانیہ اکثر حضرتؒ کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ جو بعض اوقات مذہبی تنازعات کی صورت میں اور کبھی دنیوی معاملات کی شکل میں ہوتی رہتی تھی۔ مخالفتوں اور عداوتوں کا یہ سلسلہ یہاں تک پھیل گیا کہ بعض خوشامد پرست وکاسہ لیس مصاحبوں نے حضرتؒ کے خلاف ریاست بہاولپور کے نوجوان نواب کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ حضرتؒ کو ریاست بدر کر دیا جائے کیونکہ اس سے سرکار انگریزی کی نگاہ میں ہماری وفاداری معتبر ہو جائے گی اور ریاست کو اس سے کئی سیاسی فائدے حاصل ہوں گے۔ نواب صاحب (مرحوم) پہلے تو ان لوگوں کی باتیں سنتے رہے۔ لیکن جب ان کی بیہودہ گوئی حد سے بڑھ گئی تو انہوں نے ایک ہی جملہ کہہ کر تمام مخالفین کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی زبانیں بند کر دیں؛ فرمایا، "میری ریاست میں ایک ہی تو اللہ والا بیٹھا ہے تم چاہتے ہو کہ اس کو بھی ریاست بدر کر دوں؟"

حادثے کا سال

سنہ ۱۹۱۸ء کا سال پاک و ہند میں اس لیے بھی یادگار ہے کہ اس سال تمام ملک میں طاعون کی وبائی مرض پھیل گئی تھی اور اس بیماری کا حملہ اسقدر

شدید تھا کہ کثرت اموات سے بستیاں اور شہر خالی ہو گئے تھے۔ چنانچہ دین پور شریف میں بھی اس مرض سے کئی اموات واقع ہوئیں۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ بی بی صاحبہ اور کئی نوجوان عزیز فوت ہوئے۔ جماعت کے بڑے بڑے سرکردہ اصحاب نے انتقال کیا، چنانچہ ان صدمات وحادثات کی وجہ سے یہ سال ہمیشہ کے لئے "حادثہ کا سال" مشہور ہو گیا۔ خان سردار خان کھوسہ (ڈیرہ غازیخان) کے نام حضرتؒ اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں :

"جملہ مراسلات آں مخلص جماعت ورود نمودند مگر بباعث شدت بیماری کہ زمرۂ جماعت باآں مبتلا بودند، جواب کافی وافی بہ تحریر نہ پیوستہ، کشیدہ خاطر نہ شوند۔ اکثر افرادِ جماعت بیرون واندرون بعارضہ بیماری چندے تکلیف مزید مقید ماندند چنانچہ از جماعت اندرون برخوردار میاں عبدالرحمٰن ووالدہ میاں عبدالہادی رحلت گزین جنت بریں شدہ اند واز جماعت بیرون میاں مرید احمد وحافظ نورالدین صاحب در وطن اصلی خود انتقال دار ندہ اند وباقی بسیار کساں از خیر خاہاں ایں جماعت از قریب، ابعید، راہی جنت الفردوس گردیدہ اند۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۰"

عقد ثانی

حضرتؒ کی پہلی رفیقۂ حیات (بی بی ام المساکینؒ) کے سانحۂ ارتحال سے اندرون جماعت لنگر کے کاروبار انتظام مہمانوں اور فقرا کی خدمت مدارت کا تمام نظام درہم برہم سا ہو کر رہ گیا۔ حضرتؒ کی خانگی زندگی کے علاوہ، اندرون جماعت تبلیغ وارشاد اور تلقین وعمل کے کاموں میں حضرتؒ کے مشن کو بہت دھکا پہنچا تھا۔ چنانچہ جماعت اور متعلقین نے بہت جلد شدت سے یہ کمی محسوس کی اور حضرتؒ کو مجبور کرنے لگے کہ آپ عقد ثانی فرمالیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہجرت کابل کے وقت اپنی صاحبزادی مولانا عبدالقادر مرحوم کی تولیت وسرپرستی میں چھوڑ گئے تھے۔ جو جوان عالمہ فاضلہ اور ہر لحاظ سے اس عظیم منصب کے اہل تھیں۔ قدرتی طور پر تمام جماعت کی

نگہہ انتخاب ان پر پڑی۔ آخر مولانا عبدالقادر مرحوم کی تحریک پر ۱۹۱۹ء میں حضرتؒ کا نکاح ثانی
اس نیک بخت خاتون کے ساتھ پڑھا دیا گیا۔ ان کے بطن میں سے حضرتؒ کے دو صاحبزادے
میاں عبدالحق و میاں ظہیر الحق ہوئے۔ اول الذکر کم سنی میں فوت ہو گیا تھا۔ میاں ظہیر الحق صاحب
ماشاء اللہ عالم با عمل اور نیک انسان ہیں۔ والدہ محترمہ کے ہمراہ (دین پور کالونی) خان پور میں رہتے
ہیں۔ جلاوطنی سے واپسی پر مولانا سندھیؒ نے مولانا عبدالقادر مرحوم اور جماعت کے اس
اقدام کو بہت سراہا تھا اور اس نسبت سے بہت خوش تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "میرا اب ریاست
بہاولپور کے ایک خاندان سے علاوہ دینی رابطہ کے ایک طرح کا رشتہ بھی قائم ہو چکا ہے۔ اس
لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ریاست اچھی طرح ترقی کرے۔ (پمفلٹ جمعیۃ الانصار دین پور ص۲)
مولانا مرحوم واپسی پر کبھی اپنی صاحبزادی کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈالتے تھے ہمیشہ باادب ہو کر اور سر
جھکا کر ملتے تھے۔ فرماتے تھے کہ بیٹی! اب تو صرف میری بیٹی نہیں ہے۔ میرے مرشد کی اہلیہ بھی ہے؛
اس لیے مجھے تجھ کو ملتے ہوئے حیا آتی ہے۔"

حضرت شیخ الہندؒ کی دین پور شریف میں آمد کا پروگرام

۸، جون ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ
اسارت مالٹا سے رہا ہو کر ساحل بمبئی پر پہنچے تو تمام ملک میں آپ کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ مبارکباد،
خوش آمدید، اور تہنیتی پیغامات کے علاوہ جلسوں اور جلوسوں سے خطاب کا سلسلہ چل نکلا۔
حضرت شیخؒ اسارت سے پہلے بھی کچھ ایسے زیادہ تندرست نہ رہتے تھے مگر قید فرنگ کے
بعد تو آپ کی صحت بالکل بگڑ گئی تھی۔ ہجوم غم و افکار اور قومی کاموں میں مسلسل انہماک اور مصروفیت
نے آپ کے جسم و جاں کو بالکل گھلا کر رکھ دیا تھا اور آپ کا وجود ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گیا تھا
گویا مرض موت شروع ہو گئی تھی، مگر آزادی کی تڑپ اور لگن تھی کہ مثل سیماب ہر وقت بے قرار

رہتے تھے اس وقت خلافت کی تحریک زوروں پر تھی۔ کئی مرتبہ فرمایا کہ اگر اس مرض سے اچھا ہو گیا، تو اس تحریک کی اشاعت سے سارے ہندوستان کا دورہ کروں گا۔" ادھر قدیم و جدید (انگریزی و عربی خوانوں) کو ملانے کی اسکیم زیر عمل تھی۔ بیماری و نقاہت کے باعث جہاں چل کر نہیں جا سکتے۔ چارپائی پر خود کو اٹھوا کر لے جاتے تھے۔ خطبہ و تقریر خود نہیں پڑھ سکتے تھے تو کسی خادم سے پڑھواتے تھے۔ حضرت دین پوریؒ نے آپ کے پاس علما کا ایک وفد بھیجا۔ یہاں کی چند مسواکیں تحفہ میں ارسال کیں اور کہلا بھیجا کہ حضرت! پوری جماعت اور یہاں کے درو دیوار آپ کے لیے چشم براہ ہیں۔" مسواکیں لے کر دیر تک آنکھوں سے لگاتے رہے اور فرمایا" میں دین پور شریف ضرور حاضری دوں گا۔" چنانچہ انتظامات شروع ہو گئے۔ وہاں سے تاریخ بھی مقرر ہو کر آ گئی۔ حضرت شیخؒ نے اپنی تشریف آوری کی اطلاع بھی دے دی تھی۔ حضرتؒ آپ کی ملاقات کے لیے بہت بے چین رہتے تھے اور دن گنا کرتے تھے۔ ایک دن، حضرتؒ بستی "درخواست" کے بعض خدام کی دعوت پر گئے ہوئے تھے، مولانا عبدالرزاق مرحوم (دجوی) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؒ سے اپنا ایک خواب بیان کیا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نابینا ہو گئے ہیں۔" حضرتؒ نے جونہی خواب کی تفصیل سنی۔ آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ دیر تک گریہ فرماتے رہے۔ پھر جماعت کو واپسی کا حکم دیا اور اپنے مستقر پر واپس آ گئے۔ شام کو اطلاع ملی کہ شیخ الہند انتقال فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون۔ اس طرح حضرت شیخ الہندؒ کی دین پور شریف حاضری کا پروگرام بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ حضرت دین پوریؒ حزن و ملال کی تصویر بن کر رہ گئے۔

بہار اب آ کے کیا کرے گی کہ جن سے تھا جشنِ رنگ و نغمہ

وہ گل سرِ شاخ جل گئے ہیں، وہ دل تہِ دام بجھ گئے ہیں

مدرسہ صدیقیہ راشدیہ کا قیام

قرنِ اول سے تاریخ اسلام میں مسجد و مکتب کی اہمیت مسلّم چلی آتی ہے۔ ہر زمانے میں مساجد، و خانقاہوں اور مدارس نے مسلمانوں کی ذہنی، اخلاقی اور سیاسی معاملات میں رہنمائی علم و عرفان کی تقسیم اور تزکیہ و تربیت کے ذریعے انقلاب آفریں خدمات انجام دی ہیں۔ پاک و ہند میں مذہب حقہ کی اشاعت و تبلیغ میں خانقاہی نظام نے جو شاندار کردار ادا کیا ہے وہ شرف کسی دور کے مسلم بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ ابتداً میں مساجد علوم ظاہری و باطنی کا مرکز ہوا کرتی تھیں۔ پھر خانقاہوں نے یہ کام سنبھال لیا تو مسجد و مدرسہ ان میں ضم ہو گئے اور خانقاہیں وہی خدمت سر انجام دینے لگیں جو کسی دور میں مسجد و مدرسہ انجام دیتے تھے۔ اب مصلحت وقت اور ماحول کے تحت صرف نام بدل گیا تھا اور کام وہی ہو رہا تھا۔ ہم بعد کی بات نہیں کرتے لیکن پاک و ہند کی وہ کونسی خانقاہ ہے جہاں شریعت و طریقت، مذہب و سیاست، پہلے پہل ایک ساتھ نہیں چلتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جس تحریکِ اصلاح کا بیڑہ اٹھایا تھا اور حضرت شاہ ولی اللہؒ اور آپ کے خانوادہ نے ملک و ملت کے لیے جو راہِ عمل تیار کی تھی کیا یہ سب کچھ مدرسۂ خانقاہ کی پیداوار نہ تھی؟ یقیناً تھی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں عملی جد و جہد کے ساتھ ہر تحریک کی ایک مرکزی درسگاہ (یا تربیت گاہ) بھی کام کرتی رہی ہے۔ تحریک شیخ الہندؒ میں دیوبند اور اس کے زیر اثر مکاتب و خانقاہوں نے کام کیا۔ دار الرشاد، بیت الحکمت، نظارۃ المعارف، جمعیۃ الانصار (دیوبند کے اولڈ بوائز) اور آخر میں جامعہ ملیہ اور بیسوں چھوٹے چھوٹے تعلیمی ادارے۔ کیا یہ محض عربی پڑھنے اور سیکھنے والوں کے مدرسے تھے؟ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ خود قادری راشدی بزرگان کی خانقاہیں کیا پوری طرح مسجد و مدرسہ کی تصویر نہ تھیں؟ غرض مدرسہ و خانقاہ میں یہ ربط و ضبط، یہ تعلق اور سلسلہ کوئی نئی یا عجیب بات نہیں ہے۔ حضرت دین پوریؒ نے بھی یہ ضرورت

دین پور شریف کے قیام کے ساتھ مخصوص کی تھی۔ چنانچہ مدرسہ تعلیم القرآن کا اجرا۔ اور قرآن مجید و بخاری شریف کے صبح و شام کھلے درس اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرتؒ اس اہم خدمت و فرض سے غافل نہ تھے۔ بڑے بڑے علماؑ کے ہجوم کی وجہ سے قریۂ دین پور کی فضا کبھی اور کسی وقت بھی قال اللہ و قال رسول اللہؐ کے دلنواز نغموں سے محروم نہیں رہی ہے۔ خانقاہ میں صرف باطنی تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں تھا۔ علوم شرعی و ظاہری بھی پڑھائے جاتے تھے۔ خانقاہ میں مقیم ہر فقیر طالب علم ہوتا تھا۔ اور مکمل کلاسیں لگتی تھیں، مگر یہ پہلے کی بات ہے۔ بعد میں یہ انتظام خاص بھی کر دیا گیا اور باقاعدہ طلباؑ کی تعلیم و تدریس کا کام ہونے لگا۔ تحریکِ آزادی (ریشمی خطوط) سے پیدا شدہ حالات و حادثات کے بعد، بانیانِ تحریک نے منتشر جمعیت کو اکٹھا کرنے اور درسگاہوں کی تنظیمِ نو کی طرف خاص طور پر اپنی توجہات اور قوتیں صرف کر دیں۔ چنانچہ حضرتؒ نے بھی اس طرف بطور خاص توجہ فرمائی۔ اور اپنے مشن (تحریک) کو آگے بڑھانے اور اپنے بزرگوں کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے ۱۹۲۲ء میں اپنے مرشد حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق بھر چونڈیؒ اور اپنے دادا پیر حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ (درگاہ پیر پگارہ) کے نام پر ایک عربی مدرسہ "صدیقیہ راشدیہ" باقاعدہ قائم کیا اور مدرسہ کے تمام تر اخراجات اپنے ذمے لگا لیے۔ دین پور شریف میں مدرسے سے قبل اور بعد میں جن مشہور بڑے بڑے روشن ضمیر علماؑ نے تعلیم و تدریس کا کام کیا ان میں مولانا عبد القادر مرحوم دین پوری، مولانا عبد الغفور حاجی پوری (شاگرد شیخ الہندؒ) مولانا عبد اللہ لغاریؒ (شاگرد مولانا سندھیؒ) مولانا غلام صدیق حاجی پوری (شاگرد انور شاہؒ) مولانا عبد اللہ درخواستی مدظلہ اور مولانا عبد الرزاق بھٹیؒ جیسے مخلص اور باخدا عالم دین موجود تھے۔

آخری دور میں یہ مدرسہ حضرتؒ کے دینی اور سیاسی افکار و نظریات کی اشاعت کا ایک منظم ادارہ بن گیا تھا جس میں سے حضرت مولانا میاں عبد الہادی دامت برکاتہم جیسے شیخ طریقت

حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ جیسے یگانہ عصر حافظ الحدیث اور بیسیوں باکمال عالم دین بن کر نکلے۔

جس طرح دیوبند کے فاضل علماء نے دینی تعلیم اور اپنے فکر و نظر کے مدارس کا پورے ملک میں جال بچھا دیا تھا۔ اس مدرسہ کے فیض یافتہ بزرگوں نے بھی قریہ قریہ مدرسے اور مکتب کھول کر حضرتؒ کی تعلیمات کو عام کیا اور اشاعت دین میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ مخزن العلوم خان پور اسی ادارہ کی قائم کردہ ایک روشن مثال ہے۔ حضرت دین پوریؒ کے صحبت یافتہ اور اسی مدرسہ کے تربیت یافتہ بطل جلیل مولانا عبداللہ درخواستی کی ذاتِ گرامی نے اپنے مرشدؒ کے اس مشن کو اس قدر آگے بڑھایا اور اس قدر قدیم و جدید کے درس قائم کئے کہ پورے ملک میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بلا مبالغہ بیسیوں چھوٹے بڑے مدارس کے آپ واحد سرپرست اور بانی ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم

(مختصر حالاتِ زندگی)

آپ ماہ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ بروز جمعہ اپنے آبائی گاؤں درخواست علاقہ خان پور (ضلع رحیم یار خان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد میانجی حافظ محمود الدین رحمۃ اللہ علیہ نہایت کامل بزرگ۔ اور باخدا انسان تھے اور حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خصوصی رکھتے تھے۔ چنانچہ اس ہونہار بچے کی تعلیم و تربیت ابتداء سے ہی حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے صلاح و مشورہ اور توجہ سے ہوتی رہی۔ آپ نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے نو برس کی عمر میں حفظ قرآن مجید کیا۔ فارسی و خوشنویسی مولانا احمد بخش صاحب اور کتب عربی کی تعلیم مولانا قادر بخش صاحب ملک پوری سے حاصل کی۔ دورۂ حدیث و تکمیل دین پور شریف میں حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام صدیق صاحب حاجی پوری کے ہاں ہوئی۔ دستار بندی کے موقعہ پر حضور مرشد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھی۔ اور ارشاد فرمایا کہ آئندہ آپ تعلیم و تدریس کا کام کیا کریں۔ حضور مرشد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے دستار فضیلت پاتے اور حکم ملتے ہی آپ نے تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا اور ہمہ تن اشاعت دین کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اس سلسلے میں کبھی لالچ یا طمع دنیوی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ ابتداءً تنگی اور عسرت کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور خالص بوجہ اللہ تعلیم و تدریس میں مشغول و مصروف رہے۔ قریۂ درخواست میں مخزن العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ جہاں درس نظامی اور دورہ حدیث کا مکمل انتظام تھا۔

بارہ سال مدرسہ مذکور میں کام کرنے کے بعد، آپ کچھ عرصہ دین پور شریف میں صاحبزدگان کی تعلیم و تربیت پر مامور رہے اور مرشدؒ کی صحبت کے مزے لوٹتے رہے۔ ملک غلام محمد باغبان اور مولانا نذیر احمد نقشبندی کی استدعا پر حضور مرشدؒ نے آپ کو احمد پور شرقیہ مسجد قبہ والی میں تدریس کے لیے بھیج دیا۔ وہاں تقریباً ایک سال کا عرصہ گذارا ہوگا کہ حضور مرشدؒ کا وصال ہوا۔ اور پھر چھ ماہ کے اندر والد بزرگوار بھی راہی جنت الفردوس ہوئے۔ ان جانکاہ صدمات سے نہایت دل برداشتہ ہوئے اور واپس اپنے مولد و مسکن قریہ درخواست آگئے۔ یہاں سے آپ مدرسہ شمس العلوم بستی مولویان اور بستی مومن موضع ٹڈالیاسس میں بھی کچھ عرصہ درس و تدریس کا کام کرتے رہے چونکہ یہ مدارس عموماً دیہات میں تھے اور دور دراز مقامات پر واقع تھے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک مرکزی درس گاہ کی بنیاد ڈالی جائے۔ چنانچہ جماعت اور احباب کے ایما پر آپ نے اپنا قدیمی مدرسہ مخزن العلوم قریہ درخواست سے خان پور منتقل کر دیا اور خود بھی مستقل اس مدرسہ کی مسند درس پر رونق افروز ہوگئے۔ مدرسہ مخزن العلوم آپ کی توجہات ظاہری و باطنی سے اس وقت پاکستان کی ایک مثالی درس گاہ ہے۔ جہاں ہر سال دورہ حدیث اور دورہ تفسیر قرآن مجید کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ حضرت درخواستی دامت برکاتہم بذات خود حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق پر تفسیر قرآن مجید پڑھاتے ہیں۔ یاد رہے کہ تفسیر میں آپ کو حضرت رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ (واں بھچراں) سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ تفسیر و حدیث کی پچاس سالہ خدمت کا نمایاں ثمر ہے کہ اس وقت پاکستان بھارت۔ بنگلہ دیش۔ افغانستان، ایران، عراق، جزائر شرق الہند، برما اور رنگون میں آپ کے لاتعداد شاگرد موجود ہیں۔ اور سینکڑوں چھوٹے بڑے عربی و دینی مدارس آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ تعلیمی و تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی تبلیغی و سیاسی خدمات کا بھی ایک زمانہ معترف ہے

آپ نہ صرف ایک بلند پایہ معلم، مفسر اور محدث ہیں بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے واعظ، مفکر، مبلغ اور مرشد بھی ہیں۔ تعلیم و تدریس کی مصروفیات کے ساتھ تبلیغی دوروں اور سیاسی کاموں میں بھی آپ کا مکمل انہماک دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ سیاسیات میں آپ نے پہلے پہل اپنے مرشد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی کام کیا۔ قبل ازیں تقسیم جمعیۃ العلماءِ ہند میں کام کرتے رہے۔ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری دورۂ ملتان و سندھ میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ جمعیۃ علماءِ اسلام سے منسلک ہوئے۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تمام علماءِ حق نے آپ کو جمعیت کا امیر مقرر کیا اور ابھی تک آپ متفقہ طور پر امیر مقرر ہوتے چلے آئے ہیں۔ لاریب اس وقت بھی آپ علمائے حق کی توجہات کا مرکز ہیں۔ ان خصوصیات کے علاوہ طریقت میں بھی ایک عظیم صوفی اور ایک باخدا انسان کی حیثیت سے آپ کا بلند مقام ہے۔ طریقہ قادریہ نقشبندیہ میں آپ کو حضرت مولانا عبدالہادی دامت برکاتہم سجادہ نشین دین پور شریف سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ غرض حضرت درخواستی دامت برکاتہم مجموعۂ کمالات و حسنات ہیں بقول میر بہ ادنیٰ تصرف

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع کے لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی آمد و رفت

حضرت دین پوریؒ کا اکابرین دیوبند سے مخلصانہ تعلق خاطر

خاص طور پر حضرت شیخ الہندؒ سے مراسم محبت کا تقاضا تھا کہ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد بھی یہ ربط و تعلق بحال رہتا۔ چنانچہ جانشین شیخ الہندؒ حضرت سید حسین احمد مدنیؒ نے

اس ضرورت کو خود محسوس کیا اور ۱۹۲۱ء میں جب آپ دیگر زعمائے ملت (ابو الکلام آزاد علی برادران اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی) کے ساتھ کراچی خلافت کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے تھے تو خان پور ریلوے اسٹیشن پر حضرت میاں عبدالہادی صاحب (خلف الرشید حضرت دین پوریؒ) سے فرمایا کہ واپسی پر دین پور شریف حاضری دیں گے۔" کراچی سے آپ نے اپنی آمد کی اطلاع بذریعہ ٹیلیگرام دیدی تھی، مگر ٹیلیگرام بروقت نہ ملا اور آپ خان پور اسٹیشن سے پیدل تشریف لے آئے۔ آپ کے ساتھ کچھ تبرکات اور سامان بھی تھا جو کسر نفسی و فروتنی کا یہ پیکر خود اٹھا کر لایا تھا۔ حضرت دین پوریؒ نے کمال عزت و اکرام فرمایا۔ آپ کا یہ قیام مختصر تھا۔ رات کی گاڑی سے چلے گئے۔ حضرتؒ نے دونوں وقت اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اور اسی موقع پر آپ کو طریقہ قادری نقشبندی" کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

دوسری بار حضرت مدنیؒ جب تشریف لائے تو اطلاع نہیں دی تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اس دفعہ بھی خان پور سے پیدل تشریف لائے۔ اس وقت حضرتؒ دوپہر کے وقت قیلولہ فرما رہے تھے۔ خانقاہ میں لوگ عموماً سو رہے تھے۔ یا حجروں میں بند تھے۔ حضرت مدنیؒ نے کسی کو اطلاع نہیں دی اور مدرسہ میں جا کر خس و خاشاک کے فرش پر سو گئے۔ ظہر کے وقت طلباء کو پتہ چلا تو حضرتؒ کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے ایک فقیر کو پانی کا لوٹا بھر کر دیا اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور حضرت کی بیداری کا انتظار کرو۔ جب آپ کی آنکھ کھلے تو وضو کے لیے پیش کرنا۔ یہ بھی تاکید فرما دی کہ بخود ہرگز نہ جگانا۔ چنانچہ وہ فقیر انتظار کرتا رہا۔ ادھر مسجد میں حضرتؒ معہ جماعت کے منتظر بیٹھے رہے ظہر کی نماز کا وقت آخری مثل میں چلا گیا تو اچانک حضرت مدنی کی جاگ کھلی۔ سایہ ڈھلتا ہوا دیکھ کر استغفر اللہ، استغفر اللہ، فرمانے لگے۔ سمجھے کہ نماز با جماعت سے رہ گئے۔ اتنے میں فقیر نے بڑھ کر عرض کی کہ حضرتؒ مسجد میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور ابھی نماز با جماعت نہیں ہوئی۔ یہ کہہ کر

وضو کے لیے لوٹا پیش کیا۔ حضرت شیخؒ جلدی سے وضو بنا کر مسجد میں تشریف لے گئے۔

ترکِ موالات کا زمانہ تھا۔ یہ اسی موقعہ کی بات ہے کہ مولانا غلام صدیق حاجی پوری مرحوم نے آپ کے نیچے ایک بہترین ٹکڑی دار نئی گلیم بچھانی چاہی تو آپ نے اسے کھینچ کر پرے کر دیا اور فرمایا کہ اس میں سودیشی کپڑا لگا ہوا ہے۔ حضرت مدنیؒ اس کے بعد بھی جماعت کے جلسوں میں شرکت فرماتے رہے تھے اور حضرت دین پوریؒ کا ادب و احترام اپنے شیخ کی طرح کرتے تھے۔ آپ کی اس آمد و رفت اور ربط و تعلق کا نتیجہ تھا کہ جماعت دین پور ہمیشہ دیوبندی فکر و نظر اور اصول سیاست سے منسلک رہی۔ حضرت دین پوریؒ کے وصال کے بعد حضرت مدنیؒ صرف ایک بار بلکہ اس علاقہ میں آخری بار تقسیم ملک سے قبل مارچ ۱۹۴۶ء میں تشریف لائے تھے۔ دین پور شریف میں غالباً ایک دو وقت قیام کرنے کا پروگرام تھا، مگر یہاں کے پُر سکون، سادہ دلفریب ماحول سے متاثر ہو کر اپنا ارادہ تبدیل کر لیا۔ حضرت میاں عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم کو بلا کر فرمایا کہ میں یہاں مزید قیام کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ تکلف یا تکلیف نہ ہو۔ حضرت سجادہ نشین دین پوری نے فرطِ جوش و مسرت سے فرمایا، حضرت یہاں آپ کی مرضی کے مطابق عمل ہو گا۔

اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے دین پور شریف میں تقریباً ہفتہ عشرہ قیام فرمایا۔ اسی موقعہ پر جب آپ کو حضرت دین پوریؒ کی تقسیم وراثت (جائیداد) کا حال معلوم ہوا، تو قدرے تأسف کے ساتھ فرمایا کہ میں فتویٰ نہیں دیتا، مگر میرے نزدیک میرے حضرتؒ کی تقسیم وراثت جائز ہی نہ تھی۔ میرے حضرتؒ کی زندگی پیغمبرانہ زندگی تھی۔ آپ کا سب کچھ جماعت کا تھا پھر جماعت کی ملکیت کو کیوں تقسیم کیا گیا۔

حضرت مولانا سیّد حُسین احمد مَدنی

رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء بمقام بانگر مئو (ضلع اناؤ) مولانا سیّد حبیب اللہ صاحبؒ (خلیفہ مجاز مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ) کے گھر تولد ہوئے۔ تاریخی نام "چراغ محمد" رکھا گیا۔ نسبتاً حسینی سید ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے پائی۔ تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں دیوبند کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ مولانا ذوالفقار علی (والد شیخ الہندؒ) مولانا عبد العلی محدث دہلوی شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد سہارنپوری۔ مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی سے بھی سلسلہ تلمذ رہا۔ حضرت شیخ الہندؒ سے ساڑھے چھ سال شرف تلمذ رہا۔ ۱۳۱۶ھ میں والد ماجد کے ہمراہ بقصد ہجرت حجاز گئے۔ مدینہ منورہ کے معمر ادیب مولانا الشیخ آفندی عبد الجلیل برادہ سے ادبیات کی تکمیل کی۔ مدینہ منورہ میں درس وتدریس کا کام بھی شروع کیا۔ ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ محرم ۱۳۲۰ھ میں دوبارہ مدینہ منورہ گئے۔ ۲۴ سال کی عمر میں شیخ العرب والعجم کے لقب سے ملقب ہوئے ۱۸۹۸ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے اشارے پر گنگوہ گئے۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ پھر آپ کے ارشاد سے مکہ مکرمہ میں مرشد کل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے کسب فیض کیا۔ ۱۳۱۹ھ میں حضور مرشد کے فرمان پر عرب سے گنگوہ تشریف لائے۔ حضرت

نے خلافت و اجازت عطا فرمائی۔ سولہ سترہ سال مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے رہے ۱۳۳۲ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ گرفتار ہوئے اور تقریباً ساڑھے چار سال اسارت مالٹا میں آپ کے رفیق رہے۔ ۱۹۱۹ء میں اسارت مالٹا سے رہائی ہوئی۔ ہندوستان واپس آئے۔ نومبر ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد آپ کو حضرت شیخ کا جانشین مقرر کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت کے ساتھ ساتھ قومی اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور کئی بار قید و بند ہوئے حضرت دین پوریؒ سے تعلق خصوصی تھا۔ حضرت نے آپ کو طریقہ قادریہ نقشبندیہ کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے یہاں کے متوسلین کو ہمیشہ اس نوزائیدہ مملکت کی بقاء و ترقی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ علم و حکمت اور طریقت و سیاست کا یہ نیّر تاباں ۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرزمین دیوبند میں سوپوش ہو گیا۔

حج بیت اللہ

حضرت دین پوریؒ ہمیشہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے بے قرار رہتے تھے، مگر ملکی و ملّی کاموں اور خلق خدا کی اصلاح و تعلیم کی مصروفیات کے علاوہ کچھ ذاتی اور خانگی حالات ایسے تھے کہ آپ ابھی تک یہ مبارک سفر اختیار نہ کر سکتے تھے۔ ۱۹۲۳ء میں حضرت کے ایک مخلص ارادت مند سردار عاقل محمد خان کورائی نے آخر اس کا اصلی سبب بھی دریافت کر لیا اور پیشکش کی کہ وہ اپنے خرچ پر حضرتؒ کو "حج" پر لے جائے گا۔ حضرتؒ نے خان موصوف کی اس مخلصانہ تحریک پر "حج" پر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اور اپنے صاحبزادہ میاں عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم کو حضرت امروٹیؒ اور شاہ صاحبؒ ججرے والوں کے پاس اطلاع اور اجازت کے لیے روانہ کیا۔

حضرت امروٹیؒ نے فرمایا، کہ جب میرے پاس پانچ ہزار روپے ہوں گے تو آکر بھائی کے ہاتھ پر رکھوں گا اور اجازت دوں گا۔ حضرت دین پوریؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ "فقیر کے پاس

چار ہزار تو ہیں (اس سے آپ کی مراد چار تسبیح ذکر لا الٰہ الا اللہ۔ الا اللہ۔ اللہ۔ اور ہو تھیں جو بوقتِ ذکر ایک ایک ہزار کے شمار سے تلقین کی جاتی ہیں) باقی ایک ہزار بھی اللہ تعالیٰ دیدینگے۔ حضرت شاہ صاحبؒ حجرے والوں نے سنا تو جلال میں آگئے۔ جوش میں بار بار خود کلامی فرماتے تھے۔ "دیکھو جی، حج پر جاتے ہیں۔ اپنا نفع مانگتے ہیں۔ دوسروں کا نقصان کرتے ہیں"۔ (یہ شاہ صاحب بہت جلالی بزرگ تھے۔ احمد پور میں ایک الگ مکان میں رہتے تھے۔ کسی سے ملتے ملاتے نہیں تھے۔ بڑے بڑے روسا اور حکام دروازہ پر دعا کے لیے حاضر ہوتے، مگر آپ دھتکار دیتے۔ بعض اوقات تو اپنی چھڑی سے ان کو مار مار کر بھگا دیتے۔ عالم بھی تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے تھے۔ ایک رسالہ فرضیت جمعہ پر لکھا تھا، جس میں ثابت کیا تھا کہ ہندوستان میں دین پور کے سوا کہیں جمعہ جائز نہیں ہے۔ حضرت دین پوریؒ سے بہت اختصاص و تعلق تھا) حضرتؒ نے جب ان کی بات سنی تو تبسم فرمایا اور خاموش ہوگئے۔

حضرتؒ نے ابھی سفر حجاز کا ارادہ فرمایا تھا کہ ایک دن میاں غلام حسین (جنگ بلاول) نے موازی آٹھ آنے (دنے پچاس پیسے) حضرت کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا کہ آپ پیسے اس سفر پر خرچ کریں۔ (میاں غلام حسین ایک سیدھے سادے باخدا انسان تھے۔ حضرتؒ کی خدمت میں اللہ اللہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت کی مجلس میں مراقب بیٹھے تھے۔ حضرتؒ نے ان کی طرف منہ کر کے مولانا غلام صدیق سے فرمایا ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

حضرتؒ نے میاں غلام حسین سے وہ پیسے اپنے ہاتھ میں لے کر (حالانکہ حضرتؒ کبھی اپنے ہاتھ سے نقد رقم یا پیسے نہیں لیتے تھے) فقیر (مہتمم بیت المال) کے سپرد فرمائے اور تاکید کی کہ ان کو علیحدہ رکھا جائے۔ آئندہ جو مخلصین اس مقصد کے لیے ہدایا پیش کرتے تو حضرت فقیر سے فرماتے کہ ان کو

آٹھ آنے والی مد میں رکھنا۔ اس طرح یہ ایک الگ حج فنڈ قائم ہو گیا۔ حضرتؒ کی عادت مبارک تھی کہ سفر حضر میں کہیں بھی آپ رقم یا پیسہ اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔ اس سفر سے قبل فقیر الٰہی بخش درزی کو فرمایا کہ میاں! فقیر کے لیے ایک جیبوں والی صدری (واسکٹ) بنا دینا۔ فقیر اس سفر میں کچھ رقم اپنے پاس رکھا کرے گا۔" جماعت کو اس کی افادیت کا پتہ اس وقت چلا جب حضرتؒ حجازِ مقدس میں تشریف فرما تھے۔ آپ وہاں مساکین اور مستحقین کی خبر گیری اور خفیہ خیرات کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اپنے پاس رقم رکھنے سے جماعت کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ حضرتؒ یہ پیسہ کہاں خرچ کرتے ہیں؟

حضرتؒ کے حج پر جانے کی خبر جب جماعت میں عام ہو گئی تو بہت سے لوگ آپ کے قافلے کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ یہ قافلہ بڑھتا بڑھتا ایک سو حاجیوں کی تعداد سے بھی بڑھ گیا۔ حج کا موسم شروع ہوا تو یہ جماعت فقرا اپنے ہادی و مرشدؒ کے ہمراہ براستہ کراچی روانہ ہوئی۔ حضرتؒ نے خان پور سے کراچی تک کا سفر ایک پسنجر ٹرین میں کیا تھا۔ ہر اسٹیشن پر وداع کرنے والی خلق کا ہجوم ہوتا تھا۔ سر مولوی رحیم بخش (ریذیڈنٹ ریاست بہاولپور) کوٹ سمابہ سے اسی گاڑی پر سوار ہوا اور رحیم یار خاں تک حضرتؒ کے ساتھ رہا۔ خیر پور ڈاہری کے اسٹیشن پر اعلیٰ حضرت میاں محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بھر چونڈی) بھی وداع کرنے آئے تھے۔ حضرتؒ کو معلوم ہوا تو ننگے پاؤں چل کر پلیٹ فارم پر گئے اور حضرت میاں صاحب سے قدم بوس ہوئے اور جب تک گاڑی روانہ نہ ہوئی، حضور سید العارفین مرشدِ پاکؒ کے مسند نشین کے سامنے ہاتھ جوڑ کر باادب کھڑے رہے۔ اس سفر میں کئی مخلص فقیر ایسے تھے جن کے پاس زادِ راہ نہ تھا، مگر حضرتؒ کے ساتھ جانے کے لیے بیتاب تھے۔ چنانچہ حضرتؒ نے ان کے سفر کا انتظام بھی خود فرمایا، فقیر حاجی مقبول احمد درخواستی اسٹیشن پر حاضر ہوا۔

یہ بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے امیدوار تھا۔ حضرت نے دریافت فرمایا میاں مقبول تو کچھ لایا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ حضرت! خدا کا نام لایا ہوں۔ ہنس کر فرمایا، پھر تو تم ہم سب سے بڑھ گئے۔ اس کو بھی اپنے خرچ پر ہمراہ لے لیا۔ اس کے متعلق بعد میں فرماتے تھے کہ اس کا حج مبرور ہوا۔

شریف حسین سے ملاقات

شریف حسین (مکہ) کی خلافت عثمانیہ ترکی سے غداری۔ انگریزوں کی حمایت اور شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقا کی گرفتاری سے اس زمانہ میں پاک و ہند کے مسلمان اور ملکی سیاسی اور مذہبی تحریکیں بہت متاثر تھیں اور سب کے دلوں میں شریف حسین کے خلاف نفرت حقارت کے جذبات موجزن تھے۔ ملک کے اندر اس کے خلاف کئی تحریکیں چل رہی تھیں۔ شریف حسین اور حکومت برطانیہ اس مخالفت سے پریشان تھے۔ چنانچہ وہ ایسے اقدامات کرتے رہتے تھے۔ جن سے یہاں کی معزز اور سربرآوردہ شخصیتوں کی تالیف قلب ہو اور ان کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں میں حکومت حجاز کی نیک نامی اور اچھی شہرت حاصل کی جائے۔ حضرت دین پوریؒ کے سفر حجاز کی خبر آپ سے پہلے حکومت کو مل گئی تھی۔ شریف حسین نے اپنے ایک معزز سفیر کو جدہ حضرتؒ کے استقبال کے لیے بھیجا مگر آپ کو پہلے پتہ چل گیا اور آپ خاموشی سے ایک دوسرے راستے کے ذریعے بندرگاہ سے نکل گئے۔ مکہ معظمہ میں شریف حسین نے شیخ الحرم کے ذریعے دعوت کی درخواست کی اور کہلا بھیجا کہ حضرت ہم کو خدمت کا موقع دیں۔" آپ نے جواباً فرمایا، فقیر یہاں خدمت کرنے آیا ہے۔ خدمت لینے نہیں آیا۔ دعوت بھی رد فرما دی۔ درحقیقت، حضرتؒ شریف حسین کی غداری اور شیخ الہندؒ کی گرفتاری کے واقعات کی وجہ سے اس سے سخت متنفر اور رنجیدہ و کبیدہ خاطر تھے۔ دعوت کے رد کیے

جانے پر اُدھر سے اور بھی زیادہ اصرار ہونے لگا اور عرب علماء و شیوخ کے ذریعے سے دباؤ ڈالا جانے لگا، مگر حضرتؒ کسی صورت بھی مانتے نہیں تھے۔ تمام جماعت اس صورت حال سے پریشان تھی اور کسی ہنگامی افتاد کی منتظر تھی۔ جماعت کے سرکردہ اصحاب آپ کے معلم اور کئی عرب شیوخ نے مشورہ دیا کہ آپ اس کی دعوت نہیں لینا چاہتے نہ لیں، مگر ملاقات میں کیا حرج ہے؟ اس طرح کئی مفاسد سے بچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ ملاقات پر آمادہ ہو گئے اور شریف حسین کو اطلاع دے دی گئی وقت مقررہ پر آپ اس کے موٹر پر تشریف لے گئے۔ شریف نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ آپ نے اس کے ساتھ مختصر اور سطحی گفتگو فرمائی۔ دوران گفتگو حضرتؒ نے مدینہ منورہ کا راستہ کھول دینے اور حاجیوں کے جان و مال کی حفاظت پر زور دیا۔ اس کے علاوہ اپنی طرف سے تین مطالبے پیش کیے۔

(۱) خواتین اور مردوں کے طواف کعبہ کا وقت علیحدہ علیحدہ مقرر کیا جائے۔

(۲) زیارت بیت الحرام کی اُجرت حرام ہے وہ حجاج سے نہ لی جائے۔

(۳) مدینہ جہاز کے متاثرین حجاج کو گورنمنٹ معاوضہ ادا کرے۔ (یہ بحری جہاز اس سال جل گیا تھا)

شریف حسین نے حضرتؒ کی ان تجاویز کو بڑے غور سے سُنا اور تعمیل کا وعدہ کیا۔ مدینہ منورہ کے راستے کے متعلق معذرت پیش کی اور کہا کہ حکومت فی الحال کوئی انتظام نہیں کر سکی اور نہ ہی جان و مال کی ذمہ داری لے سکتی ہے۔ البتہ اگر آپ جانا چاہیں تو ہوائی جہاز کے ذریعے آپ کے سفر کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ حضرتؒ نے صرف اپنی ذات کے لیے یہ خاص رعایت ناپسند فرمائی۔ (اس طرح رفقاء اور دیگر حجاج کی دل آزاری اور ان سے بے وفائی منظور

نہ فرمائی) آخر میں شریف حسین نے آٹھ ڈبے اور بہت سی بوریاں چاول اور آٹے کی پیش کر کے حضرتؒ سے کہا کہ آپ میری طرف سے قبول فرمادیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں ہم اللہ کے گھر میں مہمان ہیں۔ مہمان میزبان کی اجازت کے بغیر دوسرے کے گھر سے کچھ لینے کا حقدار نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے رخصت ہوئے۔ شریف موٹر تک آپ کو چھوڑنے کے لیے آیا۔

ایامِ حج

سرزمین حجاز مقدس پر قدم رکھتے ہی حضرت دین پوریؒ کی طبیعت میں جذب و مستی اور عرب کے ذرّے ذرّے سے عشق و الفت کی وہ کیفیت پیدا ہوئی کہ کبرسنی ضعف پیری اور بیماری و نقاہت کے باوجود ایک ایک لمحہ بلکہ ایک ایک سانس طاعات عبادات اور یادِ الٰہی میں گذارنے لگے۔ سخت سے سخت مجاہدات فرماتے معاملات میں جماعت کی اصلاح و تلقین کا کام بھی سرانجام دیتے۔ اگرچہ پہلے سے تواضع عجز و انکسار کسر نفسی و فروتنی کا مجسمہ تھے، مگر اس سفر میں فنائیت کے انتہائی مقام بلند پر پہنچ گئے تھے۔ سفر کی صعوبتیں۔ بیماری کی تکالیف اور بعض رفقائے سفر کی فروگذاشتوں کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا کرتے اور کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ اپنی ہی لگن اور دھن میں مست رہے۔ حرم پاک کی حاضری طواف کعبہ، تلاوت اور ذکر و اذکار میں محویت کی حد تک انہماک رہتا تھا۔ ارکانِ حج کی ادائیگی کا خود بھی خیال فرماتے اور جماعت کو بھی ان کی صحیح بجا آوری کی تاکید فرمایا کرتے۔ اپنے ہمراہ جسقدر روپیہ پیسہ اور سامان خورد و نوش لے گئے تھے۔ وہاں مساکین اور مستحقین میں تقسیم کر دیا تھا۔ تبرکات بھی خرید نہیں فرمائے بلکہ فرماتے تھے کہ "فقیر یہاں خرید و فروخت کے لیے نہیں آیا۔" واپسی کے موقع پر آپ نے خادم سے فرمایا کہ سامان خورد و نوش میں سے کوئی چیز بچ کر واپس نہ جائے۔ خادم نے اور سامان تو دے دیا مگر تھوڑا

ساگھی بچا کر رکھ لیا کہ واپسی میں حضرتؒ کے سالن وغیرہ کے کام آئے گا۔ واپسی کے موقعہ پر گھی کا ڈبہ اونٹ سے گر گیا اور تمام گھی ضائع ہو گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا تم نے مجھے تو نہیں دیا۔ ریت کو دے دیا۔ مولانا خیر محمد مرحوم (ڈھل حمزہ والے) فرماتے تھے کہ ایک دن حضرتؒ حرم پاک میں بیٹھے تھے۔ ایک عرب نے آکر حضرت کی خدمت میں ایک بڑی تھیلی پیش کی۔ حضرتؒ نے دعا فرمائی اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ تھیلی مساکین میں تقسیم کر دو۔ تم میں سے جو مستحق ہو وہ بھی لے سکتا ہے" ہم نے تھیلی کھولی تو اس میں پانچ ہزار اشرفیاں تھیں جو ہم نے حضرتؒ کے فرمان کے مطابق تقسیم کر دیں۔ دوسرے وقت حضرتؒ تشریف لائے۔ دریافت فرمایا کہ تھیلی کا کیا بنایا۔ ہم نے کہا، حضرت تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی تھی، فرمایا الحمد للہ۔

ایک دفعہ حضرتؒ بہت سخت بیمار ہوئے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور دوائی بھی نہ لیتے تھے۔ ڈاکٹر نے بھی زندگی سے مایوسی کا اظہار کر دیا تھا۔ تمام جماعت پریشان تھی۔ خدام مغموم و افسردہ تھے۔ بڈھے خان نے حضرتؒ سے رو کر نہایت دردمندانہ انداز میں عرض کی کہ حضرتؒ! آپ نے تو اپنے اللہ سے لو لگائی ہے، مگر آپ کے بعد ہم کہاں جائیں گے؟ یہ کہہ کر وہ اور بھی شدتِ غم سے رونے لگا۔ حضرتؒ نے اس کی آہ و بکا سن کر آنکھ کھولی اور اشارہ سے فرمایا کہ دودھ لے آؤ۔ اس کا خوشی کے مارے ٹھکانا نہ رہا۔ دوڑ کر آٹھ آنے کا ایک پاؤ دودھ لے آیا، جسے حضرتؒ نے نوش فرمایا۔ اس کے بعد، حضرتؒ کی حالت سنبھلنے لگی۔ دوسرے دن ڈاکٹر نے دیکھا تو مژدہ سنایا کہ اب آپ کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ اس کے بعد حضرتؒ بہت جلد صحت یاب ہو گئے۔

سفرِ حجاز میں آپ ایک دن مکہ مکرمہ کی کسی سڑک پر کھڑے تھے کہ ملک مصر کا ایک فوجی دستہ وہاں سے گذرا۔ وہ فوجی بینڈ کے ساتھ مارچ پاسٹ کرتا ہوا جا رہا تھا،

حضرتؒ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ مولوی عبدالقادر مرحوم نے بینڈ پر اعتراض کیا مگر آپ خاموش چلتے رہے۔ اس وقت آپ کا چہرہ خوشی و مسرت کے جذبات سے کھِلا جاتا تھا اور حرکات سے انبساطی کیفیات محسوس ہوتی تھیں۔ آخر کچھ دور تک ساتھ گئے اور پھر رُک گئے۔ ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے آج اپنے ایک اسلامی ملک کے فوجیوں کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

حضرتؒ جب حرم پاک میں بیٹھے ہوتے تھے تو ہر ملک کے لوگ آپ کے پاس خدمت میں آکر بیٹھتے تھے۔ عرب گروہ در گروہ آتے اور ایک دوسرے کو حضرتؒ کی طرف اشارہ کر کے کہتے: "ھٰذا ولی اللہ"۔ بہت سے عرب شیوخ نے آپ سے فیض حاصل کیا اور مجاز بھی ہوئے۔

ایک دن آپ حرم پاک میں داخل ہو رہے تھے کہ ایک حبشی بزرگ حضرتؒ کو آکر بڑی تعظیم سے ملے۔ تھوڑی دیر آپ کے سامنے باادب کھڑے رہے اور پھر سلام کر کے چلے گئے۔ خادم نے دریافت کیا تو فرمایا ملک شام کے قطب تھے۔

غرض حضرت کا یہ سفر حجاز مقدس روحانی طور پر نہایت نفع بخش اور یادگار تھا۔ اس سفر میں تقریباً چار مہینے آپ کا وہاں قیام رہا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اِدھر حضرت جدہ بندرگاہ سے بحری جہاز میں سوار ہوئے تھے کہ حجاز میں ایک اور انقلاب آگیا۔ شریف حسین کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور آل سعود کی حکومت قائم ہو گئی۔

علالت

حضرتؒ کو آخر عمر میں وجع المفاصل (گٹھیا) کے درد کی شکایت ہو گئی تھی۔ غالباً ۱۹۲۶ء میں آپ جبکہ متعلقین کی دعوات پر سفر میں تھے۔ اس مرض کا شدید حملہ ہوا۔ اس لیے سفر منسوخ کر کے دین پور شریف چلے آئے۔ علاج معالجہ سے چلنے پھرنے

کے قابل ہو گئے۔ جولائی ۱۹۲۷ء میں پھر بیمار ہو گئے۔ اطبا نے بخار خفیف۔ کثرت نسیان و گرانی زبان کا عارضہ تشخیص کیا۔ پہلے یونانی علاج ہوتا رہا۔ پھر ایلوپیتھک (ڈاکٹری) علاج شروع کیا گیا، مگر مزاج شریف کے موافق نہ بیٹھا۔ اس لیے دوبارہ یونانی علاج کی طرف رجوع کیا گیا۔ حکیم قاضی بشیر الدین احمد صاحب اور کئی دیگر حکیموں کا علاج ہوتا رہا۔ لیکن اب پھر طبیعت پوری طرح نہ سنبھل سکی۔ وجع المفاصل کی پرانی شکایت بھی بڑھتی چلی گئی۔ درمیانی وقفوں میں کچھ افاقہ بھی ہو جاتا رہا، مگر مرض ختم نہیں ہوا۔

نومبر ۱۹۲۹ء میں جب قطب الاقطاب حضرت سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ (آپ کے روحانی بھائی) کی خبر وفات آئی تو آپ اس وقت نہایت علیل اور صاحب فراش تھے۔ بدیں وجہ خود امروٹ شریف نہ جا سکے اور اپنے صاحبزادہ حضرت میاں عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم کو وہاں فوری طور پر بھیجا۔

کبر سنی اور ضعف پیری کی وجہ سے آخر میں آپ کا جسم اطہر اگرچہ مختلف امراض کی آماجگاہ تھا، مگر پھر بھی تمام معاملات دینی، عبادات اور اصلاح و تربیت کے کاموں میں آپ کے اندر جوانوں کی سی ہمت و استقلال تھی۔ جماعت کی نگرانی اور اس کی تعلیم و تلقین کے علاوہ لنگر عالیہ کے امور مہمانداری اور معاملات خلق پر بھی ہر وقت نگاہ رکھتے تھے۔

تبلیغی و اصلاحی جلسے

حضرت دین پوری کی پوری زندگی خلق خدا کو رشد و ہدایت پہنچاتے اور اصلاح و تربیت کرتے گذری تھی۔ آپ محراب و منبر کے انسان نہ تھے بلکہ مجسم تعلیم اور مکمل نمونۂ عمل تھے۔ پند و وعظ کی بجائے لوگوں کو اس طرح غیر محسوس طور پر دلنشین انداز میں تلقین فرما کر عمل پر آمادہ کرتے تھے کہ ان کو وہ سبق زندگی بھر یاد رہتا تھا۔ زبان سے زیادہ عمل اور باطنی تصرف سے کام لیتے تھے۔ جہاں بڑے بڑے واعظ اور

اور مقرر گھنٹوں لسانی فرمانے کے بعد بھی اثر نہ پیدا کر سکتے تھے، وہاں حضرتؒ کی ایک نگاہ سے پورے مجمع اور گروہ کے قلوب منقلب ہو جاتے تھے۔

آپ آخری دور میں اپنے طریقۂ تعلیم و تبلیغ کے ساتھ ساتھ علمائے امت، واعظین اور مقررین کو بلا کر اس فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور اس سلسلے میں جماعت کی طرف سے تبلیغی جلسوں کا انتظام بھی ہوا کرتا تھا۔ یہ جلسے لوگوں کی سہولت اور زیادہ سے زیادہ اجتماعی مقاصد کے لیے خان پور میں منعقد ہوتے تھے۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۴ء کے جلسے یادگار خیال کیے جاتے ہیں۔ جن میں حضرت سید حسین احمد مدنیؒ۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ قاری حافظ محمد طیب مدظلہ العالی۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوریؒ۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ۔ مولانا حبیب اللہ امرتسری۔ مولانا غلام صدیق حاجی پوری۔ مولانا امید علی صاحب۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی۔ سابق شیخ الجامعہ بہاولپور۔ مولانا خیر محمد جالندھری مولانا نور الحسن شاہ اور مولانا غلام مرشد صاحب جیسے اکابر علماء کے علاوہ اپنے وقت کے بڑے بڑے صوفیائے عظام شرکت فرما ہوئے تھے۔ نیز ان جلسوں میں سجادہ نشین درگاہ عالیہ بھرچونڈی شریف۔ امروٹ شریف اور پیر گوٹھ جھنڈا خاص طور پر مدعو ہوتے تھے۔

تبلیغ و اصلاح کا یہ انداز آخر عمر میں حضرتؒ نے غالباً اس لیے اپنایا تھا کہ جماعت کو فکری و سیاسی لحاظ سے اس طبقۂ علماء سے منسلک رکھیں۔ جن کے اکابر سے وہ خود وابستہ تھے۔ نیز جماعت اعتقادی لحاظ سے آپ کے بعد کہیں بھٹک نہ جائے۔ چنانچہ آپ کی انہی تبلیغی مساعی سے نہ صرف جماعت کا تعلق اس مکتب فکر سے قائم رہا۔ بلکہ آئندہ یہ حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔

مرزائیت کے خلاف مقدمہ بہاولپور میں دلچسپی

تاریخ اسلام کے تقریباً ہر دور میں "جھوٹی نبوتوں"

کا اظہار ہوتا رہا ہے اور اس کے ساتھ حکومت وقت اور علمائے حق نے اس کا استیصال اور تعاقب کیا ہے۔ مگر یہ شرف صرف مرزائی نبوت (مرزائیت) کو حاصل ہوا کہ وہ باقاعدہ ایک بڑی حکومت کی سرپرستی اور نگرانی میں پروان چڑھی اور اس کو ہر قسم کا تحفظ ملتا رہا سوال پیدا ہوتا ہے کہ سواد اعظم کے مقابلے میں اس وقت کی قاہر و جابر حکومت (برطانیہ) کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اس خرافاتی مذہب کے مختصر ٹولہ کی حفاظت کرے اور اپنے زیر سایہ اس کی نشوونما میں حصہ لے؟ اس کا جواب تاریخی حوالوں سے بہت طویل ہے (جس کی یہاں گنجائش نہیں) مگر عقلی و منطقی لحاظ سے مختصر یہ ہے۔ انگریزی سامراج کو پاک و ہند میں اپنے اقتدار و حکومت کے لیے وہ لوگ سب سے بڑی رکاوٹ اور خطرہ نظر آتے جو محمد عربی کے نام لیوا اور جذبۂ جہاد سے سرشار تھے۔ خود کو مجاہدین کہتے تھے اور ان کے ہاں موت و حیات کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ وہ ہر صورت میں اپنے آقا کا پرچم بلند رکھنا چاہتے تھے اور شہادت ہمیشہ ان کا مطمح نظر تھا۔ ان لوگوں کو میدانِ کارزار میں مٹا دینا انگریز کے لیے ناممکن تھا۔ وہ تجربہ کر چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ اس طرح کبھی ان کے قابو میں نہیں آئیں گے۔ جب تک یہ لوگ محمدؐ کے وفادار اور جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں ان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی ایک نسل ختم ہوتی ہے تو دوسری پیدا ہو جاتی ہے۔ ققنس کی طرح اپنی راکھ میں سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کا وہ بنیادی عقیدہ ہی ختم کر دیا جائے۔ ققنس کا وہ آتشیں رقص ہی بند کر دیا جائے تاکہ نہ وہ اپنی آتش میں جلے نہ راکھ ہو کر دوبارہ جنم لے۔ چنانچہ محمد عربیؐ کے غلاموں کو ان کے مقصود اصلی سے ہٹانے اور جذبۂ جہاد سرد کر دینے کے لیے اس جھوٹی نبوت کا کھڑاگ رچایا گیا اور اسے تحفظ دیا گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس جھوٹی نبوت کے خلاف جنگ میں پوری ایک صدی گروہِ علماء و صوفیا برسرپیکار رہا اور کسی حکومت و سلطنت کے تعاون

کے بغیر تحفظ ختم نبوت کا پرچم بلند رکھا۔ یہ درست ہے کہ انگریز عیار نے مسلمانوں کے اندر جھوٹی نبوت کا زہر گھول کر اور کئی ایسے مذہبی فتنے برپا کر کے اپنی میعادِ حکومت ضرور بڑھائی تھی مگر وہ جس گروہ کو شکست دینا چاہتا تھا اسے شکست نہ دے سکا۔ وہ گروہ تب بھی میدان میں ڈٹا ہوا تھا۔ اور اب بھی موجود ہے۔

ابتدا میں مرزائیت نے مشرقی پنجاب میں جنم لیا اور وہیں نشوونما پائی۔ پنجاب کے علماءؒ نے اس فتنے کی سرکوبی کرنی چاہی تو سرکار انگریز نے اس کو اپنی امان میں لے لیا۔ یوں یہ انگریزی حکومت کا خود کاشتہ پودا اس کی نگرانی میں پھلتا پھولتا رہا۔ اُدھر علماء اور صوفیا اس کا تعاقب کرتے رہے۔ حضرت دین پوریؒ نے بھی پنجاب کی جماعت کو اس مفسدہ سے خبردار کر دیا تھا اور دشمنانِ ختمِ رسالت کے خلاف اپنی توجہات مبذول فرمائی تھیں۔ پنجاب کے آخری سفر میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی حضرتؒ سے ملے تو آپ نے ان کو اس طرف خاص توجہ دلائی۔ جب مولانا مرحوم آپ کی مجلس سے اُٹھ کر گئے تو اپنے ساتھی سے فرمایا: "حضرت بہت ضعیف ہو گئے ہیں اور سفر کے قابل نہیں ہیں۔ ورنہ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کو قادیان لے جاؤں اور ان لوگوں سے کہوں کہ دیکھو، ہمارے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک امتی غلام کو دیکھو اور اپنے نبی کو بھی دیکھو۔ کیا عجب وہ لوگ حضرتؒ کا چہرۂ انور ہی دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔"

حضرتؒ کی عمر کا آخری زمانہ (۱۹۳۲ء) تھا کہ مرزائیت کے خلاف بہاولپور ہائی کورٹ میں ایک مقدمہ مسلم عوام کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ یہ ایک تنسیخ نکاح کا پرانا مقدمہ تھا جو ابتدا میں بہاولپور کی مختلف چھوٹی عدالتوں میں چلتا رہا تھا۔ اور اب ہائی کورٹ میں زیرِ سماعت تھا۔ مدعیہ مسلمان تھی اور مدعا علیہ مرتد مرزائی تھا۔ مقدمہ نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ فریقین کو اپنے اپنے مذہب کی حقانیت عدالت میں ثابت کرنے کو کہا گیا تھا۔

"اس جگہ یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ یہ مقدمہ عرصہ سات سال سے چل رہا تھا اور مدعا علیہ فخر و مباہات کے طور پر علانیہ کہا کرتا تھا کہ قادیان کا خزانہ اور منظم جماعت اس کی پشت پر ہے، مگر مسلمانوں نے ہمیشہ اس کو شخصی مقدمہ سمجھے رکھا اور مدعیہ کی مالی امداد میں کبھی کوئی حصہ نہ لیا۔ عدالت کے اس حکم کے بعد مسلمانانِ بہاولپور میں قدرتاً یہ احساس پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعیہ کا افلاس اور اس کی ناداری اس کو شہادت شرعی پیش کرنے سے قاصر رکھے۔ (رپورٹ مقدمہ بہاولپور ب)

حضرتؒ کو جب مقدمہ کی نوعیت و اصلیت کا پتہ چلا تو آپ سخت بے چین ہوئے۔ جماعت کو دامے درمے قدمے سخنے اس مقدمہ میں دلچسپی لینے کی تاکید فرمائی۔ علمائے ہند خصوصاً حضرت انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو توجہ دلائی کہ آپ بہاولپور شہادت کے لیے ضرور تشریف لاویں۔ اس طرح خود بہاولپور تشریف لے گئے اور تا فیصلہ مقدمہ وہاں میر سراج الدین مرحوم کی کوٹھی پر قیام فرما رہے۔ حضرتؒ اپنی زندگی میں پہلے کبھی کسی عدالت میں نہیں گئے تھے۔ (نہ مدعی بن کر نہ مدعا علیہ بن کر) مگر اس مقدمہ میں باوجود ضعف کبرسنی اور جسمانی عوارض کے روزانہ پیشی پر عدالت میں تشریف لے جاتے تھے اور تا برخواست عدالت کمرہ عدالت میں موجود رہتے تھے۔ آپ کے تصرف باطنی سے جج محمد اکبر خان اکثر حضرتؒ کے چہرہ انور کو تکتا رہتا اور روتا رہتا۔ اس پر مرزائیوں کے وکلاء نے کئی بار اعتراض کیا اور مرزائی پریس نے خوب واویلا کیا کہ جج صاحب حضرت دین پوریؒ کا عقیدت مند ہے اور آپ کمرۂ عدالت میں اس پر باطنی تصرف فرما ہوتے ہیں؛ لہٰذا ان کو عدالت میں نہ بیٹھنے دیا جائے۔ اس کے علاوہ سرکار ہند انگریزی سے بھی مداخلت کی اپیلیں کی گئیں۔"

چنانچہ مقدمہ میں مسلمانوں کو شاندار فتح ہوئی۔ دشمنانِ ختم رسالتؐ کو منہ کی کھانی پڑی۔

یہ پہلا باضابطہ عدالتی فیصلہ تھا جس میں ایک عدالتِ عالیہ نے منکرین ختم نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام لکھا تھا۔ یہ عدالتی فیصلہ تاریخ ختم نبوت میں ایک زریں اور یادگار فیصلہ ہے اور یقیناً ملّتِ اسلامیہ کی اس شاندار فتح کے در پردہ حضرتؒ کی توجہات باطنی اور عملی سرگرمیوں کا بڑا حصّہ تھا۔

استغراقی کیفیت

اپنی عمر طبعی کے آخری دو سالوں میں حضرتؒ پر استغراقی کیفیت طاری رہنے لگی تھی۔ بہت کم گفتگو فرماتے تھے اور ہر وقت خاموش بیٹھے یادالٰہی میں محو و بے خود رہتے۔ نشست و برخواست خدّام کراتے تھے۔ غذا بھی تقریباً برائے نام رہ گئی تھی مگر اس حالت میں بھی مسترشدین اور خلق خدا کے ساتھ پورا تعلق اور معاملہ رہتا تھا۔ اکثر اشاروں میں بات کرتے اور سمجھاتے تھے۔

انہی ایام میں ایک دفعہ آپ کے ایک ارادت مند اپنے ایک بڑے عالم دین دوست کو حضرتؒ کی زیارت کے لیے لے آئے۔ مولوی صاحب موصوف ولایت و تصوف کے قائل نہ تھے اور خود کو بہت بڑا متبع شریعت خیال کرتے تھے۔ کچھ دیر تک حضرتؒ کی خاموش مجلس میں بیٹھے رہے۔ جب اجازت لے کر کمرے کی دہلیز سے باہر جا کر جوتا پہننے لگے تو حضرتؒ نے فرمایا، ہُوں ہُو۔ جیسے منع فرما رہے ہوں۔ وہ ٹھٹھک گئے۔ حضرتؒ کی طرف دیکھا۔ آپ آنکھیں بند کیے خاموش بیٹھے تھے۔ وہ دوسری دفعہ جوتا پہننے لگے۔ پھر فرمایا، ہُو، ہُو۔ وہ پھر حیران ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں آپ کے ایک رمز شناس خادم نے آگے بڑھ کر عالم موصوف کے پہلے دائیں پاؤں میں جوتا پہنا دیا تو ان کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔ دراصل وہ پہلے بائیں پاؤں میں جوتا پہننے کی کوشش کرتے تھے اور حضرتؒ منع فرما دیتے تھے۔ مولوی صاحب حضرتؒ کے اس حسن تعلیم پر پھڑک اٹھے۔ اُن کے سامنے اپنی اتباعِ شریعت کی تمام عمارت ڈہ گئی۔ اپنے دوست سے

بار بار کہتے تھے، بھائی واقعی تمہارا پیر بہت کامل انسان ہے۔ وہ تو خلافِ سنت قدم بھی نہیں اٹھانے دیتا۔" گویا یہ استغراق، یہ بے خودی بھی بے سبب نہ تھی:

؎ بے خودی بے سبب نہیں غالب ۔۔۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سندھ کے مشہور بزرگ حضرت صالح محمد (رانیچی شریف) خلیفہ حضرت امروٹیؒ اکثر آتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا "بعض اولیاءاللہ اپنی عمر کے آخری دور میں دنیاوی علائق سے تقریباً فارغ ہو جاتے ہیں اور مخلوقات سے ان کا تعلق برائے نام رہ جاتا ہے۔ مگر حضرتؒ کی کیفیت مختلف ہے۔ آپ تعلق باللہ کے معاملے میں جس ارفع و اعلیٰ مقام پر ہیں۔ اس کا تقاضا تھا کہ دیگر علائق ختم ہو جاتے۔ مخلوق سے آپ کا ناطہ ٹوٹ جاتا۔ لیکن جب میں خلق سے بھی آپ کی توجہ دیکھتا ہوں تو مجھے تاریخِ اسلام کے وہ چند مشاہیر یاد آتے ہیں جنہیں پہلے یہ مقام بلند ملا تھا۔ یہ کمال و منزلت بہت کم شیوخ طریقت کو ملا ہے کہ وہ ایسی کیفیت میں تعلق باللہ کے ساتھ خلق کے معاملات سے بھی اتنے متعلق ہوں۔"

حضرتؒ کے بعض ارادت مند اور جان نثار عقیدت مند آپ کی اس حالت کو مرض خیال کرتے تھے اور اکثر اپنے طور پر کسی کامل طبیب یا ڈاکٹر کو حضرتؒ کی طبیعت دکھانے کے لیے لاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا عبدالرحمٰن اللہ پوری ایک بڑے حکیم صاحب کو لے آئے۔ اتفاق سے وہ صوفی اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ آستان پر گئے۔ ایک نظر حضرت کو دیکھا اور تڑپ اٹھے۔ فرمایا، مولانا! غضب کرتے ہو۔ اس مردِ کامل میں تو اب کوئی بشری تقاضا ہی باقی نہیں رہا۔ مجسم روحانیت بن چکا ہے۔ علاج کس بات کا کیا جائے؟

حضرتؒ اس حالتِ استغراق میں بھی اتباعِ شریعت و سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد پابندی اور اہتمام فرماتے تھے۔ ہر نماز مسجد میں باجماعت ادا فرماتے تھے۔ آخری

رمضان المبارک میں نماز تراویح بھی مسجد میں با جماعت پڑھی اور باقاعدہ قرآن مجید کی منزل سماعت فرماتے رہے۔ جب کمزوری اور نقاہت حد سے بڑھ گئی۔ پھر بھی دو آدمیوں کے سہارے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ وفات کے روز آپ پر شدت تکلیف کے باعث غشی کے دورے پڑتے تھے، مگر ہوش میں آتے ہی اپنے خادم میاں رحیم بخش مرحوم کی اقتدار میں اشاروں سے نماز ادا فرما لیتے۔ غرض ہر نماز با جماعت ادا فرمائی۔

وفات

آخر ظاہری و باطنی خوبیوں اور کمالات کا پیکر۔ بہترین صفات و حسنات کا مجموعہ۔ شریعت و طریقت کا شہسوار، علم و عرفاں اور رشد و ہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب تقریباً ایک سو سال سے اوپر کی عمر میں پہنچ کر ۳۰ ذوالحجہ ۱۳۵۴ھ (مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء) ساڑھے بارہ بجے منگل کی شب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر آں کز زاد بناچار بایدش نوشید ز جام دھر "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ"

مزار پُر انوار

حضرت دین پوری کے سانحۂ ارتحال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح فوراً چہار اطراف میں پھیل گئی۔ صبح ہوتے ہی ہزاروں عقیدت مند آپ کے آخری دیدار کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ بہاولپور ملتان اور ادھر روہڑی و سکھر تک کے لوگ اطلاع ملتے ہی پہنچ گئے۔ دُور والے بعد میں آتے رہے۔ گرد و نواح کی تمام جماعتوں، مدارس کے طلباء، علماء اور صلحائے امت کا ہجوم تھا۔ ایک کہرام سا برپا تھا اور قیامت صغریٰ کا نقشہ قائم تھا۔ ہر شخص اپنے محبوب مرشد و رہنما کی جدائی کے خیال سے تصویرِ غم بن کر رہ گیا تھا۔ حضرت مولانا غلام محمد مرحوم شیخ الجامعہ (بہاولپور) نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ کتنی فدائی فقراء اور طالبین شدتِ غم سے بے ہوش ہو گئے۔ کئیوں کو کتنے دن ہوش نہیں آیا۔

پہلے تو اکثر اصحاب کا خیال تھا کہ آپ کا مزار مقدس مسجد کے جنوبی گنبد کے اندر بنایا جائے، مگر بعض صائب الرائے حضرات معترض ہوئے۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اس طرح حضرتؒ کی تعلیمات کے خلاف بدعت وگمراہی کا ایک باب کھل جائے گا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ مزار مبارک مسجد سے غربی جانب (تقریباً دو ایکڑ کے فاصلے پر) اس جگہ بنایا جائے۔ جہاں آپ اکثر تنہائی میں جا کر مراقبہ کیے بیٹھے رہتے یا گریہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ فیصلہ سب نے پسند کیا اور آپ کو اس جگہ سپرد خاک کیا گیا۔ وصیت کے مطابق آپ کے مزار پر کوئی گنبد تعمیر نہیں ہوا۔ ایک سادہ اور کچی قبر بنائی گئی۔ جس کے باہر چہار دیواری کا (احاطہ) بنا دی گئی ہے۔ مزار پُرانوار مرجع خلائق، منبع تجلیات ومرکز انوار ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات

خلیفہ صاحب قطب الزماں و سرِّ خدا — بخلق محسن و ہادی و آفتاب ہدیٰ

گذاشت عمرِ گرامیِ خویش در تلقین — بخلق گشت نمایندہ راہِ صدق و یقین

رسید چونکہ بگوشش ندائے از یزداں — لبیک گفت بصد شوق از لب خنداں

دریغ در شب سی ماہِ حج گشت رواں — ز بند خانۂ دنیا، بکوئے باغ جناں

عجب ایں شیخِ زماں بود مجمع البرکات — ولیک رخت سفر خود بہ بست صد ہیہات

ہزار ہا افسوس رفت شیخ جہاں — چوں آفتاب فلک زیر میغ شد پنہاں

بہجر شیخ بگریم چرا اے دانشمندا — بیاد او ہمہ کس زار زار می گریند"

خرد بسال وصالش بہ من چنیں فرمود

خلیفہ صاحب، ملاح اہل عرفاں بود

۱۳۵۴ھ

بہ ماہ مارچ شدہ بست و چار[۲۴] او رحلت — نویس مادہ تاریخ او بصد حسرت

خرد برحلتِ او کرد در دلم آگاہ — "خلیفہ صاحب شیخ زمان، اہل اللہ"

۱۹۳۶ء

قطعۂ تاریخِ وفات

از وفاتِ خویش ما را داد صد حزن و الم
آں خلیفہ صاحب عالی مراتب اولیاؑ

تابعِ دینِ محمدؐ در ہمہ افعالِ خود
ماحیِ بدعت، ممدِ سنّتِ خیر الوریٰ

رہنما اندر شریعت، در طریقت راہبر
خلقِ حق را بود دراں ہر دو مقصد پیشوا

مجتنب بود از سماع، نے مشتغل چوں دیگراں
بود عجب ثابت قدم در اتباعِ مصطفےٰؐ

مرجعِ خلقِ خدا، از برکتش شد دین پور
از وجودش آں زمیں شد مطلعِ نورِ ہدیٰ

ہر کس از اطرافِ عالم می شد از وے بہرہ یاب
آستانش بود، ملوائے محبانِ خدا

گریہ می آید ز فوت ایں چنیں کامل ولی
ہیچ چارہ نیست با تقدیرِ ربِ کبریا

ہر کہ رفت از دارِ دنیا باز نا ید ہیچ گاہ
بے اثر است گرچہ نالد ہر کسے صبح و مسا

اے نیازی! طبعِ من از بہر تاریخش بگفت
قبلۂ اربابِ معنیٰ، "پیشوائے اتقیاؑ"

۱۳۵۴ھ

مولانا سید محمد زمان نیازی ہمدانی قادری مرحوم (خیر پور ٹامیوالی)

خلفاء کرام

حضرت دین پوریؒ کی روحانی اولاد (خلفاء) کا سلسلہ اتنا مختصر ہے کہ یہ دیکھ کر حیرت
ہوتی ہے کہ جب حضرتؒ کی خانقاہ میں ایک سے ایک جوہر یکتا موجود تھا۔ اور خانقاہ سینکڑوں
منتہی، باکمال فقراء سے بھری ہوئی تھی تو آپ نے اجازت و خلافت عطا کرنے میں اس قدر
احتیاط کیوں فرمائی؟ میں نے خود اپنے بزرگوں (خاص طور پر مرشدنا حضرت لاہوریؒ اور
قبلہ حضرت مولانا عبدالہادی دامت برکاتہم) سے سُنا ہے کہ حضرت دین پوری کی خانقاہ کا
ایک ادنیٰ فقیر، دوسرے بزرگوں کے صاحبِ نسبت اور مجاز خلفاء سے زیادہ کامل اور صاحبِ
کرامت ہوتا تھا۔" تو پھر کیوں یہ سلسلہ زیادہ نہ بڑھایا گیا؟ ظاہراً اس کی صرف ایک ہی وجہ سمجھ
آتی ہے کہ آپ غالباً تصوف و سلوک کے مراحل کی تکمیل اجازت کے لیے کافی نہ سمجھتے تھے
دوسرے بزرگوں کے برعکس آپ کا معیارِ اجازت کچھ اور تھا اور اس سلسلے میں ایک علیحدہ اور
جُداگانہ فکر و نظر کے حامل تھے۔ آپ اپنے خلفاء کے اندر وہ تمام باطنی و ظاہری خصوصیات و
اوصاف دیکھنا چاہتے تھے جن کا وہ خود مظہر تھے۔ مستقبل میں مسلمانوں کی رہنمائی و امامت کے
لیے صرف باطنی تعلیمات کی تکمیل ہی ضروری نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ ظاہری علوم اور معاملات
سیاست پر بھی کامل دستگاہ کی ضرورت تھی۔ حضرتؒ (بہ تائید علامہ اقبال مرحوم) میر کارواں کے لیے
نگہ بلند، سخن دل نواز اور جاں کی پُرسوزی" ایسا رختِ سفر ضروری خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ

حرم محترم (بی بی صاحبہ) میں سے ہیں۔ جبکہ چھوٹا صاحبزادہ دوسری بی بی صاحبہ (صاحبزادی مولانا عبید اللہ سندھیؒ) کے بطن میں سے ہے۔

صاحبزادے

(۱) حضرت مولانا میاں عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم (مختصر تعارف صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ ہو)

(۲) میاں رشید احمد صاحب: آپ حضرتؒ کے دوسرے خلف الرشید تھے ۱۹۰۶ء میں ولادت ہوئی۔ بڑے متقی پرہیزگار و شب زندہ دار تھے۔ طبیعت میں جذب و جلال کی کیفیت نمایاں تھی۔ حضرتؒ نے ان کی شادی اپنے برادر نسبتی قاضی علی احمد مرحوم کی صاحبزادی سے کرائی تھی۔ جن سے آپ کے دو صاحبزادے میاں محمد صدیق اور میاں محمد جمیل صالح جوان ہیں۔ آپ نے جنوری ۱۹۶۸ء میں ایک طویل عرصہ کی بیماری کے بعد وفات پائی۔

(۳) میاں ظہیر الحق صاحب: آپ حضرتؒ کے چھوٹے اور تیسرے صاحبزادے اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے عزیز ترین نواسے ہیں۔ علوم دینی اور جدید تعلیم پر کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ حضرتؒ کے بعد آپ کی سیاسی تحریک کے قائدین میں سے تھے اور سابق ریاست بہاولپور میں ایک سیاسی پارٹی "جمعیۃ الانصار" کے جنرل سیکرٹری تھے۔ تقسیم سے قبل کل جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس عاملہ کے ممبر تھے۔ ہندوستان چھوڑ دو، تحریک میں گرفتار ہوئے اور کچھ عرصہ انبالہ جیل میں رہے۔ سابق ریاست بہاولپور میں مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے لیے جمعیۃ الانصار کی طرف سے میمورنڈم پیش کیا، جسے پورے ہاؤس نے اور امیر آف بہاولپور نے پسند فرما کر اصلاحات رائج کیں۔ آپ مولانا سندھیؒ کی تعلیمات اور حضرت شاہ ولی اللہ کے فکر و فلسفہ کے بڑے مبلغ اور عمل پر جارک ہیں۔ ایک زمانہ میں خان پور سے ایک علمی و اصلاحی ہفت روزہ "راستہ" بھی شائع کرتے رہے۔

آپ کی شادی حضرتؒ نے اپنی بھانجی مائی بخت آور کی لڑکی سے کرائی تھی۔ جن سے دو صاحبزادے۔ غلام محمد انور، عبید اللہ اقبال اور ایک صاحبزادی ہے۔ دین پور کالونی شہر خان پور میں مستقل سکونت ہے۔

صاحبزادیاں

آپ کی تینوں صاحبزادیاں بی بی صاحبہ (ام المساکینؒ) کے بطن میں سے تھیں۔ مذہبی و شرعی علوم کی عالمہ فاضلہ اور بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں۔ والدہ ماجدہ کی طرح یہ صاحبزادیاں بھی بڑی خلیق، مہربان، منکسر مزاج اور جماعت کی خدمت گذار تھیں۔ حضرتؒ کے زمانۂ پاک میں لنگر عالیہ کے اندرونِ خانہ کام کاج میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت نے اپنی دو بڑی صاحبزادیاں (حلیمہ بی بی و آمنہ بی بی) یکے بعد دیگرے مولانا عبدالقادر مرحوم کے عقد میں دی تھیں۔ پہلی صاحبزادی کے بطن میں سے حضرت مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ تولد ہوئے۔ موخر الذکر صاحبزادی میں سے مولوی محمد بشیر۔ مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی حبیب الرحمٰن قادری مرحوم کے علاوہ تین صاحبزادیاں بھی پیدا ہوئیں۔

(۱) **مولانا عبدالقادر مرحوم** (داماد حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ)

(۲) **میاں عبدالصمد خان:** آپ حضرتؒ کے چھوٹے اور عزیز ترین بھائی میاں غلام رسول خان مرحوم کے اکلوتے صاحبزادے تھے: بچپن میں والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو حضرتؒ نے پرورش اور تعلیم و تربیت فرمائی۔ اپنی چھوٹی صاحبزادی ان کے نکاح میں دے دی۔ جن سے ایک فرزند میاں مشتاق محمود پیدا ہوئے۔ بی بی صاحبہ کی حیات میں ہی دوسری شادی کرلی۔ جس میں سے آپ کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ بڑے وضعدار اور خوددار قسم کے بزرگ تھے۔ زمیندارہ کرتے تھے اور زمینداری امور میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت میاں عبدالہادی صاحب دامت برکاتہم کی ہمراہی میں حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کر چکے تھے۔ دسمبر ۱۹۵۶ء میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نسب نامۂ منظوم

تیرا یہ خلقِ حسن اے دین پور　　قابلِ عشق و محبت ہے ضرور
تجھ پہ مفتوں کیوں نہ ہو عالم تمام　　کیوں جہاں سارا نہ ہو تیرا غلام
جلوہ گر تجھ پر ہُوا نورِ خدا　　جس نے دُنیا کو منور کر دیا

"نُور افشاں بر سرِ ما خاکیاں"
شمس او شادش بماند جاوداں

ہمچنیں تابندہ فرزندانِ او　　"تا قیامت بر سرِ جُویانِ ہُو"
شاہزادے عبدالہادی اور رشید　　اپنے اپنے وقت کے ہوں بایزیدؒ
چھوٹے شہزادے ظہیر الحق فدا　　یا الٰہی کر انہیں شاہِ ھدا"
آپ کے پوتے سراج احمد میاں　　کر خدا اُن کو تو سلطانِ زماں
آپ کے داماد مقبولِ خدا　　متقیؔ و پارساؔ و مقتدا"

نام او مولانا عبدالقادر است
عالم شب خیز جویانِ الست

ہوں نواسے آپ کے روشن ضمیر　　عبدالرحمٰن، قرۃ العین بشیر
مہربانم عبدمنان و رحیم　　کر جنیدِؒ وقت ان کو اے کریم!

دوسرے داماد ہیں عبد الصمد

کر الٰہی! ان پہ تو لطفِ بے حد و زن

اور نواسے آپ کے مشتاق خان بخش دے ان کو تو یارب باعز و شان

آپ کے سب اقربا چھوٹے بڑے متّقی ہوں اور ہوں لکھے پڑھے

(ظہیر الانس، ص ۱۴-۱۵ مصنفہ مولانا غلام کبریا بہاری)

قصیدہ

در مدح قبلہ شریعت و کعبۂ طریقت مولانا و مرشدنا حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوریؒ

میں آنکھوں پہ رکھتا ہوں نامِ محمدؐ	کہ ہوں جان و دل سے غلامِ محمدؐ
دیارِ عجم میں بھلا کون ہیں؟	بتاؤ! مدارالمہامِ ۔ محمدؐ
ہیں صالحیں پیشوا مقبلیں	کہ نام اُن کا حضرت غلامِ محمدؐ
یہی مقتدا ہیں ۔ یہی پیشوا	یہی شان دار امامِ محمدؐ
بروئے شرع ان کا ہے نظم و نسق	کہ گویا ہے سب انتظامِ محمدؐ
جب ان سے ہوا رکن دین استوار	کہاں گرنے پائے گی بامِ محمدؐ
چلاتے رہو میری سُنت کو ہر دم	انہیں یہ ملا ہے پیامِ محمدؐ
ہمیں بھاتی ہے ان کی رفتار ناز	سُنا تھا کہ یُوں تھی خرامِ محمدؐ
نہ کیوں ان کی گفتار میں ہو مٹھاس	زباں چاشنی گیر کامِ محمدؐ
رخ و زلف جاناں کی کیا وصف ہو	گواہ ان پہ ہے صبح و شامِ محمدؐ
انہیں رنگ معنی میں کچھ اور دیکھا	گو ظاہر رکھیں حسن نامِ محمدؐ
جنہیں ان کی نسبت ہے نقش ارادت	وہ کیونکر نہ پائیں سلامِ محمدؐ
یہ مسند نشیں خطۂ دین پور	جہاں لگ رہا ہے خیامِ محمدؐ

یہ وہ خطۂ قدرِ اسلام ہے | جہاں ہو رہا ہے احترامِ محمدؐ
دیارِ عجم میں، میں "سچ کہہ رہا ہوں" | اگر ہے تو یہ ہے مقامِ محمدؐ
بڑے نور و رنگ کی جماعت بنی ہے | کہ ظاہر ہے یاں احتشامِ محمدؐ
یہیں کھل رہے ہیں اشاراتِ نص | یہیں کھل رہا ہے کلامِ محمدؐ
یہیں شور ہے نفی و اثبات کا | یہیں ورد ہوتا ہے نامِ محمدؐ
پلاتے ہیں یاں بادۂ معرفت | یہیں نوش ہوتا ہے "جامِ محمدؐ"
قلم اپنا ٹھہرا ہے، عرض دعا پر | کہ حضرت پہ نازل سلامِ محمدؐ

قصیدہ میں ناظر! مزا کیوں نہ آئے
کہ ہوتا ہے تکرار — نامِ محمدؐ

(ابوالامیر مولانا ملا محمد غلام قادر ناظر چاچڑانی مرحوم)

اے خدا کے طالبو! آؤ یہاں | ہم بتاتے ہیں تمہیں ساقیٔ جاں
سر کے بل آؤ، عزیز و دوستو! | جام ہو سے مست و متوالا بنو
اے کہ طالب نیستی تو ہم بیا | تا طلب یابی ز دربار صفا
تم بھی آؤ، جلد تر اے غافلو! | ان کی برکت سے طلب حاصل کرو
دل خراشی سالہا تم نے ہے کی | خاک ہو کر آزما لو اک گھڑی

کب بہاروں میں ہوا سرسبز سنگ
خاک ہو جا گل کھلے تب رنگ رنگ

سر کے بل آؤ محبو دین پور | جس کی شہرت ہے جہاں میں دور دور

شیخ عارف دین پوری نورِ جاں — بایزید وقت سلطان زماں
خضر دوراں و طبیب مہرباں — آپ اپنے وقت کے ہیں بے گماں
خاندانِ قادریہ کے امام — پیشوا ہیں آپ اور شیخ الانام
آپ کی نورانی صورت دیکھئے — دل میں لو لگتی ہے بس اللہ سے
روئے انور دیکھتے ہی آپ کا — سچ کہوں، بس یاد آتا ہے خدا
دیکھتے ہی ان کی صورت چاند سی — یاد آتی ہے خدائے پاک کی
آپ کی خدمت میں جو حاضر ہوا — اس کے دل میں یاد بس آیا خدا
دل میں لو لگتی ہے بس اللہ سے — آ پڑے جو آپ کے قدموں تلے
آپ کی خدمت میں جو رہنے لگا — اس کے دل میں عشقِ حق پیدا ہوا

صحبت عاشق ترا عاشق کند
صحبت فاسق ترا فاسق کند

بایزید وقت، سلطانِ ھُدا — غوث دوراں، مظہر نورِ خدا
خاک پائے آں امام المتقین — کیمیا چہ! کیمیا گر بالیقین
دستگیر ایں جہان و آں جہاں — شیخ عارف دین پوری نورِ جاں
باد عمرش درجہاں ہم چو خضر — رہنما و دستگیر و معتمد
دین پوری رونق باغ و بہار — حشر تک رکھیو الٰہی برقرار
یہ چمن یہ گلشنِ فرحت فزا — پھولتا، کھلتا رہے یا رب سدا
اس کے خوشبودار پھولوں کی مہک — رکھیو قائم میرے مولا حشر تک
اس چمن کی مست خوشبو سے مدام — رکھ معطر حشر تک عالم تمام

اس کی عزت، ثروت و دولت حشم　　اس کی حرمت، جاہ اور لطف و کرم
ظاھری اعمال۔ اسباغ وضو　　ذکر اثبات و نفی اور ذکر ہو
پنجگانہ فرض اس کا باخضوع　　اس کی شب خیزی، تہجد باخشوع
دور قرآں معظم پُر ھدا　　باتضرع گریہ و زاری، بکا
امتثال امر صلوا، اسلموا　　الفت و ذوق محبت جام ہو
اتباع سنت خیر الوریٰ　　الرضا بعد القضا شوق خدا

اس کے آداب و علوم معرفت
اس کی توحید و سخاوت، عبدیت

(اقتباس از "طہیر الانس" مصنفہ مولانا غلام کبریا بہاری)

حضرت دینپوریؒ مشاہیر عُلماء کی نظر میں

• حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت دین پوری کی صحبت اور نشست و برخواست میں طالب کو جو کچھ ملتا ہے دوسرے بزرگوں کے ہاں ورد اوراد سے بھی نہیں ملتا (پھر فرمایا) خدا جانے ورد اوراد کرنے سے کیا کچھ ملتا ہو گا۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا۔ حضرت دین پوری اپنی ولایت کی آپ دلیل ہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ (روایت سید جند وڈہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

• حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت دین پوری کی ولایت مسلّم ہے۔ وہ تو ہمارے حاجی صاحبؒ کے پایہ کے بزرگ ہیں۔ (روایت حضرت شیر محمد شاہؒ (گموٹکی سندھ) خلیفہ حضرت تھانویؒ)

• حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑانی رحمۃ اللہ علیہ۔

اس مردِ کامل نے تو جنگل میں روحانیت کی آگ لگا رکھی ہے۔

• حضرت مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت دین پوری کے چہرے پر صرف نظر ڈالنے سے کئی مقامات طے ہو جاتے ہیں۔

• امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ تعالیٰ تقسیم ملک کے بعد انڈیا کے وزیر تعلیم کی حیثیت

سے یورپ تشریف لے گئے۔ واپسی پر کراچی رکنا پڑا، جہاں کوئی بھی ان سے ملاقات نہ کر سکا، لیکن کسی ذریعہ سے میری ملاقات ہوگئی، ملاقات کے دوران حضرت مولانا عبید اللہ سندھی قدس سرہٗ کا ذکر آیا اور پھر ان کے مزار اور تعلق کی بنا پر دین پور شریف اور حضرت دین پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا تو مولانا آزاد نے فرمایا۔ کہ حضرت دین پوری کا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں مقام متعین کرنا مشکل ہے، لیکن افسوس کہ انگریز ظالم نے تحریکِ آزادی میں ان جیسے عظیم المرتبت ہستی کو بھی معاف نہ کیا اور جیل کی کال کوٹھری میں ڈال دیا۔

روایت جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دامت برکاتہم

- امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ:

حضرت دین پوری سیاست و طریقت میں ایک مستقل امام تھے۔

- حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

حضرت دین پوریؒ کی زندگی پیغمبرانہ زندگی تھی۔ آپ کی جائداد کی تقسیم کا عمل میرے نزدیک صحیح نہ تھا۔

- حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ لوگ قافلۂ اصحاب رسولؐ سے بچھڑ کر پیچھے رہ گئے تھے۔

- مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ۔

کاش، میں حضرت دین پوری کو قادیان لے جا سکتا۔ کیا عجب آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی تمام قادیانی اُمت مسلمان ہو جاتی۔

- مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب پر جمال کا غلبہ تھا۔ بڑے صاحب سکینت اور تمکین تھے۔

چہرہ مبارک گلاب کی طرح سرخ اور آفتاب کی طرح پُر انوار معلوم ہوتا تھا۔ نہایت صاحب وجاہت اور صاحب جمال تھے۔ (پرانے چراغ صـ ۱۴۸)

سیرت کا خلاصہ

اس سے پہلے کہ آپ حضرت دین پوریؒ کی سیرت و کردار کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمادیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ آپ کی پوری زندگی خالق سے کامل تعلق اور مخلوق سے صحیح معاملہ کی ایک بہترین تصویر یا خوبصورت نمونہ تھی حضرتؒ نے خالق کو اپنی بے لوث و بے ریا طاعات، عبادات و مجاہدات سے راضی کیا تو مخلوق کو اپنے حسن اخلاق اور معاملات کی درستگی سے گرویدہ، والہ و شیدا بنایا۔ عبادات و معاملات دونوں میں حضرتؒ نے بدرجۂ کمال اتباعِ شریعت و سنت خیر الانامؐ کا حق ادا فرمایا۔ تمام حیات مستعار میں اسوۂ حسنہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہبر و رہنما بنائے رکھا۔ حضرت دین پوری کی ولایت و بزرگی کی اگر کوئی اور دلیل نہ ہوتی تو ان کی شریعت مطہرہ میں ڈھلی ہوئی زندگی اور آپ کی نشست و برخواست، اور ہر خفی و جلی پہلو میں رچی ہوئی اسلامی روح ایسا عمل تھا جو آپ کو بڑے بڑے اولیاء اللہ سے یقیناً ممتاز کرنے کے لیے کافی تھا۔ لوگ کشف و کرامات اور خرق عادات کو کمال ولایت خیال کرتے تھے۔ جبکہ یہی باتیں بعض غیر مسلم تارک الدنیا فقیروں کے پاس بھی ہوتی ہیں۔ اصل کمال درحقیقت اتباع شریعت ہے۔ پیروی اسوۂ حسنہؐ ہے۔ اب آپ اس معیار پر حضرت دین پوریؒ کے قول و فعل کو جتنا پرکھیں گے آپ کو ان کی صحیح عظمت اور عُلوِ شان کا پتہ چلتا جائے گا۔ آپ پر ان کی ولایت اور بزرگی ظاہر ہوتی جائے گی۔ اور دراصل حضرت دین پوریؒ کی سیرت کا یہی ایک خاص پہلو ہے۔

جماعتی نظام

دیکھا گیا ہے کہ جب بھی کوئی شخص دنیا میں عظمت و شہرت حاصل کرتا ہے یا بلندیوں اور رفعتوں کو چھوتا ہے وہ خود کو الگ۔ منفرد اور معاشرے

ایک علیحدہ ہستی تصور کرنے لگتا ہے۔ اس کی انانیت یا خواہشات نفسی اس قدر بیدار ہو جاتی ہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی پرستش کریں۔ اس کو اپنا نجات دہندہ سمجھیں اور اس کو اپنا مالک و مختار خیال کریں۔ دراصل وہ اپنی ذات اور شخصیت کو ماورا، مافوق الفطرت اور طلسماتی خول میں بند کر لیتا ہے۔ وہ ان عوامل، ماحول، معاشرہ گروہ یا طبقہ کو فراموش کر دیتا ہے جو اس کی ان بلندیوں کا سبب بنا تھا۔ گو اللہ والوں کے ہاں یہ بات نہیں ہوتی وہ اپنی ہستی اس قدر فنا کر دیتے ہیں کہ جماعت تو کیا ایک معمولی فرد یا معمولی اور حقیر مخلوق سے بھی خود کو کم تر اور ناچیز خیال کرتے ہیں مگر ان کا یہ عمل بھی ذاتی اور شخصی بن جاتا ہے۔ جماعتی یا اجتماعی ذمہ داری انجمن آرائی کے آداب یہ نہیں ہیں کہ ایک شخص اپنے کو جماعت سے الگ سمجھنے لگے یا اس قدر فروتر ہو جائے کہ اس کا اس میں کچھ حصہ بھی نہ رہ جائے۔

اسلام نے اجتماعیت (یا جماعتی نظام) کے متعلق جو تصور پیش کیا ہے۔ وہ اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ کوئی فرد بھی اس کی افادیت اور ضرورت و اہمیت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا کوئی فریضہ یا رکن عبادات و معاملات ایسا نہیں ہے۔ جس میں اجتماعیت کا رنگ نہ بھرا گیا ہو۔ خود محسن انسانیت حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اجتماعی نقشہ تیار فرمایا تھا اور جو خطوط کھینچے تھے وہ تا قیامت حضورؐ کے غلاموں کی رہنمائی کے لیے مشعل راہ ہیں۔ کیسے ممکن تھا کہ حضرت دین پوریؒ جو اس دور میں سب سے بڑے متبع سنت تھے۔ اسلام کے ایک بنیادی کام بلکہ روح سے صرف نظر فرماتے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو اجتماعیت کے لیے وقف نہ کر دیتے۔ چنانچہ حضرت دین پوریؒ کی زندگی کے جس پہلو پر نگاہ ڈالیں، ہر جگہ اجتماعی و جماعتی رنگ صاف نظر آئے گا۔ آپ ان کی سیرت و شخصیت کو جماعت سے الگ نہیں کر سکتے:

حضرت اور جماعت دو لازم و ملزوم تھے۔ حضرتؒ کے بغیر جماعت کا تصور، یا جماعت کے بغیر

حضرتؒ کا تصور ایسا ہے جیسے روح کے بغیر جسم یا جسم کے بغیر روح۔ خود حضرت کا قول و عمل اس بات کا شاہد ہے کہ حضرتؒ خود اپنے آپ کو جماعت سے علیحدہ تصور نہیں فرماتے تھے۔ گو حضرت اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، مگر ان کا کمال وہ انجمن نہ تھی جو آپ کی ذات میں پوشیدہ تھی۔ آپ کا شاہکار وہ جماعت تھی جسے آپ نے منظم فرمایا تھا۔ آپ انجمن ساز و جماعت گر تھے۔ آپ نے اپنے عمل اور تعلیمات کے ذریعے متعلقین اور مخلصین کے اندر ایسی جماعتی روح پیدا کر دی تھی کہ جماعت کا کوئی فرد بھی جماعت سے الگ رہ کر نہیں سوچتا تھا اور نہ ہی کوئی شخص کسی فرد کو جماعت پر ترجیح دیتا تھا۔ اجتماعیت کا رنگ اسقدر غالب تھا کہ ایک معمولی اور ان پڑھ آدمی بھی جماعتی احساس و شعور سے عاری نہ تھا۔ اگرچہ یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس واقعہ سے اس رنگ کی پختگی کا اندازہ ہو گا۔

حضرتؒ کے ایک ان پڑھ مرید سے کسی نے پوچھا (قریب کھڑے ہوئے بچے کے متعلق) بھائی! یہ کس کا بچہ ہے؟ اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ جماعت پاک کا بچہ ہے

حضرتؒ نے اس جماعتی تنظیم سے درحقیقت شخصیت پرستی کا وہ بت پاش پاش کر دیا تھا جو ایسی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کے بعد لوگوں کے دل و دماغ میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ لوگ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود اپنے دلوں کے اندر بت خانہ بنا لیتے ہیں۔ حضرتؒ نے لوگوں کے ذہن اپنی جامع کمالات و حسنات شخصیت سے ہٹا کر جماعت کی طرف موڑ دیئے تھے۔ اپنے ذاتی کمالات اور اعمال جماعت کے کھاتے میں ڈال دیئے تھے۔

غرض حضرتؒ نے دین پور شریف میں جس اسلامی معاشرہ کی بنیاد ڈالی تھی وہ ایک مضبوط جماعتی اور اجتماعی نظام سے وابستہ تھا۔ آپ نے اس جماعتی نظام کو اس قدر منظم فرمایا کہ بہت جلد ملک کے کونے کونے میں اس کی شاخیں خود بخود قائم ہو گئیں اور اپنے

مرکز دین پور شریف کے تحت کام کرنے لگیں۔ یہ شاخیں، اپنے شہر، قریہ علاقے یا وہاں کی قومی اکثریت کے نام سے مشہور ہوئیں اور یہاں مرکز (دین پور شریف) میں الگ الگ ناموں سے یاد کی جاتی تھیں۔ حضرتؒ سے وابستہ تمام ارادت مند (زن و مرد) جماعت کے ممبر ہوتے تھے جو اصلاح و تربیت اور اصلاح و تزکیہ کے پروگرام میں شریک ہوتے تھے۔ قرب وجوار اور دور دراز کی جماعتیں اکثر تعلیم اور اصلاح و تزکیہ کیلئے دین پور شریف میں آتی رہتی تھیں۔ عام دنوں کے علاوہ رمضان المبارک کے مہینے، عیدین، جمعہ یا تبلیغی اجتماعات کے موقعوں پر جماعتوں کا ہجوم ہوتا تھا۔

جماعتوں کی حاضری کے علاوہ حضرت خود بھی ان کی استدعا دعوت پر ایک کثیر تربیت یافتہ جماعت کے ہمراہ ان کے ہاں سفر پہ جاتے رہتے تھے اور اپنے پروگرام تبلیغ و ارشاد کو کامیاب فرماتے تھے۔ دینی و اصلاحی معاملات کے علاوہ جماعتیں اپنے افراد کے چھوٹے بڑے تنازعات، یا عائلی معاملات کے فیصلے بھی خود کیا کرتی تھیں۔ اگر کوئی معاملہ زیادہ اہم ہوتا یا فریقین میں سے کوئی مقامی جماعت کا فیصلہ تسلیم نہ کرتا تو پھر وہ معاملہ مرکز کے سپرد کر دیا جاتا اور یہاں اس کا فیصلہ کیا جاتا۔ حضرتؒ کی ذات بابرکات ان تمام جماعتوں کی سرپرست نگران اعلیٰ، امیر یا خلیفہ کی سی تھی۔

حضرتؒ کے زمانے میں جو ذیلی جماعتیں مشہور تھیں۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ ملّہ (سندھ) کی جماعت

چونکہ روزِ اوّل سے امروٹی اور دین پوری جماعتوں کا آپس میں بہت زیادہ ذہنی اور فکری ارتباط تھا۔ اور دونوں ایک ہی شجر کی شاخیں سمجھی جاتی تھیں۔ اس لیے دونوں طرف کے اہل تعلق کا نہ صرف ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا تھا بلکہ طالبین دونوں طرف سے برابر اکتساب فیض

کرتے تھے۔ اور دونوں بزرگ بلا امتیاز ایک دوسرے کے مسترشدین کی ہدایت و نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں حضرت دین پوری رحؒ کے متعلقین سندھ بھی اکثر آپ کی سرپرستی میں ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ گوٹھ پیر جھنڈا کے مشہور عالم دین اور بزرگ حضرت سید رشد اللہ صاحب العلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد اور افراد خاندان کو حضرت دین پوری رحؒ سے بیعت کرایا تھا۔ حضرت پیر ضیاء الدین صاحب بھی حضرت رحؒ سے بیعت و ارادت رکھتے تھے۔ قدرتی طور پر ان دونوں جماعتوں کا اتصال و اتحاد بھی اس جماعتی تحریک کا ممد و معاون بن گیا تھا۔

گھوٹکی کے مشہور پیر حضرت سید شیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور پیر فخر الدین شاہ، اگو حضرت تھانوی رحؒ کے خلفاء تھے، مگر آپ کے حکم سے دین پور شریف آمد و رفت تھی اور تعلق محبت حضرت رحؒ سے تھا۔ چنانچہ ان کے اہل تعلق اور عربی مدرسہ قاسم العلوم کا تعلق حضرت رحؒ کے اس جماعتی نظام سے بہت زیادہ گہرا تھا۔ راجن پور (سندھ) میں آپ کے اساتذہ کی اولاد مولانا غلام رسول مرحوم۔ مولانا عبد الحلیم مرحوم اور ان کا پورا خاندان نیز او باوڑہ کے حاجی تاج الدین صاحب اور ان کے صاحبزادے حضرت رحؒ کی جماعت سے منسلک تھے۔ شمالی سندھ اور بلوچستان میں وہاں کے مشہور بلوچ سردار حاجی محمد کبیر خان سندرانی، حاجی شاہ نواز خان مرحوم اور ان کا خاندان نیز حاجی شاہ مراد خان ڈومبکی اور ان کے متوسلین حضرت رحؒ کی تحریک کے سرگردہ و ممتاز اراکین میں سے تھے۔ حضرت وقتاً فوقتاً ان تمام علاقوں کا سفر بھی فرمایا کرتے تھے۔

۲: اُدبھے (پنجاب) کی جماعت

اگرچہ حضرت رحؒ نے پنجاب کے علاقوں میں بہت کم دورہ فرمایا تھا۔ اور بعض علاقوں (سرگودھا۔

جھنگ) کے دو تین سفر کیے تھے، لیکن ان کے اثرات حیرت انگیز تھے۔ پنجاب کے جاں نثار فقرائے نے حضرت ؒ کے مشن کو بہت زیادہ تقویت پہنچائی۔ سرگودھا، گجرات، جہلم، بھادریاں۔ بھلوال۔ گمگوال۔ جاوہ۔ مٹھہ ٹوانہ۔ پنجہ۔ نورپور۔ سدہ۔ شاہ پور۔ خوشاب۔ ساہیوال گوجرانوالہ جھنگ اور ملتان کی دیہی آبادیوں (مواضعات وچکوک) میں جماعتیں قائم ہو گئیں۔ چک رام داس کے قریب ایک تو ذیلی دین پور کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ وہاں کی جماعت کے سرکردہ اصحاب میں سے حافظ نوردین صاحب مرحوم۔ قاضی محمد دین صاحب مرحوم (قاضی سعداللہ صاحب (ان کے صاحبزادے) سردار محمد خان۔ اللہ بخش خان کمبوہ تھے۔ ادھر لاہور میں حضرت ؒ کے خلیفۂ اعظم حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ؒ نے آپ کی اس جماعت ہو کر کو پورے پنجاب میں متعارف ہی نہیں کرایا بلکہ اس سرزمین میں تاقیامت اس کی بنیادیں مضبوط کر دیں۔ پنجاب کی جماعت نے حضرت ؒ کی ہر سیاسی و دینی تحریک میں بڑے ایثار و خلوص کا ثبوت دیا۔ پنجاب کے علما کی ایک بڑی تعداد حضرت سے عقیدت و ارادت رکھتی تھی اور دیوبندی مکتبِ فکر کے تمام بڑے بڑے مدارس تقریباً آپ کی جماعت سے منسلک و متعلق تھے۔

۴۔ پار (ڈیرہ غازی خاں) کی جماعت

اس زمانہ میں دریا پار (ضلع ڈیرہ غازیخان) میں گوچشتی بزرگان (کوٹ مٹھن) کا بہت زیادہ شہرہ اور عوام الناس میں اثر و نفوذ تھا، لیکن وہاں کے چند ارادت مندوں کی دعوت پر جب آپ نے اس علاقے کا دورہ فرمایا تو بہت سی خلق خدا آپ سے فیض یاب ہوئی اور لوگوں کی بڑی تعداد آپ کے دامن ارادت سے وابستہ ہو گئی۔ چنانچہ حاجی پور۔ فاضل پور۔ ڈیرہ غازیخان۔ راجن پور اور روجھان کے علاقوں میں جماعت منظم ہوئی۔ اس علاقے کے مشہور پیر حضرت سید جندوڈا شاہ ؒ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ نوابان روجھان کا تعلق عقیدت

بھی حضرتؒ سے قائم ہوا۔ جو جماعتی نظام کے لیے باعث تقویت ہُوا۔ آپ نے اس علاقے میں صرف دو بار سفر فرمایا تھا۔

اس جماعت کی اصلاح و تربیت کے لیے حضرت سید جنبوڈہ شاہؒ رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبد الکریمؒ۔ مولانا عبد الغفورؒ۔ اور مولانا غلام صدیق حاجی پوری (فاضل دیوبند) نے گرانقدر خدمات انجام دی تھیں۔ جن میں اوّل الذکر بزرگ کی اولاد عبد القادر شاہ مرحوم کے بعد پیر عبد الرحمٰن شاہ حضرت کے مشن کو بڑے حسن و خوبی سے چلا رہے ہیں۔

۴۔ کوٹ سبزل کی جماعت

کوٹ سبزل کی جماعت، گردونواح کے کئی دیہات، احمد پور لمہ اور سادباوڑہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ حافظ صاحب (نابینا) کا جو بڑے پایہ کے بزرگ اور عالم تھے۔ اس علاقے میں بہت اثر تھا۔ مولانا عبد الواحد مرحوم۔ مولوی فیض محمد صاحب، محمد نواز شاہ صاحب (گوٹھ ماکن شاہ) جماعت کے سرکردہ بزرگ تھے۔

بندور کی جماعت

تمام عباسی خاندان حضرتؒ کا معتقد و مرید تھا۔ سردار فاضل خان اور سردار جان محمد خان جماعت دین پور کے نہایت مخلص اور جانثار اصحاب میں سے تھے۔ سردار عبد الخالق خان مرحوم۔ سردار احمد علی خاں مرحوم۔ عبد التواب خان مرحوم مولوی عبد الرحمٰن خان۔ عبد الحق خاں، محمد علی خاں و عبد الواحد خان اور آگے ان کی اولاد حضرتؒ کی جماعت سے وابستہ و متعلق تھے۔

۶۔ بستی مولویان کی جماعت

یہ حضرتؒ کے اساتذہ کے خاندان اور ان کے متعلقین پر مشتمل جماعت تھی۔ علماء و صلحاء کی جماعت تھی۔ دینی سعادت کے ساتھ دینوی وجاہت بھی رکھتے تھے۔ ایک قدیم عربی مدرسہ "شمس العلوم" کے نام سے چل رہا ہے۔ حضرتؒ ابتداء میں اسی مدرسہ میں زیر تعلیم رہے تھے۔ اس وقت یہ مدرسہ

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب اور مولانا شریف اللہ صاحب کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔

مولانا شریف اللہ صاحب مرحوم۔ مولانا شیر محمد مرحوم۔ مولانا کریم بخش مرحوم۔ مولانا حاجی صاحب مرحوم حضرت سے خاص نسبت و تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اس خاندان کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔

مولوی شمس الدین، مولوی قمر دین۔ مولوی عطار اللہ اور مولوی حبیب اللہ مرحوم بھائیوں کا بھی جماعت سے گہرا تعلق تھا۔

ٹبی کی جماعت

یہ اُنہیں کو رائی بلوچ خوانین کی اولاد پر مشتمل جماعت تھی۔ جن کے ہاں حضرتؒ اور آپ کے خاندان نے پہلے پہل قیام کیا تھا۔ ٹبی کو رائیاں کے تمام مرد و زن بعد میں آپ سے بیعت ہوئے اور حضرتؒ کے جانثار فدائی ہو گئے۔ اکثریت اگرچہ ان پڑھ اور جاہل تھی، مگر توحید و رسالت اور تعلیمات اسلامی کا رنگ ان پر پوری طرح چڑھا ہوا تھا۔ مولانا عبدالقادر مرحوم (حضرتؒ کے داماد) کے والد دولت خان مرحوم ٹبی کو رائیاں کے ہی تھے۔ باندی خان۔ بشیر محمد خان۔ پیر محمد خان۔ بکھو خان۔ خدا بخش خان اور یار محمد خان قوم کے معزز افراد تھے۔ اس وقت بھی ان کی اولاد اور خیر محمد خان۔ دین محمد خان۔ رحمت اللہ خان و حبیب اللہ خان اور ان کی اولاد جماعت جماعت سے متعلق ہے۔

۸ کہلوں کی جماعت

اقوام کہل کی اکثریت حضرتؒ کی جماعت سے وابستہ تھی جام شہباز جام ابراہیم، جام واحد بخش سرکردہ تھے۔ اب ان کی اولاد حاجی عبدالکریم۔ حاجی عبدالخالق مخلص وغیرہ غایت درجہ کا تعلق رکھتے ہیں۔

۹ شاہ گڑھ۔ وارنی و ڈڑی کی جماعتیں

اقوام داؤد پوتہ (عباسی) ساکن ڈڑی عظیم خان کھوکھر۔ ہنوار۔ کوریجہ۔ اوچنڈ ومڑیچہ اقوام

پر یہ جماعتیں مشتمل تھیں۔ حضرتؒ کی خاص توجہات کا مرکز تھیں، ہر فرد نہایت دیندار توحید کا پرستار، مخلص و جانثار تھا۔ یہاں کئی تعلیم القرآن اور ابتدائی تعلیم کے مدارس بھی قائم تھے۔ "واریؒ کے مولانا عنایت اللہ مرحوم نہایت متقی اور موحد انسان تھے۔ اب بھی ان کے خاندان میں حافظ ہدایت اللہ۔ حافظ عبدالستار حافظ اور مولوی عطاء اللہ صاحب کی وجہ سے رنگ توحید غالب ہے۔ مولوی تاج الدین مرحوم۔ جام رحم پنوار۔ جام رمضان، نبی بخش۔ رئیس عثمان عظیم خان۔ دین محمد خان مرحومؒ —— جماعت کے معزز بزرگوں میں سے تھے۔

۱۰: کھوسوں کی جماعت

علاقہ چاچڑاں و قادرپور وغیرہ کے کھوسہ بلوچوں کی ایک بڑی جمعیت حضرتؒ کے حلقہ ارادت میں تھی جس کا ہر زن و مرد دیندار و شب زندہ دار تھا۔ سردار کمال خان۔ امام بخش خان اور سو جھلے خاں سرکردہ اصحاب تھے۔

۱۱: کھاکھیوں کی جماعت

اقوام کھاکھی۔ بلوچ۔ قریشی اور جولاہے (ساکن علاقہ شیلانی) پر مشتمل ایک بڑی مؤثر اور منظم جماعت تھی۔ اللہ بخش فقیر، خدا بخش جولاہا، عبدالکریم کھیر وھوتہ جماعت کے مخلصین میں سے تھے۔

۱۲: پکےّ کی جماعت

پکالاڑان اور قریب کے دیہی علاقے میں پھیلے ہوئے حضرتؒ کے متعلقین کی جماعت تھی۔ اقوام چانڈیہ۔ کورائی۔ بھنگر اس میں شامل تھیں۔ تعلیم القرآن اور ابتدائی دینی مدارس بھی قائم تھے۔

۱۳: مٹھل حمزہ یا بیٹ کی جماعت

ترنڈہ محمد پناہ۔ خان بیلہ مٹھل حمزہ اور دریائی علاقہ (بیٹ) پر مشتمل اچھی خاصی جمعیت تھی حضرت مولانا خیر محمد مرحوم کی وجہ سے ان دیہاتوں میں جماعت کا کافی اثر تھا۔

۱۴: اللہ آباد کی جماعت

لیاقت پور۔ جن پور، متعلقہ چکوک اور دیہی آبادی پر مشتمل حضرتؒ سے متعلق مریدوں کے گروہ اللہ آباد کی جماعت کہلاتے تھے۔ حضرتؒ سے کمال عقیدت و محبت رکھتے تھے اور اکثر افراد لنگر عالیہ کا کاروبار اور خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ جام اللہ بچایا۔ جام پاری۔ جام نور محمد۔ منشی عبداللہ مشہور اصحاب تھے۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم حضرتؒ کے نہایت مخلص ارادت مند اور اپنے علاقے کے بڑے فقیر دوست عالم باعمل تھے۔

۱۵: بہاولپور کی جماعت

اس میں اکثریت ریاست کے ملازم حکام اور اہلکاران کی تھی۔ اس کا حلقہ احمد پور۔ ڈیرہ نوابصاحب اور صادق گڑھ میلسی تک پھیلا ہوا تھا۔ بعض اصحاب تو براہ راست ریاستی دربار سے وابستہ تھے۔ ان میں کرنل مقبول حسین وزیر حضوری امیر آف بہاولپور) میر سراج الدین مرحوم اور آپ کی اولاد خاص طور پر میر عبدالجلیل صاحب حضرت کی تحریک کے مخلص رکن تھے۔

۱۶: خیر پور ٹامیوالی کی جماعت

یہ جماعت یہاں کے سادات ہمدانی اور ان کے حلقۂ اثر پر مشتمل تھی۔ نہایت باخدا اور نیک انسانوں کی جماعت تھی۔ حضرتؒ سے کمال عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ مولانا سید محمد زمان شاہ ہمدانی قادری بلند پایہ کے بزرگ اور اہلِ صفا میں سے تھے۔ اس محترم خاندان کے اخلاف سید عباس علی شاہ۔ ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی اور ان کی اولاد بھی جماعت سے کمال اخلاص رکھتی ہے۔

۱۷: مسنون کی جماعت

علاقہ ظاہر پیر کے دیہات تھے اقوام مسن پر مشتمل تھی۔ بستی مسنان میں جماعت کا ایک بڑا عربی مدرسہ بھی تھا۔ ملک حاجی

اللہ دتہ مرحوم مولانا عبداللہ صاحب مسن اور مولانا عبداللہ گو پانگ ان کی اولادیں جماعت کے رضا کار و سرفروش تھے۔

۱۸: درخواست کی جماعت جچہ عباسیان۔ جام پور۔ ملک پور، کوٹلہ پٹھان اور شیخ عبدالستار کا علاقہ اور متعلقہ دیہی آبادی، بستی درخواست جیول کا کھو۔ کالو کی بستی۔ خیرے کی بستی پر مشتمل مریدین و مخلصین کی جماعت تھی۔ اکثریت اقوام ارائیں کی تھی۔ نہایت مخلص اور نیکو کار جماعت تھی۔ قریہ قریہ میں تعلیم القرآن کے مدرسے قائم کئے ہوئے تھے۔ بستی درخواست میں ایک عربی مدرسہ مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہٗ کے زیرِ اہتمام جاری تھا۔ یہ جماعت ہر جمعہ نماز دین پور شریف میں پڑھتی تھی۔ لنگر عالیہ اور خانقاہ کی خدمت میں اس جماعت کے فقراء مرد و زن کا بہت زیادہ حصہ ہوتا تھا۔ حافظ محمود الدین مرحوم (والد حضرت درخواستی) میانجی احمد دین مرحوم۔ میاں محمد یوسف۔ میاں عبدالغنی مرحوم میاں خدا بخش اور میاں رمضان (چاچا) جماعت کے مشہور بزرگ تھے۔

۱۹: سرائیوں کی جماعت سرائی بلوچوں کی یہ جماعت حضرتؒ کے فدائین و مجاہدین کی جماعت تھی۔ نہایت سرکش و بے باک تھے، مگر حضرتؒ کی تعلیم و تربیت نے ان کو اسلام کا سچا خادم بنا دیا تھا۔ گو اکثریت ان پڑھ افراد کی تھی، مگر ان کی زندگی صحیح اسلامی تعلیمات کا نمونہ تھی۔ نہایت سادہ اور بہادر لوگ تھے۔ لنگر عالیہ کی خدمت میں مرد و زن بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ یہ جماعت بھی ہر جمعہ نماز اور عیدین کے موقع پر دین پور شریف میں حاضری دیتی تھی۔ یہ وہ خوش قسمت جماعت تھی، جس کا حضرتؒ انتظار کرتے تھے۔ اور اس کی آمد کے لیے چشم براہ رہتے تھے۔ محمد علی خان۔ بکھو خاں۔ آڈت خان۔ بہارے خان۔ مزاری خان۔ عبدالحمید خان اور سردار عاقل خاں کورائی جماعت

کے سرکردہ اصحاب تھے۔ ان کی اولادیں اب بھی جماعت سے وابستہ ہیں۔

نوٹ: "جماعت دین پور" سے متعلق اوپر جن جماعتوں کا ذکر آیا ہے۔ وہ نسبتاً زیادہ مشہور تھیں اور راقم الحروف کے علم میں آئیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں موجود تھیں۔ جو مجھے معلوم نہیں یا اس قدر کم اہم تھیں کہ یہاں ان کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

حکومتِ الٰہیہ

دین پور شریف۔ بہ ظاہر جنگل میں واقع ایک چھوٹے سے خطۂ ارض پر ایک چھوٹی سی بستی تھی اور اس کی کُل مستقل آبادی (خانقاہ میں مقیم فقرا اور اہلِ مدرسہ کو ملا کر) چار پانچ سو نفوس سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن حضرتؒ نے جماعتی نظام قائم کر کے اس کو ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کا مرکزِ توجہ بنا دیا تھا۔ لاکھوں نگاہیں، اس پر اس لیے لگی ہوئی تھیں کہ حضرت نے یہاں ایک ایسا تجربہ شروع کیا تھا جو چودھویں صدی میں قرنِ اول کی یاد دلاتا تھا۔ ولی اللہی فکر و نظر کی روشنی میں علمائے حق اور مجاہدینِ آزادی ڈیڑھ سو سال سے اس ملک میں جس نظام کے قیام کا خواب دیکھ رہے تھے۔ حضرتؒ نے عملاً ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر اور ایک مخصوص جماعت کے افراد پر اس کو نافذ کر دیا تھا۔ یہ ایک ایسی جمہوری اور اسلامی حکومت تھی جس میں عملاً مذہب، روحانیت اور آزادی و مساوات موجود تھے۔

حضرت دین پوریؒ کے سیاسی پروگرام کی عملی تفسیر (حکومتِ الٰہیہ کے قیام) کا مقصد ایک ایسی نظیر پیش کرنا اور ایک ایسی جماعت تیار کرنا تھا جو مستقبل کے پاک و ہند میں ذہنی، علمی و روحانی انقلاب کے ذریعے ایک ایسا معاشرہ برپا کرے جو ہر قسم کے استحصال اور ظلم و جبر سے پاک ہو۔ جس کا خمیر مذہب و اخلاق سے اٹھایا گیا ہو۔

لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت کرنا اس قدر آسان نہیں جتنا کسی ملک اور سلطنت

پر حکمرانی سہل ہے۔ لیکن یہاں لوگوں نے عوام الناس نے (حضرتؒ کی تربیت یافتہ جماعت نے) بخود اپنے اوپر اپنے ذہنوں اور قلوب میں یہ نظام نافذ کر لیا تھا۔ اب حضرتؒ جماعت کے نہ صرف روحانی مقتدا اور رہنما تھے۔ بلکہ دنیوی معاملات میں بھی اس کے مالک و مختار تھے۔ لوگ حضرتؒ کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ پنچوں کے پاس معاملات لے جاتے اور وہاں سے انصاف پاتے۔ کوئی شخص یہ شکایت نہ کرتا کہ اس کے ساتھ ناجائز ہوا ہے فیصلے دل سے تسلیم کرتے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ روس میں جب ہم نے حضرت شاہ ولی اللہ کا پروگرام کمیونسٹ پارٹی کے سامنے پیش کیا تو اس کے رہنماؤں نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے ہاں اس پروگرام پر عمل پیرا کوئی جماعت (پارٹی) بھی ہے۔ تو میرے ذہن میں اپنے مرشدین دینپوریؒ کی جماعت کی مثال سامنے آگئی جہاں ایک خالص حکومت الٰہیہ کا نقشہ موجود تھا، مگر بعض سیاسی عوامل ایسے تھے کہ ہم ان کو اس جماعت کے متعلق بتا نہ سکتے تھے۔ اس لیے خاموش ہو گئے۔

طریقۂ بیعت

حضرتؒ کے پیغام و عمل سے متاثر ہو کر جو لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آنا چاہتے تھے۔ حضرتؒ بغیر کسی تردد کے فوراً انہیں بیعت فرما کر اپنی جماعت کے فقرا میں شامل کر لیتے۔ آپ نے کبھی کسی کی استدعائے بیعت رد نہیں فرمائی۔ مگر نواب صادق محمد خان رابع مرحوم کی درخواست بیعت کو احسن طریقے پر ٹال دیا تھا اور اپنے خدام کو وجہ یہ بتائی کہ نواب صاحب کی مریدی جماعت اور ہمسایوں کے لیے تکلیف کا باعث بن جاتی۔ دینپور سے انکار کے بعد نواب صاحب مرحوم نے اپنا تعلق خواجہ غلام فرید سے قائم کر لیا تھا۔

اگر کوئی شخص راہ چلتے ہوئے حضرتؒ سے اللہ اللہ سیکھنا چاہتا تو آپ فوراً وہیں زمین پر چادر بچھا کر بیٹھ جاتے اور اسے ذکر کی تلقین فرما کر بیعت کر لیتے۔ سواری پر سوار ہوتے تو اتر پڑتے تھے۔ اس عجلت کا مقصد یہ تھا کہ مرید کی زندگی کے وہ سانس جو یاد الٰہی میں گذرنے چاہئیں ان

میں کوئی رکاوٹ یا تاخیر نہ ہو۔ آپ کا یہ عمل بھی خلق کی اخروی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے ہوتا تھا۔ حضرتؒ بیعت کے وقت سب سے پہلے طریقۂ قادریہ کے "ذکر جہر" کی تلقین فرماتے اور ہر وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یادِالٰہی میں گذارنے کی تلقین فرماتے۔ تلقین شدہ ذکر کے متعلق تاکید ہوتی کہ وہ کبھی قضا نہ کیا جائے۔ دل میں ہر وقت "اللہ" کا دھیان رہنے کی ہدایت فرماتے اور ساتھ ہی فرماتے کہ پتہ نہیں کس وقت اجل (موت) آجائے۔ لہٰذا یادِالٰہی سے کسی لمحے بھی غافل نہ رہا جائے۔ آپ فرداً فرداً بھی بیعت فرماتے تھے اور خلق کے ہجوم کی صورت میں بیک وقت گروہ در گروہ بیعت بھی کرتے تھے۔ بیعت کے آخر میں مصافحہ بھی فرماتے تھے، مگر عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے۔ بعض اوقات چھوٹے بچوں کو بھی بیعت فرما لیتے تھے۔ (حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ) آپ سے بیعت کے وقت ۹ سال کے تھے)

بیعت کے بعد، بعض اوقات موقع محل کی مناسبت سے توحید و رسالت اور عقائد کی تبلیغ بھی فرماتے۔ منہیات اور غلط رسوم سے اجتناب کی ہدایت بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ بیعت کے بعد کبھی کسی سے ہدیہ، تحفہ یا نذر وصول نہ فرماتے تھے۔ تعویذات بہت کم اور شاذ و نادر ہی لکھتے تھے۔ اگر کبھی کسی کو لکھ کر دیتے تو اس کا ہدیہ قطعی قبول نہیں فرماتے تھے۔

مریدوں سے خطاب

حضرتؒ کبھی مجمع عام میں تقریر نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی منبر و محراب پر چڑھ کر وعظ یا بیان کرنا آپ کا مشغلہ تھا۔ صرف ایک دو موقعوں پر مجمع عام سے مختصر خطاب فرمایا تھا۔ جن میں خلافت تحریک میں ہلال احمر کی امداد و اعانت کی طرف توجہ دلائی تھی، مگر آپ کے ان مختصر کلمات میں وہ تاثیر و برکت تھی کہ بڑے بڑے خوش الحان واعظوں کی تقریروں سے نہیں ہوئی۔ آپ کے خطاب سے تمام مجمع بے اختیار ہو کر گریہ و بکا کرنے لگا اور لوگوں نے اپنے گھر کے برتن کپڑے اور عورتوں نے زیور تک اُتار کر چندے میں دے دیئے تھے۔

حلقۂ مریدان میں آپ کا طریق تعلیم و تبلیغ نہایت مؤثر، بلیغ و دلنشین ہوتا تھا۔ گفتگو پُر مغز اور معنی آفریں ہوتی تھی۔ مسائل مختصر اور سلیس پیرائے میں بیان فرماتے۔ بزرگوں کے اقوال وواقعات (دگفتہ) سے وعظ و نصیحت یا تعلیم و تبلیغ کا کام لیتے۔ جو بات زبان سے نکلتی تھی فوراً دل پر اثر کرتی تھی۔ اکثر خاموشی و بے زبانی بھی گفتگو اور زبان کا کام کرتی تھی۔

مریدوں کو کبھی "مرید" کے لفظ سے یاد نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ایسا کہنے والوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ مرید کے لیے ہمیشہ۔ بھائی۔ پیر بھائی یا جماعت کے فقیر ایسے القاب استعمال فرماتے تھے۔

لنگر عالیہ

آپ کے آستان پر ہمیشہ خلق خدا کا ہجوم رہتا تھا۔ اور لوگوں کا ایک جم غفیر خانقاہ میں ہر وقت جمع رہتا تھا۔ مخلوق پروانہ وار مثل شمع آپ کے گرد گرتی تھی۔ اس لیے آپ کے لنگر سے بیک وقت دو ڈھائی سو افراد اور خاص موقعوں (جمعہ۔ عیدین اور ایام رمضان المبارک میں) ہزاروں لوگوں کو کھانا اور ضروریات زندگی مہیا کی جاتی تھیں۔ اور یہ سلسلہ دن رات قائم رہتا تھا۔ اہل خانہ مخلص فقراء (خواتین و مرد) ہمہ وقت مہمانوں۔ مسافروں اور سائلوں کی خدمت میں مصروف رہتے تھے، خود حضرتؒ لنگر کے بہت سے کام اپنے ہاتھوں سے سر انجام دیتے تھے۔ لنگر عالیہ میں سے فقراء، مساکین، مہمانوں اور مسافروں کے علاوہ ہمسایوں اور گرد و نواح میں مزدوری کرنے والے مزدوروں کو بھی کھانا دیا جاتا تھا۔ کسی کے لیے کوئی رکاوٹ یا پابندی نہ تھی۔ لنگر میں رات کو عموماً چاولوں کا پتلا بھات "اور دن میں گندم۔ جوار۔ باجرہ یا نانگی اجناس میں سے کسی جنس کی روٹی پکا کرتی تھی۔ کبھی کبھی چنے۔ مٹر۔ یا ہر سر کی دال اُبال کر جماعت کو (کوہل) کھلاتے تھے۔ چاولوں میں ثابت چنے ڈال کر پکائے جاتے تھے۔ یہ "دتہ" کہلاتے تھے۔ خاندان قادریہ میں یہ طریقہ طعام حضرت محبوب سبحانی پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر سے سنت کے طور پر چلا آتا ہے۔ رمضان المبارک میں روزہ کی افطاری کے وقت عموماً یہی دتہ کے چاول تقسیم کیے جاتے تھے۔

لنگر عالیہ کا یہ عام کھانا بلا تخصیص و امتیاز ہر ایک کو مٹی کے پیالوں اور برتنوں میں دیا جاتا تھا۔ البتہ علماؔ و سادات کی تکریم کے خیال سے جستی یا تانبے کے کٹوروں اور قدوریوں میں پیش کیا جاتا۔ نووارد۔ ناواقف یا معزز مہمانوں کی آمد پر (تالیف قلب و احترام کی خاطر) ان کے لیے علیٰحدہ کھانا بھی پکایا جاتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی لنگر کا عام کھانا بھی ضرور دیا جاتا تھا۔

دین پور شریف کے لنگر کا "بھات" بہت مشہور تھا۔ لوگ تبرکاً دُور دُور لے جاتے تھے۔ اور مریضوں کو کھلاتے تھے۔ بعض مشاہدین حال کا بیان ہے کہ لنگر کے بھات اور لسی کے استعمال سے فالج زدہ مریض بھی شفایاب ہو گئے تھے۔

لنگر عالیہ کے مشہور خدام میاں غلام رسول خان، حافظ نور الدین، قاضی محمد دین، میاں محمد میاں مرید احمد، میاں عبد التواب، میاں جی محمود الدین، میاں شفیع محمد، ماماں مٹھا، میاں خدا بخش لانگری، حافظ نابینا اور اندرونِ خانہ بے شمار خواتین فقیرنیوں کی مخلصانہ خدمات کا ابھی تک ایک زمانہ معترف ہے

اشتراک محنت و بیت المال

لنگر عالیہ میں مہمانوں، مسافروں، فقرا اور طلباؔ کے لیے "خورد و نوش اور ضروریات زندگی کی فراہمی کا جو اسقدر اعلیٰ انتظام کیا گیا تھا۔ وہ محض فتوحات غیبی یا نذر نیاز پر قائم نہ تھا۔ اس کے لیے جماعت سمیت، حضرتؒ کو بھی سخت جدو جہد اور تگ و دو کرنی پڑتی تھی۔ اس مقصد کے لیے پہلے سے حضرتؒ نے تھوڑی سی اراضی خرید لی تھی۔ اس کے علاوہ ہمسایہ زمینداروں کی زمین بھی مزارعت پر لے لی جاتی تھی۔ اسی طرح حضرتؒ فقراؔ کے ساتھ مل کر کاشتکاری کا کام کیا کرتے۔ اور دوسرے پُرمشقت کاموں میں بھی برابر شریک رہتے تھے۔ لنگر عالیہ کے لیے جنگل میں سے لکڑیاں کاٹنے، اُٹھانے اور تعمیرات کے سلسلے میں اینٹیں تھوپنے۔ بھٹے پکانے۔ گارا

بنانے جیسے محنت طلب کاموں کی انجام دہی کے علاوہ حضرتؒ فقرا اور مہمانوں کی غلطروائی لنگر کے مطبخ کے انتظامات سنبھالنے اور کھانے کی تقسیم تک کے امور میں پوری دلچسپی بلکہ حصہ لیتے تھے۔ اس طرح حضرتؒ عملی طور پر لوگوں کو محنت و مشقت کے ذریعے رزق حلال کمانے کی تعلیم و ترغیب فرماتے رہتے تھے۔

حضرتؒ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بے کار بیٹھنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ عبادات کے بعد، فارغ اوقات میں لنگر عالیہ کا کوئی نہ کوئی کام اپنے ہاتھوں سے کرتے رہتے تھے۔ اخیر ایام میں جب آپ زیادہ محنت و مشقت کے کام نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی لنگر عالیہ کے لیے ساگ توڑنا۔ شلجم چھیلنا۔ اس کے ٹکڑے بنانا۔ مٹر کی پھلیوں سے دانے نکالنا کئی چھوٹے چھوٹے کام کرتے رہتے تھے۔ عادت مبارک تھی کہ جب اندرون حویلی تشریف لے جاتے تھے تو اپنے عصا کی نوک میں راستے کے خس و خاشاک اور پتے پروتے جاتے تھے اور جا کر مطبخ کی دیگ کے نیچے آگ میں ڈال دیتے تھے۔

حضرتؒ نے دین پور شریف میں جس معاشرہ کی بنیاد ڈالی تھی وہ اگر ایک طرف دیندار و شب بیدار تھا تو دوسری طرف اپنے دست و بازو کی کمائی (رزق حلال) سے محتاجوں، مسافروں غربا اور سائلوں کی خدمت کرنا اپنا فریضہ خیال کرتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرتؒ نے یہاں ایک بیت المال قائم کیا ہوا تھا۔ حضرتؒ سمیت تمام فقرا محنت و مشقت کے ذریعے رزق حلال حاصل کرتے اور تمام کا تمام بیت المال میں جمع کر دیتے۔ بیت المال ہی سے ایک کو بقدر ضرورت ہر چیز مہیا کی جاتی۔ محنت سے روزی پیدا کرنے کا یہ رنگ جماعت کے ہر ادنےٰ و اعلےٰ فقیر پر غالب تھا۔ نابینا اور معذور فقرا بھی اپنے طور پر کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے اور مفت کی روٹی کھانا یا معاشرے پر بھار بننے کو سخت ناپسند کرتے تھے تمام فقرا

نے اپنے اپنے ذوق یا ہنر و فن کے مطابق لنگر کے کام سنبھالے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس معاشرہ میں کسان، بڑھئی۔ معمار، درزی، موچی، جولاہے، تیلی، مدرس، منشی۔ کاتب تقریباً ہر پیشے سے متعلق لوگ رہتے تھے اور اپنے اپنے ذمہ کاموں کو نہایت خلوص اور محنت و دیانت سے انجام دیتے رہتے تھے۔ دینداری اور ایثار و خدمت کا جذبہ اس قدر پختہ تھا کہ ایک لانگری (جماعت میں کھانا تقسیم کرنے والا) اُس وقت تک خود کھانا نہیں کھاتا تھا۔ جب تک تمام فقرا یا مہمان نہ کھا لیتے تھے۔ بلکہ اپنا کھانا اس خیال سے رکھ چھوڑتا تھا کہ شاید کوئی مسافر یا مہمان بے وقت آجائے۔ اکثر ایسا اتفاق بھی ہوتا تھا کہ وہ کئی کئی وقت خود فاقے سے رہ کر اپنا کھانا دوسرے ضرورتمندوں کو پیش کر دیتا تھا۔

حضرتؒ لنگر میں پکنے والا عام کھانا اکثر کسی مہمان یا مسافر کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرمایا کرتے اور خز اور لباس نہ پہنتے تھے۔ یہی کیفیت اندرون خانہ حضرتؒ کے اہل و عیال کی تھی حضرتؒ ملّائیت (مسجد کے بے عمل کاہل ملاؤں کی طرزِ معیشت) کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس لیے جماعت بھی ایسی روزی کو مذموم خیال کرتی تھی۔ جماعت سے متعلق کوئی امام مسجد۔ مدرس۔ خطیب یا حافظ قرآن اپنی دینی خدمات کا صلہ یا عوضانہ بصورت روٹی کپڑا یا رقم نہیں لیتا تھا۔ اپنے دست و بازو سے کما کر خود کھاتا دوسروں کو کھلاتا اور دین کی اشاعت و خدمت محض رضائے الٰہی کے لیے کرتا تھا۔

حضرتؒ نے جو بیت المال قائم کیا تھا اس میں نقد سرمایہ کے علاوہ ضروریاتِ زندگی کی تقریباً تمام اشیاء موجود ہوتی تھیں۔ بیت المال کی نگرانی اور اس کا انتظام و انصرام مخلص اور بے طمع فقرا کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ لنگر کے روزمرہ کے اخراجات بیت المال سے پورے کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ سائلوں، مسافروں، ہمسایوں اور نادار و مستحق لوگوں کو بھی اس میں سے حصہ ملتا تھا۔ بیوگان کی سرپرستی، یتیموں کی پرورش۔ نومسلم (مرد و خواتین) کی تالیف قلب اور

شادی بیاہ سے اخراجات کا بھی بیت المال کفیل ہوتا تھا۔ بیت المال میں دودھ دینے والے جانور بھی موجود رہتے تھے۔ ان کے دودھ دہی، لسی، مکھن اور گھی سے لنگر کے عام فقرا اور یہاں کے باشندے مستفید ہوتے تھے۔ انکے علاوہ حضرتؒ باہر کی جماعتوں کے مستحق فقرا اور عیالدار غربا و مساکین کو بھی وہ جانور کبھی عاریتاً اور کبھی بخش دیتے تھے۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود حضرتؒ کی سیرت کا یہ پہلو عوام سے مخفی تھا کہ آپ اپنی ذات یا بال بچوں پر بیت المال میں سے کوئی چیز نہیں لیتے تھے۔ حضرتؒ کو فتوحات غیبی (روپیہ پیسہ کپڑا لتا اور ہر قسم کی اشیاء) کثرت سے ملتی رہتی تھیں، مگر آپ ان میں سے بھی بہت قلیل خرچ فرماتے تھے۔ اور زیادہ تر مال بیت المال میں جمع کرا دیتے تھے۔ حضرتؒ وہ ہدایا استعمال فرماتے تھے جو ان الفاظ کے ساتھ پیش کیے جاتے تھے کہ "حضرت! یہ خاص آپ کی ذات کے لیے ہے"۔ مگر لوگ عموماً چونکہ اس بات سے ناواقف ہوتے تھے اس لیے آپ عموماً تنگی و عسرت میں گذر اوقات فرماتے تھے۔

غرض حضرتؒ نے اشتراک محنت سے جو ایک مثالی معاشرہ کی داغ بیل ڈالی تھی اس سے صحیح اسلامی معاشرت کا ایک بہترین نقشہ اس مختصر خطۂ ارض پر عملی صورت میں دنیا کے سامنے آ چکا تھا۔

تعلیم و تربیت

حضرتؒ نے باطنی تعلیم و تزکیہ کے ساتھ یہاں ظاہری شرعی علوم کی تحصیل کا انتظام بھی کیا ہوا تھا۔ وقت کے بڑے بڑے علما ہر وقت آپ کے حضور میں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں حضرت کا ایک اپنا جداگانہ اسلوب تھا۔ لوگوں کو بہت کم زبانی پند و نصائح فرمایا کرتے بلکہ ہر حالت میں عملی طور پر تربیت کا اہتمام ہوتا تھا۔ کسی ناپسندیدہ فعل کی اصلاح کے لیے ہمیشہ اشاروں اور استعاروں سے کام لیتے اور دوسروں کو اپنی بات

ذہن نشین کرا دیتے۔ کسی کو غلطی پر نادم و شرمسار نہ کرتے تھے۔ ہر کسی کے ساتھ ایسا معاملہ یا رویہ کا اظہار فرماتے کہ ہر مخاطب و حاضر اپنی غلطی یا خامی خود محسوس کرنے لگتا۔ حضرت کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ جماعت کا ہر فرد غیر شرعی رسوم سے مجتنب اور نیکوکاری و خوش معاملگی کی طرف مائل تھا۔ حضرتؒ کا کوئی قول و فعل درس و نصیحت یا ترغیب عمل سے خالی نہ ہوتا تھا۔

آپ طلبا سے بہت زیادہ شفقت و محبت فرماتے تھے۔ خاص طور پر یتیم بچوں (طالبعلموں) سے بہت مہربانی فرماتے۔ مدرسہ تعلیم القرآن اور مدرسہ عربیہ میں وقتاً فوقتاً جا کر طلبا سے گفتگو فرماتے۔ ان سے اسباق سنتے۔ علم کا شوق دلاتے۔ خوش ہو کر کسی کو کوئی چیز یا پیسے تحفہ میں دیتے۔ اس طرح طلبا کی صفوں میں حضرتؒ کی تعلیمات کا چرچا ہوتا اور ان پر آپ کی تربیت کا رنگ چڑھتا تھا۔

عام جماعت فقرا کے لیے صبح و شام (نماز فجر اور عصر کے بعد) درس قرآن مجید اور درس بخاری شریف کا اہتمام ہوتا تھا۔ باطنی تعلیم کے ساتھ شرعی علوم و معاملات سے آگاہی کے لیے یہ سلسلہ بہت مفید اور نتیجہ خیز تھا۔ غرض تعلیم و تربیت کے معاملے میں یہاں ایک ایسا ماحول بن گیا تھا جسے "تربیت گاہ" کہا جا سکتا ہے۔ اس تربیت گاہ میں دور دراز کے مریدین کے چھوٹے چھوٹے بچوں سے لے کر تمام متعلقین کی ظاہر و باطنی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام موجود تھا۔

ضربِ توحید

دین پور شریف میں ابتدا سے یہ ایک عجیب روایت موجود تھی کہ فقرا ایک دوسرے کو بلاتے یا پکارتے وقت نام نہ لیتے تھے۔ بلکہ "اللہ" یا "ہو" کہہ کر ایک دوسرے کو متوجہ کرتے تھے۔ خود حضرتؒ کا اپنا یہی عمل تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ بندے کو کسی حالت میں ذکر اللہ سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ جماعت پر یہ توحیدی رنگ اس طرح غالب تھا کہ جب بھی

کوئی فقیر اندرون حویلی سے کسی کو کام کے لیے بُلاتا تو دروازہ پر زور سے "لاالٰہ الااللہ" کی ضرب لگاتا۔ ضرب سُن کر کوئی فقیرنی باہر آتی اور کام کے متعلق پوچھ کر چلی جاتی۔ ضرب لگانے کی مصلحت یہ تھی کہ ایک تو اندرون حویلی کسی خاتون فقیرنی کا نام نہ لیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ تعلیم باطنی مقصود تھی کہ جو شخص کسی کو بلانے کے مقصد سے ضرب لگاتا ہے۔ یقیناً وہ دل میں خیال کرتا ہے کہ کوئی آئے گا اور اس کا کام تب ہوگا۔ دوسروں کی کارسازی کا یہ تصور چونکہ رنگ توحید کے خلاف تھا اس لیے یہ خیال آتے ہی وہ دل میں کہتا "نہیں، میرا کارساز حقیقی تو اللہ ہے۔ (یعنی لاالٰہ الااللہ) میں جس غیر کو بُلا رہا ہوں وُہ تو محض ایک ذریعہ ہے۔ اس طرح حضرتؒ کو ایک معمولی کاروبار میں بھی ندا الغیر اللہ گوارا نہ تھی۔ اس لیے اس ضرب کو رواج دیا گیا۔

حضرتؒ جماعت کے ہمراہ سفر پر ہوتے تو تب بھی دیہاتوں، قصبوں، شہروں اور منزل مقصد کے قریب جماعت بیک آواز "ضرب توحیدی" لگاتی۔ (یاد رہے کہ یہ سلسلہ قادری راشدی بزرگان سے چلا آرہا تھا) اور حضرتؒ بھی بالالتزام اس پر عمل فرماتے تھے۔ بعض علما اس پر شرعی نقطۂ نگاہ سے اعتراض بھی کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہر بیوپاری اپنے "مال" کا اشتہار دیتا اور ندا لگاتا ہے۔ فقیروں کا مال اور سرمایہ" یہی کلمہ پاک ہے۔ اس لیے ہم اپنے مال کی تشہیر کرتے ہیں یہ بھی فرماتے تھے کہ ہر گروہ کی اپنی امتیازی علامت ہوتی ہے۔ ضرب توحیدی سے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی شادی بیاہ کی بارات یا میلے ٹھیلے پر جانے والے بے مقصد لوگوں کا گروہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے فقرا کی توحید پرست جماعت ہے۔ ضرب توحیدی لگانے سے اس جماعت کے متعلقین کو بھی معلوم ہو جاتا تھا کہ ہماری جماعت یہاں سے گذر رہی ہے۔

عدالت و فتویٰ

حضرتؒ کے متعلقین آپس کے تنازعات کی صورت میں مقدمہ بازی یا سرکاری عدالتوں میں دعویٰ دائر نہیں کرتے تھے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے مقامی جماعتیں یا پنچایت برادری کے افراد طے کر دیتے تھے، مگر خاص مقدمات و معاملات حضرتؒ کے پیش ہوا کرتے تھے۔ جو علماء اور صاحب الرائے اصحاب کی کمیٹی فیصل کرتی۔ شرعی معاملات سے متعلق بھی علماء کا ایک بورڈ فتویٰ نویسی اور فیصلوں کا کام کرتا۔ حضرتؒ ان سب کی نگرانی فرماتے اور آخر میں اپنی مہر تصدیق ثبت فرماتے۔ حضرتؒ کے اس عدالتی نظام میں سندھ اور پنجاب تک کے مریدین کے تنازعات فیصلوں کے لیے پیش ہوتے اور پھر ان پر باقاعدہ عمل درآمد ہوتا۔ یہاں کے فیصلے کے بعد جماعت کے متعلقین عدالتوں کے چکر سے بچ جاتے اور ان کے درمیان تمام خرابیاں دُور ہو جاتیں۔ فیصلے کے لیے پیش کیے جانے والے تنازعات میں اراضی وراثت۔ نکاح۔ طلاق۔ نان و نفقہ شادی بیاہ کے جھگڑے اور کئی دیگر دنیوی معاملات ہوتے تھے۔ یہ تو تھا یہاں "دین پور شریف" کا دستور۔ اس کے علاوہ سرکاری عدالتوں اور سابق ریاست بہاولپور کے محکمہ انصاف میں حضرتؒ کا بہت اثر تھا۔ اکثر جج مجسٹریٹ اور عدالتوں کے اہلکار حضرتؒ سے متعلق تھے۔ یا عقیدت رکھتے تھے۔ خاص خاص مقدمات کا فیصلہ حضرتؒ کی رائے سے کیا کرتے۔ میر سراج الدین مرحوم۔ میر عبدالجمیل صاحب اور چودھری عالم علی خان تو حضرتؒ کی رائے کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ مؤخر الذکر تو اپنے عدالتی فیصلوں میں لکھ دیتے تھے کہ چونکہ حضرت خلیفہ صاحب کی اس معاملے میں یہی رائے ہے۔ اس لیے اس کا فیصلہ یوں کیا جاتا ہے۔" ایک دفعہ عدالتِ عالیہ نے جج مذکور سے اس بات کی جواب طلبی کی تو اس نے لکھ دیا کہ چونکہ میری نگاہ میں حضرت خلیفہ صاحب سے کوئی بڑا سچا انسان نہیں ہے۔ اس لیے مقدمات کے فیصلے میں آپ کی رائے کو دیگر شہادتوں سے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں۔

غرض حضرتؒ کے اس عدالتی نظام سے نہ صرف یہ جماعت متاثر تھی، بلکہ پوری ریاست کا عدالتی نظام آپ کی عظیم شخصیت کے زیر اثر تھا۔

شادی بیاہ اور ماتمی رسوم

حضرتؒ نے جس طرح جماعت میں تمام سماجی اور اعتقادی غیر شرعی رسوم کا قلع قمع فرما دیا تھا۔ اس طرح شادی بیاہ کے معاملات اور اموات کی صورت میں بھی شریعت کی پابندی سختی سے کی جاتی۔ شادی بیاہ کی رسم نہایت سادہ اور اسلامی تعلیم کے مطابق ہوتی تھی۔ خود اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی شادیاں فوراً بعد از بلوغ سادہ طریقے سے سر انجام دی تھیں۔ گو "کفو" کا خاص خیال فرماتے تھے مگر سیرت پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ اپنے خاندان سے باہر بھی رشتے لیے دیئے تھے۔ بٹہ سٹہ جیسی قبیح رسم کے خلاف تھے۔

مریدین و متعلقین اپنے بچوں بچیوں کی شادیوں کے لیے اکثر حضرتؒ کی منشا دریافت کرتے تھے اور عموماً حضرتؒ ہی ایسے رشتے طے فرماتے تھے۔ نومسلم خواتین و مرد (جو یہاں مشرف بہ اسلام ہوئے) یا بیوگان اور بے سہارا لڑکیوں کے نکاح بھی حضرتؒ ہی اپنی صوابدید سے پڑھاتے تھے۔ شادی بیاہ پر ڈہل نقارہ یا کھیل تماشوں سے سختی سے منع فرماتے بلکہ ایسی شادی میں جماعت شرکت تو کجا اس کا طعام بھی نہ کھاتی تھی۔ عورتوں کے سہرے گانا بھی ناپسندیدہ فعل تھا اس کے علاوہ اسراف نمود و نمائش اور لین دین (نیندرا) کی رسم سے منع فرماتے۔ شادی بیاہ کے علاوہ اموات کی صورت میں بھی طریق شرع کا بہت خیال فرماتے۔ سادہ اور آسان طریق پر تجہیز و تکفین فرماتے۔ ہر قسم کا ماتم اور بلند آواز میں بین کرنے سے منع کرتے۔ غرض بیہودہ اور غیر شرعی رسوم جن میں ناک برادری کے خوف سے متوفی کے پسماندگان تباہ ہو جاتے ہیں۔ سختی سے رد کیے۔ یتامیٰ اور بیوگان کے حقوق کی نگرانی فرماتے۔ ان کے "ولیوں" کو ہدایت فرماتے۔ مرنے والے

کے ہاں پُرسے کے لیے جاتے اگر متوفی کا کوئی نابالغ وارث ہوتا تو ان کے ہاں سے پانی تک نہ پیتے۔ قرب وجوار کے اکثر متعلقین کے جنازے یہاں دین پور شریف میں لائے جاتے جن کی نمازِ جنازہ خود پڑھاتے اور تدفین کے انتظامات بھی کرتے۔

خط وکتابت

حضرتؒ کے پاس روزانہ بے شمار خطوط آتے تھے جن میں متعلقین کی طرف سے مختلف قسم کے مطالب درج ہوتے۔ دینی دینوی مقاصد تحریر کیے جاتے۔ دعاؤں کے لیے لکھا ہوتا یا تعویذات بھیجنے کی درخواستیں ہوتیں۔ خطوط کے جوابات آپ کے خاص منشی (کاتب) لکھا کرتے۔ عام طور پر حضرتؒ خط بہ طریق املا کے لکھواتے مگر بعض خاص خاص خطوط اپنے قلم سے لکھتے (ایک اچھے خوش نویس اور نثار تھے) خطوط کے سرے پر (از جماعت مسجد دین پور شریف) لکھا جاتا اور نیچے حضرتؒ کی مہر لگائی جاتی جس میں "نازم بہ بخت خود کہ غلام محمدؐ" اور "حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل" درج تھا۔ حضرتؒ کے دستخط کے اوپر "عاکف باب اللّٰہ الصمد" کے الفاظ اور نیچے "فقیر غلام محمد" آپ کے دستخط خطوط کی زینت ہوتے۔ آپ خطوط میں نہایت سادہ اور سلیس الفاظ ومطالب سے کام لیتے تھے۔ عبارت آرائی۔ اور طویل القاب وآداب سے زیادہ تر اجتناب فرماتے تھے۔ آپ کے خطوط سادگی وپُرکاری اور مطالب ومعانی کا بہترین نمونہ وخزینہ ہوتے تھے۔ کتاب میں آپ کے چند "مکاتیب" شامل اشاعت کیے جارہے ہیں۔ ان سے آپ کی خطوط نویسی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خطوط میں جو بات قابلِ ذکر ہے وہ ان کا جماعتی اور اجتماعی رنگ ہے۔ ان میں بھی حضرتؒ اپنی شخصیت کی بے جا نمود نہیں فرماتے بلکہ زیادہ تر جماعت کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ اگر خطوط انسانی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں تو آپ کے یہ خطوط آپ کی بلند پایہ اور عظیم شخصیت کا بہترین پرتو ہیں۔

خط وکتابت کے صیغہ میں حضرتؒ کے خاص منشی (کاتب) کام کرتے رہتے تھے۔ اِن

میں میاں احمد مرحوم، میاں عبدالخالق مرحوم اور مولانا عبدالمنان صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ یہ حضرات بڑی مدت تک یہ خدمت انجام دیتے رہے تھے۔

فقر و استغنا

حضرتؒ کبھی کسی بڑی دینوی شخصیت سے مرعوب یا متاثر نہیں ہوئے اور نہ ہی کبھی کسی سے لالچ یا طمع رکھا۔ آپ کے آستان پر وزرار حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار۔ حاکم اور صاحب ثروت و دولت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا، مگر کبھی اس خیال سے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے کہ وہ صاحبِ اقتدار تھے یا دینوی جاہ و منصب رکھتے تھے۔ ایک معمولی فقیر اور بڑا آدمی ان سے برابر کا سلوک فرماتے بلکہ بعض اوقات مساکین سے ترجیحی معاملہ فرماتے۔ عام طور پر سرمایہ دار اور صاحب اقتدار لوگوں سے تحائف اور نذر و نیاز تک وصول نہ فرماتے۔ غریب اگر معمولی ہدیہ (ایک پیسہ کی رقم) دیتا تو لے لیتے۔ سر مولوی رحیم بخش مرحوم (پریذیڈنٹ ریاست بہاولپور) نے کئی چکوک اور مواضعات اراضی بگر میں دین چاہی اور کاغذات ہمراہ لے آئے، مگر حضرت نے وہ کاغذات پھینک دیئے اور فرمایا، مولوی صاحب! فقیر یہاں زمین کے ڈھیلے جمع کرنے کے لیے نہیں بیٹھا۔ آئندہ اگر آپ اس مقصد کے لیے آئیں تو تشریف نہ لایا کریں۔" اس طرح امرا کو ہمیشہ استغنا کے تیر سے گھائل کیا۔ کبھی کسی کے سامنے جھکنا اور اٹھنا تو بڑی بات ہے۔ نظر اٹھا کر دیکھنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ یہی تعلیم تھی جس کا پرتو جماعت پر بھی تھا۔ ایک ادنیٰ فقیر بھی حکومت وقت کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور نہ ہی کسی بڑی طاقت سے مرعوب ہوتا تھا۔ ایمانی جرأت کی یہ حالت تھی کہ حضرتؒ کے اس ارشاد پر کہ آئندہ اگر جماعت کا کوئی فرد نماز نہ پڑھے تو اسے جوتے لگاؤ"۔ پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم کو جو اس وقت لاہور کے ہائی کمشنر تھے اور حضرتؒ سے تعلق رکھتے تھے۔ جماعت کے ایک ادنیٰ فقیر نے بھی بھری مجلس (پارٹی) میں جا کر جوتے لگائے جبکہ اس کے انگریز مہمان بھی موجود تھے۔

حضرتؒ کے زمانے میں حکومت نے تمام گدی نشینوں اور پیروں کو غیر مسلموں کو مسلمان کرنے سے روک دیا تھا۔ بہاولپور میں بھی کوئی غیر مسلم کو مسلمان نہیں کرتا تھا، مگر حضرتؒ علی الاعلان اور بہ بانگ دہل ہندوؤں اور غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام فرماتے تھے۔

تربیت جہاد

حضرتؒ چونکہ روحانی پیشوائی کے ساتھ تحریک آزادی کی رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملے ہوئے جہاد کے جذبات اور حریت و آزادی کی روح سینہ میں موجود تھی۔ اس لیے حالات کا تقاضا تھا کہ وہی روح جماعت میں بھی کارفرما رہے۔ اس مقصد کی خاطر آپ جماعت کو ہمیشہ مسلح رہنے اور ہتھیار رکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔ بغیر لائسنس کی بے شمار بندوقیں لنگر میں بھی رکھی جاتی تھیں۔ بارود سازی اور اسلحہ کی تیاری کا مکمل نظام موجود تھا جو مولانا عبدالقادر مرحوم کی نگرانی میں ہوتا۔ چونکہ برطانوی حکومت اور انگریزوں کے دشمن تھے۔ اس لیے ان کے خلاف جہاد کے لیے جماعت کو ہر وقت تیار رہنے کی عملی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ مریدین کی حوصلہ افزائی اس صورت میں بھی کرتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بغیر لائسنس کا اسلحہ رکھیں۔ خود سفر میں بھی اپنے ہمراہ ضرور اسلحہ رکھتے تھے۔ حضرتؒ تقریباً ہر سال سیر و شکار کے بہانے سے مجاہدین کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ چولستان میں جا کر نشانہ بازی کی مشق دیکھتے۔ خود اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز اور منجھے ہوئے شکاری تھے۔ اڑتے ہوئے پرندوں تک کا نشانہ لے لیتے تھے۔ حضرتؒ خود اپنے بچوں کو بھی نشانہ بازی کی تعلیم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اندرون خانہ اپنی صاحبزادیوں کو بھی بندوق چلانے کی تربیت دی تھی۔

بندوق کی نشانہ بازی کے علاوہ آپ تیغ زنی، نیزہ بازی، تیراکی اور شہسواری ایسے مردانہ کھیلوں سے بہت دلچسپی لیتے تھے۔ خود ایک ماہر شہسوار تھے اور لنگر میں بڑی اعلیٰ نسل کی گھوڑیاں پالتے تھے۔ سفر پر اکثر جماعت گھوڑیوں کی سواری کرتی تھی۔ آپ اپنے ساتھیوں کو

شہسواری کے گر بتاتے تھے۔ بلوچستان میں بہت سے قبائل صرف آپ کی شہسواری کا کمال دیکھ کر داخل سلسلہ ہوئے تھے۔ تیراکی میں بھی آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ پنجاب کے علاقوں میں آپ نیزہ بازی، گھوڑ دوڑ اور کبڈی کے مظاہرے ضرور دیکھتے۔ اور جوانوں کو ان کھیلوں کا شوق دلاتے۔ غرض حضرتؒ کی انہی دلچسپیوں اور تعلیمات کا اثر تھا کہ جماعت کے اکثر فقرا سفر، حضر میں اپنے ساتھ ضرور ہتھیار رکھتے تھے۔ اگر کسی کے پاس اور بھی کوئی چیز نہ ہوتی تو وہ لکڑی یا چھڑی اپنے ہاتھ میں ضرور رکھتا۔ اس طرح حضرتؒ تمام عمر جہاد کی تیاری اور اس کی تربیت کا انتظام فرماتے رہے۔ چنانچہ تہ خانوں کی تعمیر اسلحہ کی تیاری اور فراہمی کے ساتھ عملی کارروائیاں اور سرگرمیاں بھی جاری رہتی تھیں۔

احترام سادات، بزرگانِ دین و اساتذہ

حضرتؒ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ کبھی ظاہراً یا عملاً دوسروں پر اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرتے تھے۔ جماعت کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ فقیر سے ہمیشہ مہربانی، خندہ پیشانی اور تواضع سے پیش آتے تھے۔ ہر کوئی سمجھتا تھا کہ آپ مجھ پر ہی زیادہ مہربان ہیں، لیکن سادات، بزرگانِ دین، علماء اور اساتذہ کے ساتھ جس قدر عقیدت و احترام کا معاملہ فرماتے تھے، وہ کسی دوسرے فرد کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ ان کو ہمیشہ اپنے برابر بٹھاتے۔ خود ان کے سامنے باادب ہو کر بیٹھتے۔ ان کی باتیں بڑے غور سے سنتے۔ ان کے کام کرانے میں خاص دلچسپی لیتے۔ پھر لنگر میں ان کے کھانے پینے اور رہائش کے لیے بھی خصوصی انتظام ہوتا تھا۔

اپنے مرشد گھرانہ (بھرچونڈی شریف اور سوئی شریف کے علاوہ بھی وہ تمام پیرانِ سلسلہ اور ان کی اولاد) سے کمال درجے کا عجز و نیاز فرماتے نہایت ادب و احترام سے پیش آتے۔ ان کے برابر نہ بیٹھتے بلکہ ان کے سامنے فرشِ خاک پر بیٹھنا زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اس طرح

اساتذہ اور ان کے خاندان سے بھی آپ کا خصوصی معاملہ تھا۔ اگرچہ آپ کے اساتذہ (بستی مولویان وراجن پور سندھ) کا بیشتر خاندان آپ سے تعلق بیعت رکھتا تھا۔ لیکن ان کا احترام بلکہ اِن کے چھوٹے بچوں تک کا ادب فرماتے تھے۔ آپ کی اس توجہ اور خلق عظیم سے اکثر ایسے مہمان پریشان ہوتے تھے اور آپ کی خدمت میں جاتے ہوئے جھجکتے تھے۔ بستی مولویان کے مولوی صاحبان اکثر جب کبھی لنگر عالیہ میں آتے تو اکٹھے جا کر حضرت والا سے ملتے تاکہ حضرتؒ کو ایک ایک کے ساتھ علیحدہ ادب و تواضع سے پیش آنے میں تکلیف ہو۔ یہ حضرات کبھی خود دعوت کے لیے نہ کہتے تھے بلکہ کسی دوسرے ذریعے سے کہلاتے تھے۔ کیونکہ جب کبھی ان میں سے کسی نے حضرت کو دعوت کی منظوری کے لیے عرض کی آپ ہاتھ جوڑ کر فرماتے، کہ مولانا! میں تو باندی کا لڑکا ہوں آپ کی دعوت سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

عاداتِ سفر

تعلیم و تبلیغ اور جماعت کی اصلاح و تربیت کے لیے حضرت تقریباً (ہر سال) جماعتوں کی دعوت پر ان کے ہاں سفر فرمایا کرتے تھے۔ سفر میں آپ اپنے ہمراہ فقراء کی کثیر جماعت رکھتے تھے بلکہ بعض اوقات دو چار مدارس تعلیم القرآن کے طلباء اور علماء کی ایک خاصی تعداد بھی آپ کے ہم رکاب ہوتی تھی۔ اور اِن سب کی تعداد سینکڑوں میں ہوتی تھی۔ کسی کی دعوت رَد نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ کسی غریب دعوت دہندہ کی صرف سادہ پانی کی دعوت یا خالی قدم کی دعوت پر بھی بیسیوں میل کا سفر طے کر کے جاتے تھے۔ عام دعوت دہندہ کو تاکید ہوتی تھی کہ وہ کسی قسم کا اسراف یا ناجائز خرچ نہ کرے

بلکہ ساگ بھات اور دال دلیہ پر مشتمل وہی سادہ کھانا تیار کرے جو لنگر میں پکا کرتا ہے۔ تکلفات کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ کئی دعوت ہندوؤں کو تو کھانا پکانے کی بھی اجازت نہ ہوتی تھی۔ جماعت اپنے ساتھ لیے ہوئے بھنے چنوں پر گذارا کرتی اور ان کے ہاں محض دینی فائدے یا برکت کے لیے قیام کرتی۔ اکثر امراء کی دعوتوں پر بھی جماعت کھانا نہیں کھاتی تھی۔

سفر میں اہلِ دنیا پیروں کی طرح نذر و نیاز کی وصولی ہرگز نہ ہوتی تھی۔ اور جو کوئی اپنی خوشی سے دیتا بھی تھا تو وہ بیت المال میں جمع کر دی جاتی تھی۔ جس کا باقاعدہ حساب و کتاب منشی رکھتے تھے اور آپ ان معاملات میں کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔

سفر میں جماعت کو تاکید ہوتی تھی کہ وہ بہت کم کھائے اور دعوت کنندہ پر بوجھ نہ بنے۔ بلکہ فقراء جس طرح لنگرِ عالیہ میں کام کرتے تھے۔ صاحبِ دعوت کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ حضرت اپنے ان اسفار میں بہت زیادہ مصروف رہتے تھے۔ چونکہ بے نمازی اور بے دین لوگوں کے ہاتھ کا کھانا روٹی نہیں کھاتے تھے۔ اس لیے کئی وقت بھوکے رہ جاتے تھے اور کمزور پڑ جاتے تھے۔ سفر میں روزمرہ کے معمولات کے علاوہ لوگوں سے ملاقات کرتے۔ ان کو اللہ اللہ بتاتے۔ ان کے مسائل حل فرماتے۔ نیز مقامی علماء اور صلحاء سے بھی خاص طور پر ملتے۔ اگر کسی جگہ بزرگ کا مزار ہوتا تو وہاں بھی حاضری دیتے۔ دیوبند کے سفر میں آپ نے دہلی جا کر حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بختیار کاکیؒ اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی تھی۔ لاہور میں ایک دفعہ جہانگیر کے مقبرہ پر تشریف لے گئے۔ دیر تک مراقبہ فرمایا اور پھر وہاں "حلقۂ ذکر" بھی کرایا۔

غرض حضرتؒ اور آپ کی جماعت کے یہ تمام سفر نہایت بامقصد اور مفید ہوتے تھے ۔ اور خلقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور فیض حاصل ہوتا تھا ۔ آپ کے ساتھ جو تربیتی ادارہ (جماعت) ہوتا تھا ۔ عوام اس سے بھی بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے اور اس جماعتی نظام کو اپنا لیتے تھے ۔

خوراک ولباس

حضرت نہایت سادہ غذا استعمال فرماتے تھے ۔ کھانا کھاتے وقت اکثر اپنے ساتھ کوئی مہمان بٹھا لیتے تھے کھانا اطمینان وسکون کے ساتھ کھاتے ۔ سالن اپنے سامنے سے استعمال کرتے اور مہمان کو پوری طرح کھانے کا موقعہ دیتے ۔ اگر گوشت کا سالن ہوتا تو بوٹیاں چن چن کر اس کے سامنے رکھتے جاتے اور اسے کھانے کی ہدایت فرماتے جاتے ۔ بعض اوقات بچوں کو بھی ہاتھ دھلوا کر اپنے ساتھ بٹھا لیتے اور انہیں کھانا کھانے کے آداب سکھلاتے ۔ حضرت جن لوگوں کو اپنے ساتھ شریکِ طعام فرماتے تھے ان میں امیر یا غریب کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا ۔ بلکہ اکثر ایسے لوگ ہوتے تھے جو نہایت کم تر درجے کے غریب اور نادار ہوتے تھے ۔ حضرتؒ کھانا کھاتے وقت جونہی لقمہ مُنہ میں ڈالتے دِل ہی دل میں (یا حَیُّ یا قیّوم) پڑھتے رہتے ۔ متعلقین کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے ۔ مقصد یہ تھا کہ آدمی لقمے یا روٹی کے ٹکڑے کو اپنی بقائے حیات کا ذریعہ نہ سمجھ لے ۔ بلکہ موت وحیات اور بقاء و دوام کا مالک صرف اللہ ہے جو حَیّ اور قیّوم ہے ۔ اس لیے یہاں بھی یہ رنگ توحید نمایاں تھا ۔

پوشاک ولباس کے معاملے میں بھی حضرتؒ ہمیشہ سادگی اور صفائی پسند فرماتے تھے ۔ سر پر کپڑے کی قادری ٹوپی اور اس پر دستار ہوتی ۔ ایک کھلے ہوئے گلے کا کرتہ

جس پر دو کپڑے کے شملے ہوتے (یہ کرتہ دین پوری چولا کہلاتا تھا۔ اور جماعت کا عام شعار تھا۔ شلوار عموماً بڑی اور گھیر دار ہوتی تھی۔ کپڑے ہمیشہ سادے، اُجلے اور صاف ستھرے زیب تن فرماتے۔ اگر کہیں سے پھٹ جاتے تو پیوند لگا کر بھی عموماً استعمال فرماتے تھے۔ آپ کے پاس اکثر کپڑوں کا ایک ہی جوڑا رہتا تھا۔ جمعہ کے دن تازہ دُھلے ہوئے کپڑے پہنتے۔ چولے پر امیر آف بہاولپور کا بھیجا ہوا "بالاپوش" پہنا جاتا۔ عطریات و خوشبویات کا استعمال بھی پسند فرماتے تھے۔

چونکہ حضرت کے لباس اور خوراک کی یہ کیفیت تھی۔ اس لیے جماعت بھی تقریباً اسی رنگ میں رنگی ہوتی تھی۔ دین پوری چولا اور قادری ٹوپی جماعت کے فقراء کی عام پہچان تھی۔ فقراء اپنے چولوں کو، جو بالعموم کھدر یا دیسی کپڑے کے ہوتے تھے، کیکر کی چھال کا رنگ دیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کی اتباع میں فقراء داڑھیاں بڑھاتے اور مونچھیں کتراتے تھے۔ اس لیے لباس کے ساتھ اس خاص شعار سے بھی آپ کے متعلقین کا دور سے پتہ چل جاتا تھا۔

غیر مسلموں سے تعلقات

سیاسی طور پر تو حضرت کے بہت سے مقامی اور ملکی بڑے بڑے لیڈروں سے تعلقات تھے گاندھی جی اور پنڈت نہرو سے بھی آپ کا غائبانہ تعارف تھا۔ خلافت تحریک کے زمانے میں ایک دفعہ آپ نے گاندھی جی کے لیے اسٹیشن پر بکری کا دُودھ بھی بھیجا تھا۔ جبکہ دوسرے رہنماؤں کو کھانا دیا گیا تھا۔ مگر سماجی طور پر بھی آپ غیر مسلموں، ہندو سکھ اور دوسری اقوام میں بہت مقبول و ہردلعزیز تھے۔ اکثر مقامی غیر مسلم آپ کو بڑی عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کے ہاں دُعا کرانے اور تعویذات

لینے بھی آیا کرتے تھے۔ بعض ہندو اور سکھ زمیندار تو اس قدر عقیدتمند تھے کہ جب کوئی نیا چاہ احداث کراتے تو حضرت سے بطور تبرک سب سے پہلے کھدائی کا آغاز کراتے۔ نذر نیاز بھی لے آتے تھے۔ حضرت اِن کے دنیوی کام یا کسی مسلمان حاکم وغیرہ کے پاس ان کی سفارش بھی فرمایا کرتے تھے۔ بعض غیر متعصب ہندو، سکھ لنگر کا کھانا بھی کھاتے تھے۔ اِن کے علاوہ آپ کے پاس انگریز مرد اور خواتین بھی آتے رہتے تھے۔ جن سے حضرت بڑی توجہ اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ غیر مسلموں میں اگر کوئی مشرف بہ اسلام ہوتا تو آپ اسے اپنے بچوں اور عزیزوں کی طرح چاہتے سرپرستی فرماتے، تعلیم و تربیت دیتے۔ برسرِ روزگار کراتے اور ان کی شادی کراتے، نَومُسلم خواتین سے بھی یہی معاملہ اور سلوک فرماتے تھے۔ غرض حضرت تمام بنی نوع اِنسان سے محبّت فرماتے اور اس کو راہِ ہدایت دکھانے کی سعی فرماتے تھے۔

محفلِ سماع پیرانہ طریق کے مطابق حضرت اکثر خوش الحان فقراء سے (بغیر مزامیر) کے بزرگ شعراء کا صوفیانہ و عارفانہ کلام بھی سماعت فرمایا کرتے تھے۔ عموماً عشاء کے بعد یا سحری کے وقت اِس محفلِ سماع کا انتظام ہوتا تھا۔ اور سلسلہ سفر، حضر میں بھی قائم رہتا تھا۔ دورانِ سفر سواری کی حالت میں بھی فقراء کافیاں گایا کرتے تھے۔ آپ نہایت توجہ، انہماک و اِستغراق سے کافیاں اور کلام سُنتے، تمام محفل میں جذب وحال کی کیفیت طاری ہوتی۔ خود حضرتؒ خاموش گریہ فرماتے ہوتے۔ مگر کمال ضبط و نظم ہوتا، مجال ہے کوئی خلافِ شرع قدم اُٹھ جائے یا مُنہ سے کوئی بات نِکل جائے، نعرہ آرائی و بے جا خروش سخت ناپسندیدہ تھا۔

اکثر شاہ بھٹائیؒ، سچل سرمستؒ، بُھلّے شاہؒ، دریاخانؒ، خواجہ غلام فریدؒ،

اور مخدوم اشرف کا سرائیکی، سندھی اور پنجابی عارفانہ کلام سنتے۔ فارسی میں جامیؒ، رومیؒ، سعدیؒ، حافظؒ اور امیر خسروؒ کی غزلیات پسند فرماتے تھے۔

عبادات

سحر خیزی: حضرۃ کا تاحیات یہ دستور رہا تھا کہ آپ صبح صادق سے ڈھائی تین گھنٹے پہلے بیدار ہوتے اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو بناتے، وضو کے بعد عبادات و یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ اکثر اپنے متعلقین کو بھی سحر خیزی کے لیئے تلقین فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی توجہ کا اثر تھا کہ دین پور شریف کے اکثر فقراء اس دولتِ عظمٰی (سحر خیزی) سے بہرہ ور تھے۔ وہ بھی حضرت کے ساتھ ہی اٹھتے اور ذکر و عبادات میں لگ جاتے تھے۔ چنانچہ رات کے اسی حسین سمے میں دین پور شریف کا تمام ماحول، ہر گھر اور یہاں کے درو دیوار ذکرِ جہر کی صداؤں اور یادِ الٰہی کے لاہوتی نغمات سے معمور ہو جاتے تھے۔ حضرتؒ کو سحر خیزی کی یہ عادت اس قدر محبوب تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم چاہیں تو فقراء اور مہمانوں کو رات کے وقت دوسرا عمدہ کھانا کھلا سکتے ہیں۔ مگر "پتلا بھات" اس لیے دیتے ہیں کہ شاید اس کے سبب کوئی سحری کے وقت (پیشاب کے تقاضے سے) جاگ اُٹھے۔ خدا کی یاد کے دو چار بول اس کے منہ سے نکل جائیں اور اس کی عاقبت کا سرمایہ بن جائیں۔

غُسل و مسواک: حضرت لطیف الطبع اور نفاست پسند تھے۔ طہارت و صفائی کو عزیز رکھتے تھے۔ عام غُسل کے علاوہ جمعہ، عیدین وغیرہ کے مواقع پر خاص اہتمام سے غُسل فرماتے تھے۔ غُسل میں بدن پر گِل ملتانی ملتے اور "تہ بند" باندھ کر نہاتے تھے۔ غسل یا وضو میں سنتوں اور مستحبات تک کا دھیان رکھتے تھے۔ ہر وضُو سے فراغت کے بعد تاحیات دو رکعت

تحیۃ الغسل اور دو رکعت تحیۃ الوضو کا التزام رکھتے تھے۔ صفائی کے معاملے میں مسواک کے استعمال پر بھی زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ فرائض پنجگانہ کے علاوہ نیند سے بیداری، نفل تہجد کے وقت اور غسل سے پہلے بھی مسواک فرمایا کرتے تھے۔ متعلقین کو بھی مسواک کرنے کی ہدایت ہوتی تھی۔ اکثر خدام مسواکیں تحفۃً لنگر میں لایا کرتے تھے۔ جنہیں حضرت جماعت میں تقسیم فرمایا کرتے تھے حضرت بعض بزرگوں کے ہاں بھی "مسواکوں" کا تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے پاس بھی ایک دو دفعہ مسواکیں بھیجی تھیں۔

نماز با جماعت: آپ نماز پنجگانہ بڑی پابندی اور اہتمام سے اول وقت میں باجماعت ادا فرماتے تھے۔ جماعت کو بھی اس کی بہت زیادہ سختی سے تاکید ہوتی تھی۔ چنانچہ یہاں خانقاہ میں یہ دستور تھا کہ جو شخص بھی نماز باجماعت سے رہ جاتا، آپ اسے سرزنش کے طور پر پانچ جوتے لگواتے۔ یہ خدمت عموماً ماماں مِٹھا کے سپرد ہوتی تھی۔ اگر کسی مہمان، عالم یا سید سے یہ غلطی سرزد ہوتی تو آپ اس کے سامنے اس کی بجائے اپنے کسی خدائی کو اس کے حصے کے جوتے لگواتے۔ غرض حضرتؒ نماز باجماعت اور مسجد میں پڑھنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ بیماری کی صورت میں بھی ڈولی میں بیٹھ کر یا دو آدمیوں کے سہارے لڑکھڑاتے ہوتے قدموں سے مسجد میں تشریف لاتے اور باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ اسطرح زندگی میں نہ آپ کی کوئی نماز قضا ہوئی اور نہ ہی کوئی نماز بغیر جماعت کے پڑھی۔

اہتمام سُنن و نوافل:۔ فرائض و واجب کے علاوہ آپ سنتہائے موکدہ و غیر موکدہ، نفل تہجد، تحیۃ الوضو، تحیۃ الغسل، تحیۃ المسجد، نفل اشراق و چاشت اور صلوٰۃ اوابین بھی بڑی پابندی اور اہتمام سے ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور جماعت اس معاملے میں بھی آپ کا پورا اتباع اور تقلید کرتی تھی۔ یہ معمول بھی آپ نے تاحیات قائم رکھا۔

نوافل تہجد میں آپ عموماً دس رکعت نفل پڑھتے تھے۔ سب سے پہلے دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتے۔ اس کے بعد الحمد للہ ۱۰ بار، اللہ اکبر دس بار، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان العظیم ۱۰ بار، لا الہ الا اللہ دس دفعہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۲۰ دفعہ اور استغفر اللہ الخ دس بار پڑھتے۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے۔ ۱۰ دفعہ "اللھم انی اعوذبک من ضیق الدنیا ومن ضیق الیوم القیامۃ" اور نفل تہجد کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ عام طور پر تہجد میں فی رکعت تین دفعہ سورۃ اخلاص قرأت فرماتے اور کبھی کبھی آیت الکرسی، سورۃ بقرہ کی آخری آیات "آمن الرسول" یا کوئی دوسری سورۃ بھی تلاوت فرماتے تھے۔ صبح صادق ہو جانے پر آپ مراقب ہو جاتے اور نماز فجر کے وقت تک مراقبہ فرماتے رہتے۔ اس دوران فقرا آپ کو کافیاں اور ادبیات بھی سناتے۔ نماز فجر کے فرض اور سنت کے درمیان آپ مسنون طریق پر آنکھوں میں سرمہ بھی لگاتے۔

نماز نوافل کے علاوہ شوال کے چھ نفلی روزے، نو دس محرم، عرفہ، شب قدر کے روزے آپ اور جماعت پابندی سے رکھتے۔ کبھی کبھی ایام بیض کے روزے بھی رکھ لیتے غرض عبادات میں سنن، نوافل و روزہ نیز مستحبات پر حضرتؒ خود بھی عامل تھے اور جماعت بھی ان کی پابندی کرتی تھی۔

تلاوت: بعد نمازِ فجر تلاوتِ قرآن مجید حضرت کا خاص معمول تھا۔ ایامِ صحت میں ایک سیپارہ، بعد میں بیماری و ضعف کی وجہ سے نصف یا ربع پارہ ضرور تلاوت فرماتے تھے۔ تلاوت کے علاوہ منزل دلائل الخیرات اور جواہر القرآن بھی اوائل عمر میں فرمایا کرتے تھے بعد میں جواہر القرآن کی بجائے حضرت تھانویؒ کی "مناجات مقبول" کی روزانہ ایک منزل خود پڑھتے اور خدام کو بھی پڑھنے کی تاکید فرماتے۔

مجلسِ ذکر :۔ بعد نمازِ مغرب (عشاء سے قبل) حضرت روزانہ طریقہ قادریہ کے مطابق مسجد میں ذکرِ جہر کی مجلسیں منعقد فرمایا کرتے تھے۔ جسے حلقۂ ذکر کہا جاتا تھا۔ اس میں خود بھی شامل ہوتے۔ اور یہ سلسلہ سفر حضر میں بھی ہر جگہ بدستور جاری رہتا۔ یہ مجلس تقریباً بیس پچیس منٹ کی ہوتی تھی۔ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ایک تسبیح ذکر کی جاتی تھی۔ ذکر کے اختتام پر تھوڑی دیر مراقبہ اور پھر دعا ہوتی۔
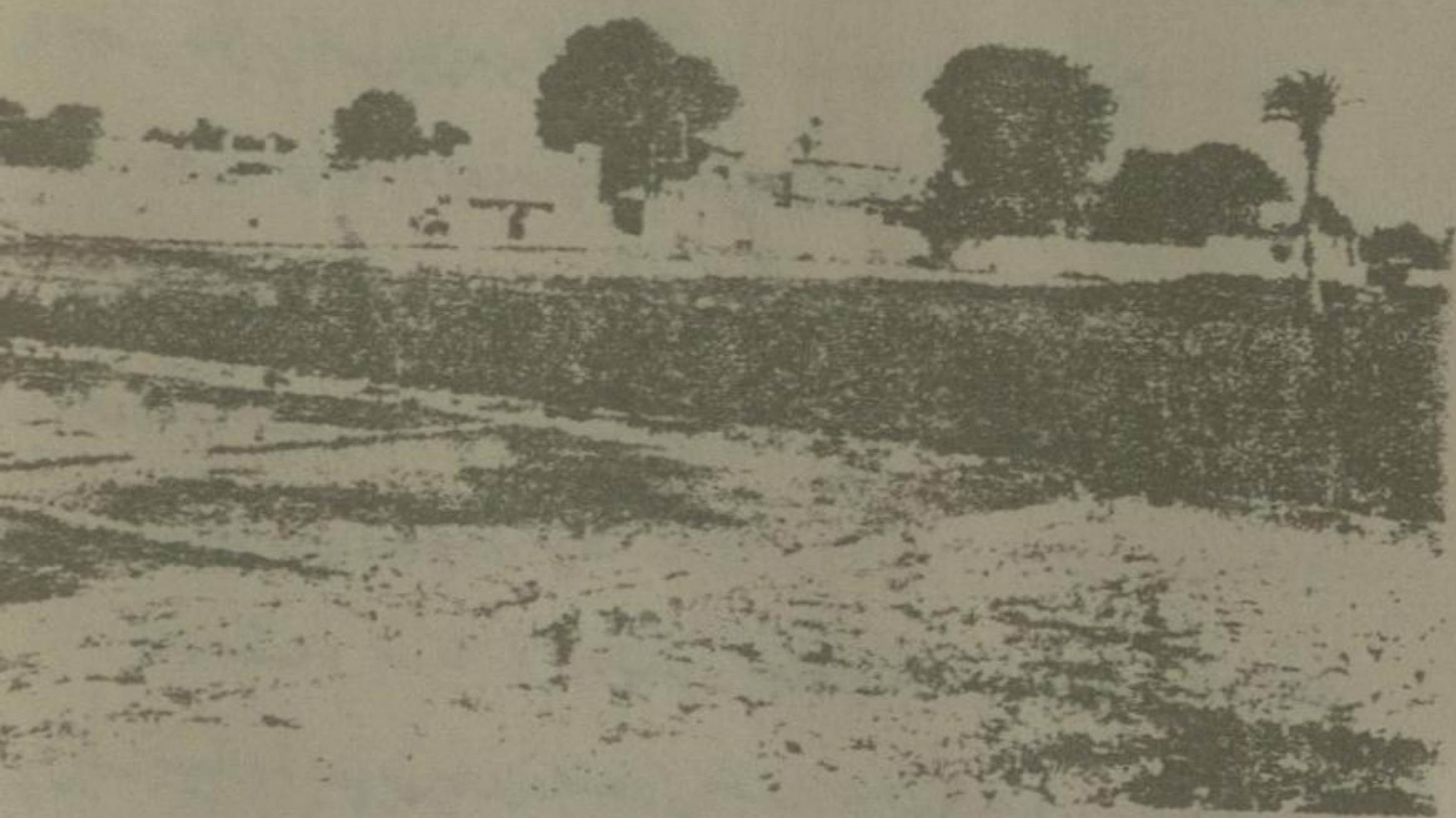
بستی دینپور شریف کا ایک منظر
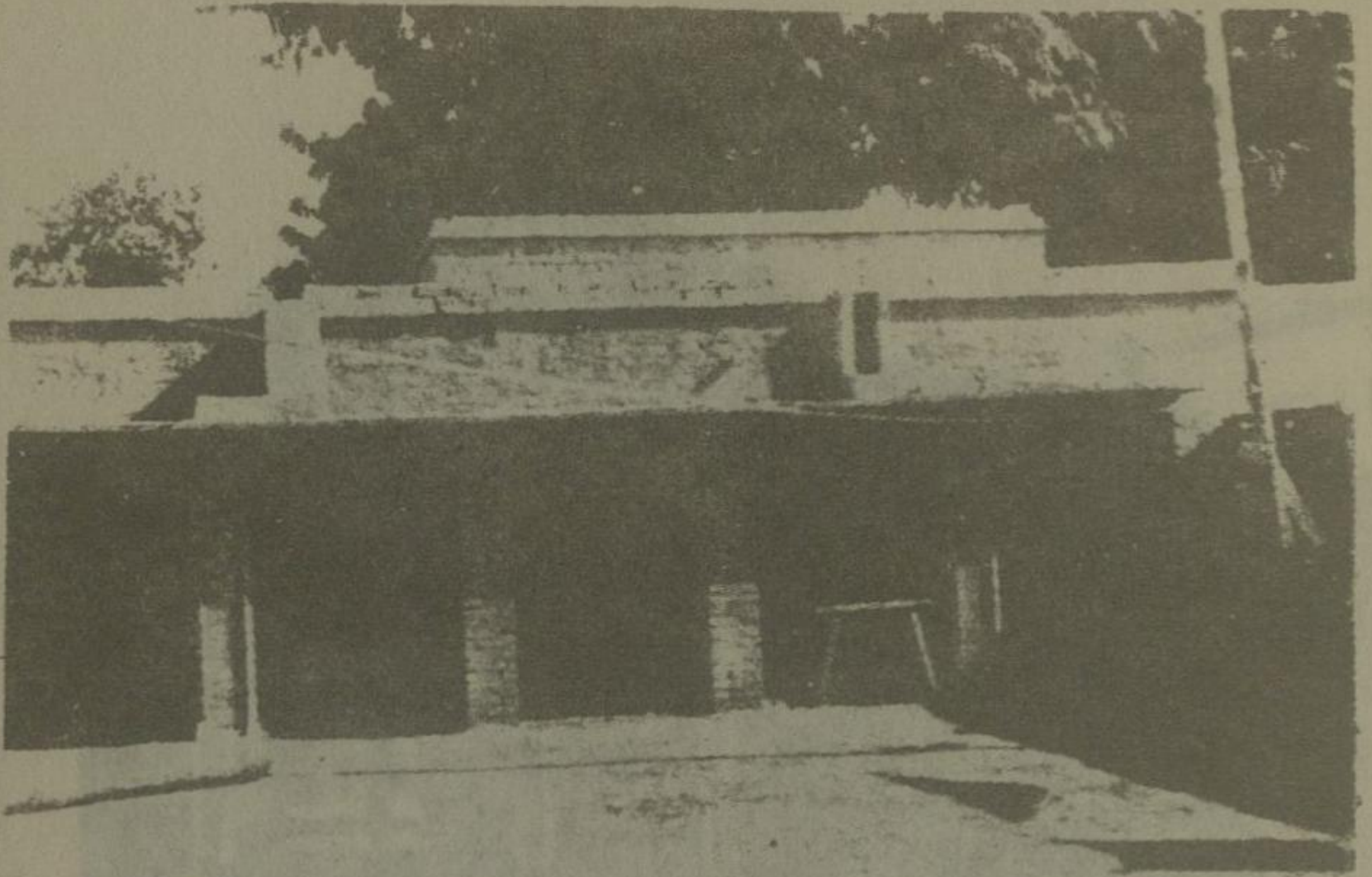
قیام گاہ حضرت دینپوریؒ (سیلاب سنہ ۱۹۷۳ء کے بعد یہ عمارت از سر نو پختہ تعمیر کی گئی)

آخری آرامگاہ حضرت دینپوریؒ

مہمان خانہ (لنگر غالیہ دین پور شریف)
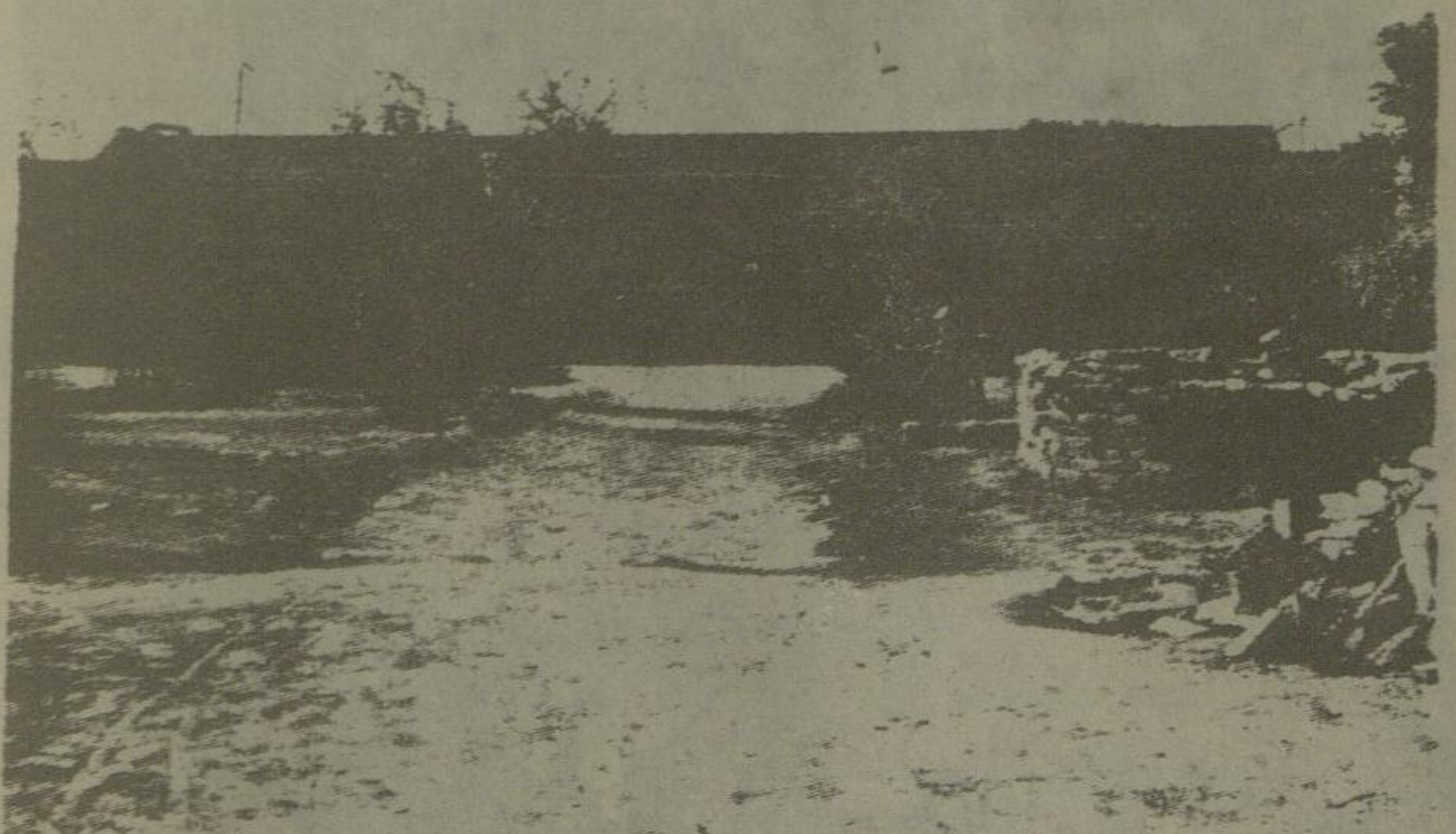
مدرسہ عربیہ صدیقیہ راشدیہ کی جدید عمارت

واقعات و ملفوظات

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح کی ترتیب و تحریر کے وقت میرے ذہن میں حضرتؒ کے متعلق واقعات یا آپ کے ملفوظات کو جمع کر کے ایک علیحدہ کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ اس طرف کوئی خاص توجہ بھی نہیں دی تھی۔ لیکن سوانح کی تکمیل پر حضرت قبلہ میاں عبدالہادی سجادہ نشین دین پوری دامت برکاتہم کا فرمان ہوا کہ کتاب میں واقعات و ملفوظات کا بھی اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ جلدی اور عجلت میں بعض پرانے مسودات اور تحریری مواد میں سے واقعات و ملفوظات جمع کیے گئے۔ جو نذرِ قارئین ہیں۔ اس سلسلے میں ابتداءً تبرک کے طور پر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات بھی شامل کی گئی ہیں۔ بعض روایات حضرت دادا پیرؒ، یا دیگر پیران سلسلہؒ سے متعلق ہیں۔ جن کی روایات حضرۃ دین پوریؒ سے بھی بارہا سُنی گئی تھیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرتؒ سے سماعت فرمائی ہوں گی۔ چنانچہ ان سب روایات کو بھی درج کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ مختصر مواد جلدی میں جمع کیا گیا ہے۔ اس لیے موضوع کی ترتیب نہیں ہو سکی۔ لہٰذا ان باطنی گلہائے رنگا رنگ سے اپنی مشامِ روحانی کو تازہ کیجیے۔

میرے دادا پیر (حضرت سید العارفین بھرچونڈوی) کو ایک عالم نے جوان کا مرید تھا دعوت دی۔ حضرتؒ اس کے گاؤں میں تشریف لے گئے۔ جاتے ہی مسجد میں تشریف فرما ہوئے بہت سے لوگ زیارت کے لیے آکر جمع ہو گئے۔ حضرت کے حضور میں ایک چھوٹا سا لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن تھے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟ لوگوں نے عرض کی حضرت! یہ مولوی صاحب (جو داعی تھے) کا بیٹا ہے۔ حضرت صاحب نے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا مولوی صاحب! چاندی کے زیورات تو لڑکوں کو پہنانے حرام ہیں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ حضرت! اس کی نانی نے مجبور کر کے پہنا دیئے ہیں۔ حضرت سخت ناراض ہوئے اور اپنی جماعت کو فرمایا "چلو" یہاں سے نکل چلیں۔ یہاں اللہ کا دین نہیں ہے نانی کا دین ہے۔ چنانچہ اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ مع اپنی جماعت کے تشریف لے گئے۔ (یہ واقعہ پردادا پیر حضرت جیلانی سائیں کا ہے۔ حضرت لاہوری کو سہو ہوا ہے) (ملفوظات طیبات ۳۰)

میری عمر ۶۵ سال کی ہے۔ آپ سب سے میں عمر میں بڑا ہوں۔ میں نے اپنے حضرتؒ کے ہاں یہی دیکھا ہے وہ اللہ اللہ کرنے والی جماعت کو پھیکا بھات دیتے تھے وہ اس کو تارے پلاؤ کہتے تھے۔ حضرت دین پوریؒ اور دادا پیر (حضرت سید العارفینؒ) کے ہاں یہی دستور تھا۔ پھیکا بھات کھانے والوں کو اسی سے لذت آتی تھی۔ یہ حلال کمائی والوں کے نذرانوں سے تیار ہوتا تھا۔ دنیاداروں کے نذرانے الگ رکھے جاتے تھے وہ جب کبھی آتے تو ان کو ان نذرانوں میں سے کھلاتے تھے۔ دنیادار اللہ والوں کے دروازہ پر

ضرورتوں کے لیے آتے ہیں اللہ اللہ سیکھنے کے لیے نہیں آتے۔ (ملفوظات طیبات ص۳)

حضرت دین پوریؒ کے ہاں جماعت کے سب لوگ کھدر کے کپڑے پہنا کرتے تھے جن کو کیکر کے چھلکوں میں رنگا جاتا تھا۔ جماعت کے سب آدمیوں کو عشاء کی نماز کے بعد ایک ایک پیالہ پھیکے بھات کا ملتا تھا۔ جس میں نہ نمک اور نہ گھی ہوتا تھا۔ رات کو ایک دو دفعہ کھل کر پیشاب آیا طبیعت صاف ہو گئی اور تہجد کے لیے اٹھ بیٹھے۔ دن کو روٹی یا گھنگھنیاں ملتی تھیں۔ یہ غذا کھانے والا حضرتؒ کا ایک بوڑھا خادم ایک دفعہ مجھ سے پوچھتا ہے مولوی صاحب! کیا ہم قیامت کے دن اللہ کو دیکھیں گے؟ اس کی بڑی نعمتیں کھائی ہیں۔ اس کو دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ مَیں نے جواب دیا جی ہاں! ہم اللہ کو دیکھیں گے۔ یہ صحبت کا اثر ہے۔ کامل کا عکس پڑا ہوا ہے۔ نعمتیں کیا کھائی ہیں؟ پھیکا بھات اور گھنگھنیاں۔ اے دنیا دار! مَیں تجھ سے پوچھتا ہوں کیا کبھی کیک۔ انڈے۔ پلاؤ۔ زردے اور قورمے کھا کر تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔؟

(ملفوظات طیبات ص۱۴۳)

حضرت دادا پیر (سید العارفین) حضرت مرشدنا حافظ محمد صدیق صاحبؒ کے ہاں ایک بزرگ آیا کرتے تھے جن کا اسم گرامی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب تھا اولیاء کرام میں سے تھے۔ جب صاحبزادہ صاحب کے انتقال کی ان کو اطلاع دی گئی تو فرمایا کہ مجھے کیا کہتے ہو اُٹھا کر گڑھے میں ڈال آؤ۔ یہ ہے قلب سلیم۔

حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ کا نابینا خادم تھا اس نے کسی سے کچھ روپے

لینے تھے ایک بنیا شخص کو ساتھ لے کر مقروض کے پاس گیا۔ سارا دن سفر کر کے شام کو
اس کے ہاں پہنچے۔ اس گاؤں میں کسی کے ہاں شادی تھی وہاں سے باجے کی آواز آنے
لگی تو ساتھی سے کہنے لگے کہ چلو یہاں سے نکل چلیں۔ اس نے جب کہا کہ سارا دن سفر کر کے
تھکے ماندے ہیں۔ اب ذرا آرام کر لیں تو جواب دیا کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ فلاں بزرگ
کا فلاں خادم اس گاؤں میں موجود تھا جہاں باجے بج رہے تھے تو میرے پیر کی بدنامی ہوگی۔
یہ ہے تصوف جو اس کے منکر ہیں وہ بے سمجھ ہیں۔ (ملفوظات طیبات صہ ۱۶۹)

ایک دفعہ نواب بہاول پور نے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا خیال ظاہر
کیا تو کئی مقامات سے دعوت نامے آئے۔ میرے دادا پیر حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ
کی طرف سے دعوت نامہ تو نہ آیا مگر وزیر صاحب خود ان کے ہاں حاضر ہوئے۔ حضرتؒ
نے فرمایا وزیر صاحب! فقیر خود بہاول پور چلے گا اونٹ پر اپنی دیگ لاد کر لے جائے گا
جو رزق اللہ دے گا اس میں سے سب کھائیں گے۔ نواب صاحب کی دعوت نہ
کھائیں گے۔ پھر فقیر جو نواب صاحب سے کہے گا وہ کانوں سے گذر کر نواب صاحب
کے دل پر پڑے گا۔ نواب صاحب کی آنکھیں کھلیں گی۔ پھر وہ آپ سے ریاست کا
حساب لیں گے۔ اور آپ ان کو زہر دے کر ماریں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہو تو بندہ حاضر
ہے۔ وزیر صاحب نے ہاتھ جوڑے اور کہا کہ ایسا پیر ہمیں نہیں چاہیئے۔ (ملفوظات طیبات صہ ۱۶۱)

میرے دادا پیر حضرت حافظ محمد صدیقؒ خود حافظ قرآن تھے اور خود ہی نماز
پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عالم کو نماز پڑھانے کے لیے آپ نے اپنے مصلیٰ پر

کھڑا کر دیا۔ حضرتؒ کا ایک فدائی خادم نہ رہ سکا۔ وہ مصلیٰ لے کر بھاگ گیا کہ میرے حضرت کے مصلے پر غیر آدمی کیوں کھڑا ہو۔ حضرتؒ نے اپنی پگڑی پھاڑ کر مصلیٰ کی جگہ بچھا دی اور فرمایا کہ اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھایئے۔ اس کو کہتے ہیں ہستی فنا ہونا۔ (ملفوظات طیبات صہ ۷۶)

میرے دادا پیر (حضرت سید العارفینؒ) کے پاس کچھ عورتیں بیعت کے لیے حاضر ہوئیں (عورتوں کی بیعت قرآن سے ثابت ہے ملاحظہ ہو پارہ ۲۸ سورۃ الممتحنہ کی آخری سے پہلی آیت) اُن میں ایک لڑکی بھی تھی جو بلا وجہ ہنس رہی تھی۔ حضرت دادا پیرؒ نے فرمایا بیٹی! اتنا ہنسو جتنا رو بھی سکو۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس کی حالت بدل گئی اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ پھر ساری عمر روتی رہی۔ (ملفوظات طیبات صہ ۱۷۹)

ایک دفعہ میں چکوال جا رہا تھا کچھ فوجی میرے ساتھ سفر کر رہے تھے ان کے ہمراہ ایک مراثی بھی تھا ان کی فرمائش پر اس نے ایک غزل سنائی۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

عاشقاں را سہ علامت اے پسر

آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی بعینہٖ یہی حالت تھی۔ بات بات پر آہ سرد بھرنا اور رونا عام تھا۔ یہ اللہ کے نام کی برکت ہے اس سے دل موم ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے حضرات کی باتوں میں اثر بھی ہوتا ہے۔ (ملفوظات طیبات صہ ۱۸۰)

میرے دادا پیر (حضرت سید العارفینؒ) کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ

رات ایک جنگل میں بسر فرمانی پڑی - اس جگہ کے قریب ہی ایک جھونپڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس جھونپڑی کے رہنے والے بھینسوں کا دودھ بیچ کر گزر اوقات کرتے تھے - رات کو جب انہوں نے دودھ دوہیا تو جس برتن میں دودھ رکھا تھا اس میں کُتا منہ ڈال گیا - جب لڑکوں نے اپنی والدہ کو اس کی اطلاع دی تو وہ کہنے لگی کہ دودھ ان فقراء کو دے آؤ - حضرتؒ اور آپ کے خدام یہ سب باتیں سن رہے تھے جب دودھ آیا تو کسی نے حضرتؒ سے عرض کی کہ حضرت! دودھ آگیا ہے - فرمایا لے کر رکھ لو - جب دودھ اٹھا کر لانے والے واپس چلے گئے تو فرمایا دودھ کو دریا میں گرا دو - یہ منع کی مثال ہے - (ملفوظات طیبات صہ ۱۸۰)

طور شاہؒ جو آج کل ملتان میں رہتے ہیں (وفات پا چکے ہیں -) اور میرے حضرت (دین پوری) کے خدام میں سے ہیں انہوں نے ایک جوتا تحفہ بھیجا تو حضرت شیخ الہندؒ نے وہ سر پر رکھ لیا - طور شاہؒ کا جوتا محبوب اور ایک عورت کا کئی ہزار روپیہ نامنظور - (ملفوظات طیبات صہ ۱۸۲)

کامل کی صحبت مدتِ مدید تک نصیب ہو تو یہ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں - حضرت دین پوریؒ کے ایک خادم تھے جو ولہار اسٹیشن سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں رہتے تھے وہ نواب بہاولپور کے رشتہ دار تھے - ان کے ایک ہمسایہ نے حضرت دین پوریؒ کے پاس آکر شکایت کی کہ آپ کے خادم نے میری کچھ زمین دبا لی ہے - حضرتؒ نے ان کو بلایا اُس نے لکھ کر بھیجا کہ حضرتؒ! زمین میری نہیں - آپ کی ہے - جتنی مانگتا ہے دے دیجئے - مجھے آنے کی ضرورت نہیں - عام

زمیندار چپہ چپہ زمین کے لیے لڑتے ہیں۔ یہ اللہ والوں کی صحبت کا اثر تھا کہ ایک زمیندار اپنی ساری زمین دینے کے لیے تیار ہے۔ اور وہ بھی اس میں کہ مدعی کا دعوےٰ بھی جھوٹا تھا۔ (ملفوظات طیبات صد ۱۸۲)

حضرت دین پوریؒ نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا بیٹا! بیت الخلاء میں بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں صرف اشارہ کر دیتا ہوں کہ جب سب لطائف چل نکلیں تو بیت الخلاء میں بھی وہ خود بخود جاری رہیں گے اور وہاں بھی نہ رکیں گے۔ گھڑی کی مشینری جب چلتی ہے تو ہر حالت میں چلتی رہتی ہے۔ خواہ انسان کسی جگہ ہو۔ (ملفوظات طیبات صد ۱۹۲)

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے بیٹیاں عطا فرما رکھی تھیں۔ اب تو ماشاءاللہ ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی ہیں۔ ان کے ایک پوتے مولوی سراج احمد صاحب کچھ دن ہوئے یہاں آئے ہوئے تھے۔ حضرت دین پوریؒ نے جب کسی صاحبزادی کا نکاح کرنا ہوتا تو ہماری اماں سے فرما دیتے کہ بچّی کو نہلا کر نئے کپڑے پہنا دینا نمازِ عشاء کے بعد داماد کو بلا کر نکاح پڑھا دیتے۔ کسی کو پتہ بھی نہ ہوتا تھا کہ کوئی شادی ہونے والی ہے۔

اب ان کے صاحبزادے مولوی میاں عبدالہادی صاحب گدی نشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔ وہ ماشاءاللہ عالم ہیں یہاں سے قرآن پڑھ کر گئے ہیں ان کے ہاں بھی یہی دستور ہے۔ انہوں نے اپنی ایک صاحبزادی کے نکاح کے لیے۔ مجھے لاہور

سے بلایا۔ لیکن لڑکے کے باپ کو پتہ نہیں کہ ان کے لڑکے کی شادی ہے۔ (یہ مولانا عبدالقادر مرحوم کے صاحبزادے مولوی حبیب الرحمٰن مرحوم کی شادی کا موقعہ تھا۔ مصنف) وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو کس کام کے لیے بُلایا ہے۔ اب انہوں نے اپنی دوسری صاحبزادی کا نکاح ایک نومسلم سے کیا ہے۔ یہ صحبت کا اثر ہے۔ (ملفوظات طیبات صہ۹۴)

حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر میں ایک بڑھیا رہتی تھی جو جماعت کی خدمت کیا کرتی تھی (یہ خیال رہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی اللہ والوں کے ہاں جمع ہو جاتی ہیں تاکہ اللہ کا نام سیکھیں۔) ایک دفعہ وہ حضرتؒ سے اجازت لے کر اپنے گاؤں گئی واپسی پر کسی نے رنگ دار دوپٹہ دے دیا وُہ اُس نے اوڑھ رکھا تھا۔ جب لنگر میں پہنچی تو حضرت نے اسے دیکھ لیا فرمایا کہ اس کو لنگر سے نکال دو نہ معلوم یہ رسول اللہ کی امت کے کتنے انسانوں کا ایمان خراب کر کے آئی ہے۔ (ملفوظات طیبات صہ۱۹۷)

حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی سواری کی گھوڑی چوری ہو گئی۔ ساری جماعت کہے کہ گھوڑی کے خادم کے ذریعے چوری ہُوئی ہے۔ ہمیں اس کو حوالہ پولیس کرنے کی اجازت دی جائے مگر حضرتؒ یہی فرمائیں کہ نہیں۔ نہیں اس کو رہنے دو۔ (ملفوظات طیبات صہ۲)

میں حضرت دین پوریؒ کا ایک واقعہ عرض کیا کرتا ہُوں۔ ان کا ایک ہمسایہ تھا۔ پہلے وہ دادا پیر کا مرید تھا ان کے وصال کے بعد حضرت دین پوریؒ سے متعلق رہا لیکن کسی وجہ سے وہ حضرتؒ سے ناراض ہو گیا۔ اور تقریباً ۳۰۔ ۳۵ سال حضرتؒ کے خلاف مقدمہ بازی کرتا رہا۔

میں عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ بصیرت سے کہتا ہوں کہ حضرت کا درجہ بڑے بڑے اولیائے
کرام سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ حضرتؒ کے خدام میں سے کسی کی بندوق سے اس
شخص کا کتا مر گیا اس نے حضرت پر دعویٰ دائر کر دیا کہ آپ نے میرا کتا مار ڈالا ہے۔
پولیس حضرتؒ کو جانتی تھی اس لیے اس شخص کو تنگ کرنے کے لیے اس سے کہتی
کہ کتا اٹھا کر لاؤ تاکہ اس کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے کئی دن متواتر وہ کتا اٹھا کر لے جاتا
رہا اور پولیس اسی سے اس کے گوشت کو چیر دلواتی تھی تاکہ رپورٹ مکمل ہو جائے کہ
کہاں کہاں چھرّے لگے ہیں؟ ایک مرتبہ اس شخص نے سرکاری زمین سے ایک
درخت کاٹ لیا پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضرتؒ کو جب اس کی گرفتاری کا پتہ
چلا تو آپ نے سفارش فرمائی کہ اس کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے
بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کو ضرورت ہو گی اس لیے درخت بھی دلا دیا۔ حضرتؒ
نے کبھی اسے کچھ نہیں کہا۔ ایک مرتبہ حج کے لیے جانے لگے تو خود چل کر اس کے
ہاں تشریف لے گئے اور اس سے معافی مانگی۔ جب حج سے واپس آئے تو اس
شخص نے حضرتؒ کو دعوت کی۔ سارے متعلقین کا خیال تھا کہ حضرتؒ کو وہ کھانے میں
زہر دے دے گا۔ اس لیے سب نے اس دعوت کو منظور کرنے کی مخالفت کی
لیکن حضرت نے منظور فرمالی۔ (ملفوظات طیبات ص۲۰۵)

ایک ہندو کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ سات روز تک آپ کے ہاں رہا
اور متواتر یہی عرض کرتا رہا کہ حضرتؒ! آپ ایک دفعہ فرما دیجئے کہ جاؤ اللہ تیرا کام کر
دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا کام ہو جائے گا۔ جب کبھی وہ یہ عرض کرتا تو آپ یہی

فرماتے "جیویں مولا دی مرضی"۔ (یعنی جس طرح اللہ کی مرضی ہوگی اسی طرح کام ہوگا)

(خدام الدین ۱۰ رجون ۱۹۵۵ء)

میاں بڈھا فقیر سے نقل ہے کہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ حج پر تشریف لے گئے تو میں خدمت گذاری کے لیے ساتھ تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ حرم میں میں نے ایک سیاہ فام حبشی غلام کو دیکھا کہ ایک دروازے کے کنارے کھڑا ہے۔ جب حضرتؒ داخل ہوئے تو وہ خاموشی سے آگے بڑھا اور حضرت کو بوسہ دے کر اپنی جگہ پر جا کھڑا ہوا۔ حضرت بھی خاموشی سے آگے تشریف لے گئے۔ طواف سے واپسی پر اس نے پھر بوسہ دیا۔ اور اپنی جگہ پر جا کھڑا ہوا۔ میرے دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ وہ اس علاقے کا قطب تھا۔

ایک دفعہ حضرتؒ ساگ توڑنے کے لیے ایک لڑکے کو ساتھ لے گئے وہ لڑکا شہر گجرات (پنجاب) کا رہنے والا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ جلدی جلدی ساگ توڑو تاکہ جماعت کے لیے وقت پر پک سکے۔ خود بھی توڑ کر ٹوکرے میں ڈالتے جاتے اور اس سے بھی فرماتے جاتے تھے۔ جب آپ نے تین چار بار فرمایا تو اس نے عرض کی کہ جب میں ہاتھ قریب لے جاتا ہوں تو وہ "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر شروع کر دیتے ہیں جب ہاتھ روک لیتا ہوں تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا "اچھا" اب توڑو۔ جب اس نے توڑنا شروع کیا تو اب وہ اسے ذاکر نہ معلوم ہوتے تھے۔ یہ یاد رہے کہ انہوں نے ذکر کرنا بند نہیں کیا بلکہ لڑکے کے قلب پر جو کامل کی توجہ تھی وہ جب ہٹا لی گئی تو اسے خاموش نظر آنے لگے۔ جب تک ان کی توجہ تھی تو ذاکر معلوم

ہوتے تھے۔ پھر آپ نے لڑکے سے فرمایا کہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ وہ بچہ ہی تو تھا چند دن تو اس نے صبر کیا بالآخر راز فاش کر دیا اس کے بعد چند دن ہی زندہ رہا۔

ایک دفعہ علماء کرام اور حفاظ کی جماعت حضرتؒ کی خدمت میں حاضر تھی۔ ان میں سے ایک عالم نے دریافت کیا کہ حضرتؒ آپ کے پاس کبھی کوئی جن بھی خدا اور رسول اللہ کا نام پوچھنے آیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں جب میں درمیانی عمر کو پہنچا تو اس وقت دو جن کابل سے بغرض سیر و سیاحت روانہ ہوئے اور دین پور پہنچ کر وہ اس نیم کے درخت پر آ بیٹھے۔ (اس درخت کی دو بڑی بڑی شاخیں ہیں) حضرتؒ نے دو انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ شاخ پر بیٹھ گیا۔ ان کے دریافت کرنے پر میں نے ان کو اللہ اور حضورؐ کا راستہ بتلایا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے اور پھر کبھی نہیں آئے۔ (بروایت قاری محمد ابراہیم خدام الدین ۱۰ جون ۱۹۵۵ء)

حضرت پیر حاجی سید شیر محمد صاحبؒ سکنہ گھوٹکی نے فرمایا کہ میں نے حضرت تھانویؒ سے عرض کیا کہ میں تسکین قلب کے لیے دین پور شریف جاتا ہوں۔ فرمایا ضرور جایا کرو۔ کیونکہ حضرت دین پوریؒ کی بزرگی مسلمہ ہے۔

ایک دفعہ حضرتؒ نے سردار خاں کھوسہ سے فرمایا کہ صرف انگریزوں کی پریڈ نہیں ہوتی۔ فقراء کی بھی پریڈ ہوتی ہے۔ وہ دایاں قدم زمین پر رکھتے ہیں تو کہتے "اللہ" اور بایاں رکھتے ہیں تو "ہو" کہتے ہیں۔ فرمایا اس طرح چلنے سے مقصود بھی جلدی پورا

ہوتا ہے اور یادِ الٰہی بھی ہوتی ہے۔ (خدام الدین ۱۷ جون ۱۹۵۵ء)

قاری محمد ابراہیم صاحب (سابق) امام مسجد شیرانوالہ گیٹ حضرتؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے گلے ہو گئے۔ تکلیف اس قدر تھی کہ درد سے بیتاب تھے اور حضرتؒ کی خدمت بھی صحیح طور پر انجام نہ دے سکتے تھے۔ فرمایا کہ ایک دن بیماری اور اس احساس ندامت کے باعث کہ مجھ سے حضرتؒ کی خدمت نہیں ہوتی۔ آپ کے سامنے جاتے ہی رو پڑا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا ہے؟ عرض کی حضرت! گلے میں سخت تکلیف ہے، تین دن سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے دُعا فرمادیں اللہ تعالیٰ شفا دیں۔ حضرتؒ نے اپنے مخصوص انداز میں مخاطب ہو کر فرمایا۔ بھُڑ شاہ! (بے وقوف) تم ماماں منٹھا کے پاس چلے جاؤ اور اسے کہو دم کر دے اللہ میاں شفا دیں گے۔ (ماماں منٹھا جماعت کا ایک عام فقیر تھا۔ سارا دن لنگر کے جانور جنگل میں چراتا تھا اور قرآن پڑھتا رہتا تھا۔ پانچوں وقت مسجد میں اذان دینا بھی اس کے ذمے تھا۔ میرا اس پر یقین نہ تھا۔ میں نے حضرتؒ سے دوبارہ عرض کی حضرتؒ آپ ہی دُعا فرمادیں اور دم کریں۔ مَیں اس کے پاس نہیں جاتا۔ حضرتؒ نے اب حکماً فرمایا نہیں، تم اس کے پاس جاؤ۔ دوپہر کا گرم وقت تھا۔ مَیں اُسے ڈھونڈتا ہوا جنگل میں ایک جگہ جا کر اس سے ملا۔ وہ ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا اور قریب مویشی بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ مَیں نے حضرتؒ کا پیغام اسے دیا۔ وہ سُن کر ہنس پڑا۔ کہا، میاں! مجھے آتا تو کچھ نہیں ہے۔ حضرتؒ کا فرمان پورا کر دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے کچھ زیرِ لب پڑھ کر دم کیا۔ اسی وقت میری

تکلیف دور ہوگئی ۔ ایک دفعہ میں نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ بیان کیا ۔ فرمایا کہ ماماں مٹھا ہمارے حضرتؒ کی جماعت کا واقعی ایک کامل انسان تھا ۔

اسی ماماں مٹھا کا واقعہ ہے ۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں پنجاب سرگودھا کے سفر میں حضرت کے ہمراہ تھا ۔ اس سفر میں آپ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر لاہور بھی تشریف لے گئے تھے ۔ جماعت کے قیام کا انتظام مدرسہ قاسم العلوم کی عمارت میں کیا گیا تھا ۔ قاری محمد ابراہیم صاحب نے فرمایا کہ ماماں مٹھا نے مجھ سے بیت الخلاء کے متعلق پوچھا تو میں نے اسے وہ جگہ جا کر دکھا دی ۔ اس نے سوال کیا کہ یہ گندگی کہاں جاتی ہے ؟ تو میں نے اُسے بتایا کہ جمعدار (چوڑے) اٹھا کر لے جاتے ہیں ۔ یہ سُن کر اُس نے اُس دن سے کھانا کھانا بند کر دیا اور چار دن کے قیام میں کچھ بھی نہیں کھایا ۔ غالباً فقیر (ماماں مٹھا) نے سوچا ہوگا کہ چوڑے بھی ہماری طرح انسان ہیں بلکہ ہم سے بہتر ہیں ۔ وہ ہماری گندگی اٹھائیں لہٰذا ہم اس کا حساب کہاں اور کیونکر دیں گے ۔

(راستہ ۱۳ جولائی ۱۹۵۹ء)

حضرتؒ علاقہ رحیم یار خاں (بستی مولویاں) اور نواحی دیہات کے سفر پر تھے حسب دستور حضرت کے ہم رکاب جماعت کے افراد سَو سے بھی اوپر تھے اور کلمہ طیبہ کا ورد بصورت ضرب توحیدی دوران سفر بھی جاری تھا ۔ ایک عالم نے اعتراض کیا کہ اجتماعی صورت میں زور سے کلمہ طیبہ کا ورد کرنا خلاف آداب ہے اور شرعاً بھی منع ہے ۔ حضرتؒ نے فرمایا ۔ مولوی صاحب دنیوی تاجر اپنے مال کی فروختگی کے لیے بلند آواز سے منادی دیتا ہے تو آپ اسے بُرا نہیں کہتے ۔ جماعت کے پاس کلمہ طیبہ ہے اور ہم اس کی

اشاعت کر رہے ہیں کہ جو سیکھنا چاہے اگر مفت سیکھے۔ تو آپ اعتراض کرتے ہیں

علاقہ رحیم یار خاں کے اسی سفر میں حضرتؒ اور جماعت گھوڑیوں پر سوار ایک بستی کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک حضرتؒ نے ایک جگہ اپنی گھوڑی روک لی۔ اور خاموش کھڑے ہو گئے۔ پیچھے آنے والی جماعت بھی جمع ہو گئی۔ سب فقراء سمجھ رہے تھے کہ حضرت جماعت کو ملانے کے لیے رک گئے ہیں۔ اتنے میں مولوی شیر محمد صاحب مرحوم (بستی مولویاں) کی سواری بھی آ گئی۔ (مولوی صاحب موصوف ایک بڑے زمیندار اور امیر آدمی تھے۔ نہایت اعلیٰ درجے کا قیمتی لباس پہنتے تھے)۔ آتے ہی ایک دم اپنی گھوڑی سے کود پڑے۔ تھوڑی دور ایک خارش زدہ کتا کیچڑ میں لت پت، سردی سے ٹھٹھر کر موت و حیات کی کشمکش میں پڑا تھا۔ مولوی صاحب نے اس کے پاس جا کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا اور دھوپ میں ایک خشک جگہ پر رکھ کر اپنی پگڑی سے اس کا جسم پونچھا اور پوری تسلی سے اس کی خدمت کر کے اس حال میں واپس آئے کہ ان کا تمام قیمتی لباس کیچڑ اور مٹی سے داغدار اور گیلا ہو رہا تھا۔ حضرتؒ اس تمام عرصے میں یہ دیکھتے رہے اور گریہ فرماتے رہے۔ مولوی صاحب مرحوم واپس آئے تو آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دیر تک رو کر دعا فرماتے رہے۔ پھر مولوی صاحب کو گھوڑی پر سوار ہونے کا اشارہ فرمایا اور جماعت آگے روانہ ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد تمام فقراء ہاتھ ملتے اور افسوس کرتے تھے کہ حضرتؒ کی منشا پہلے ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ (راستہ جنوری ۱۹۵۹ء)

حضرتؒ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر مسجد میں بیٹھ کر مراقبہ فرمایا کرتے اور وہ فقراء بھی مراقب ہوتے تھے جو خانقاہ میں اللہ اللہ سیکھتے تھے۔ ایک دفعہ حسبِ معمول حضرتؒ مراقبہ میں تھے اور فقراء بھی۔ اتنے میں ایک فقیر (رمضان نامی) جسے سب چاچا کہتے تھے۔ اچانک چونک پڑا، اور زور سے بولا "اوہ! ملاں ٹھلّے دی سالھہ کوں بھا لگی کھڑی ہے"۔ (موٹے مولوی کی جھونپڑی کو آگ لگی ہوئی ہے۔) وہ فقیر مولانا عبدالرزاق مرحوم حجوی کو موٹا مولوی کہتا تھا۔ حضرتؒ نے یہ الفاظ سنے تو منع کے انداز میں فرمایا "ہُوں۔ ہُوں!" وہ فقیر پھر مراقبے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس نے چونک کر وہی الفاظ دہرائے۔ اور حضرتؒ نے ہُوں ہُوں کہہ کر منع فرمایا۔ مگر چونکہ راز کھل گیا تھا۔ اس لیے حضرتؒ نے مولانا عبدالرزاق مرحوم کو مدرسے میں سے بلا کر فرمایا کہ آپ گھر جائیں۔ اُن کا گھر حجہ کے قریب ایک بستی میں تھا۔ وہ جب گھر پہنچے تو واقعی ان کی جھونپڑی جل گئی تھی اور یہ وہی وقت تھا۔ جبکہ رمضان فقیر چاچا نے مراقبہ میں معلوم کیا تھا۔ مگر حضرتؒ کو فقیر کی یہ بات بہت ناگوار محسوس ہوئی۔ کیونکہ حضرتؒ کشف و کرامات کے اظہار کو پسند نہیں فرتے تھے۔

ایک باخدا نابینا خادم خدا بخش روجھانی حضرتؒ کے حضور میں رہتا تھا۔ بہت زیادہ صاحب حال و صاحب کشف تھا۔ اس کی حافظ اللہ وسایا نوین ارائیں کے ساتھ دوستی تھی۔ ایک دفعہ حافظ صاحب نے حضرتؒ سے اجازت لے کر اس کی اپنے ہاں دعوت کی اور گھر لے گیا۔ راستے میں ایک گھنا اور ویران جنگل تھا۔ نابینا فقیر نے تین چار مقامات پر اپنی لاٹھی رکھ دی اور کھڑے ہو کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ حافظ اللہ وسایا

چونکہ اس کا بے تکلف دوست تھا کہنے لگا۔ "اندھا ! نہ تو ٹیلہ دیکھتا ہے نہ جھاڑی۔ بس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھنے لگتے ہو۔ نابینا فقیر نے جواب دیا۔" حافظ ! اگر حضرت میری گوشمالی نہ فرمائیں تو میں یہ بتا سکتا ہوں کہ اس قبر کا مردہ مغفور ہے یا معتوب"۔ نابینا فقیر حافظ صاحب موصوف کے گھر پہنچے۔ رات کا کھانا کھایا۔ اور سو گئے۔ طلوع صبح کے بعد جب حافظ صاحب اس کے پاس گئے تو وہ چارپائی پر بیٹھا زار و قطار روئے جا رہا تھا۔ حافظ صاحب نے اس سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ رات تُو نے مجھے کسی بے نماز کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھلا دیا اور میری تہجد کی نماز قضاء ہو گئی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ میرے گھر میں کوئی بے نماز عورت نہیں ہے اور وہ سب کچھ میرے گھر میں پکا تھا مگر فقیر موصوف کہتا رہا۔ نہیں تو نے ضرور مجھے کسی بے نماز کے ہاتھ کا کھانا کھلایا ہے۔ تحقیق کے لیے حافظ صاحب اپنے گھر میں گئے تو پتہ چلا کہ کھانے اور روٹی پکانے کا باقی کام تو سب انہوں نے کیا تھا۔ مگر تنور میں روٹی فلاں ہمسائی نے لگائی تھی جو بے نماز تھی۔

حضرتؒ اگر کسی جاہل صوفی کے متعلق غیر شرع بات سنتے تو فرماتے "جاہل صوفی شیطان کا کھلونا ہوتا ہے"۔

ایک دفعہ حضرت دین پوریؒ نے ڈڑی عظیم خان (نزد ترنڈہ سوائے خان) سردار اللہ وسایا خان مرحوم عباسی کی دعوت کے موقعہ پر میاں محمد عالم شاہ صاحب مرحوم سے ذکر فرمایا کہ حضور مرشد غریب نوازؒ (بھرچونڈوی) کو اسہال کی شکایت تھی۔ جب مرض نے شدت اختیار کی تو لانگری فقیر پیر محمد کو بُلا کر فقیر کے متعلق فرمایا کہ اسے خط لکھ کر

اطلاع کرو۔ فقیر پیر محمد کا خط ملتے ہی فقیر حضور مرشد کے ہاں روانہ ہو گیا۔ جس وقت فقیر وہاں پہنچا تو دوائی سورنجان کے استعمال سے حضرتؒ کی ریش مبارک لال ہو رہی تھی۔ اس وقت حکیم کمال دین نواں کوٹی آپ کا علاج کر رہے تھے۔

قدم بوسی سے فارغ ہوا تو حضور نے فرمایا کہ "الحمد شریف" سناؤ۔ میں نے الحمد شریف پڑھی۔ فرمایا کہ حافظ قادر بخش صاحب کو سناتے رہو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ چند دن کے بعد پھر الحمد شریف حضرتؒ کے حضور سنائی۔ نماز کا وقت آیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر مصلے پر کھڑا کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھاؤ۔ فقیر نے اسی طرح چھ سات نماز پڑھائیں۔ مگر جو کیف و لذت مجھے پہلی نماز میں آیا جبکہ حضورؒ نے خود اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مجھے مصلّی پر کھڑا کیا تھا۔ بعد میں کبھی وہ لطف حاصل نہیں ہوا۔ (راستہ ۳۰ جون ۱۹۵۹ء)

ایک دفعہ حضرتؒ کے اجتماعی دور میں خانقاہ میں بہت زیادہ حالت عسر پیدا ہو گئی۔ کئی وقت سے حضرتؒ فقراء اور اہل خانہ بچے بھی فاقہ سے رہنے لگے۔ بچوں کو ایک جنگلی درخت "کنڈہ" کی خشک پھلیاں پیس کر دی جاتی تھیں۔ حضرتؒ بہت کمزور ہو گئے۔ جماعت کے مخلصین کو اپنی فکر تو نہ تھی لیکن حضرتؒ کو دیکھ کر بہت رنجیدہ تھے۔ ایک دن مشورہ ہوا کہ حضرتؒ سے عرض کی جائے کہ جماعت کے صاحب حیثیت لوگوں کو خانقاہ کی اس حالت سے آگاہ کیا جائے۔ میاں خدا بخش لانگری کو نمائندہ بنا کر حضرتؒ کے پاس بھیجا گیا۔ میاں خدا بخش لانگری نے بڑے ادب سے اپنا اور جماعت کا مدعا بیان کیا۔ حضرتؒ یہ استدعا سُن کر سخت ناراض ہوئے۔ آخر میں بڑے دردمندانہ لہجے میں فرمایا کہ میاں خدا بخش! آج کا دن تو صبر کر لیا ہوتا پھر دیکھتے کہ ربُ العزت کس قدر

انعامات سے نوازتے۔

اس کے بعد، خانقاہ میں رزق کی فراوانی ہوگئی اور پھر کبھی تنگی، عسرت یا فاقہ کی نوبت نہیں آئی۔ (دراستہ ۲۰۔ اپریل ۵۹)

ایک دفعہ ایک کتا کہیں سے پھرتا پھرتا، اس خانقاہ میں آنکلا اور لنگر کے مویشیوں میں رہنے لگا۔ حضرتؒ اسے مسافر کے نام سے یاد فرماتے اور روزانہ دونوں وقت اس کے لیے بھی لنگر میں سے روٹی بھیج دیتے۔ اتفاق سے تھوڑے دنوں کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ آگیا۔ ان ایام میں وہ کتا دن کے وقت کوئی چیز نہیں کھاتا تھا اور سارا دن بھوکا رہتا تھا البتہ رات کو روٹی کھاتا تھا۔ حضرتؒ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ اس کے پاس بھی "سحری" بھیجی جائے۔ چنانچہ ایک فقیر مامور کیا گیا جو سحری کے وقت اس کی سحری کے لیے بھات لے جاتا تھا۔ بھات میں شکر اور دودھ بھی ملا دیا کرتے تھے۔

(دراستہ۔ ۱۳، مارچ ۱۹۷۰ء)

حضرتؒ ضرورت مند لوگوں کی سفارش فرمانے میں کبھی انکار نہیں فرماتے تھے افسران و حکام کے علاوہ تمام لوگوں (واقف و ناواقف) کو اکثر سفارشی چٹھیاں لکھا کرتے تھے۔ چونکہ ہمیشہ صحیح اور سچی سفارش فرماتے تھے اس لیے متعلقہ اصحاب یا حکام کام کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ چودھری عالم علی خان (سابق ریاست بہاولپور کے ایک مشہور جج تھے) ان کے پاس جب بھی حضرتؒ کا کوئی سفارشی رقعہ جاتا۔ وہ شامل مسل کرکے اس کے حق میں فیصلہ دے دیتے۔ ایک دفعہ ہائی کورٹ کی پڑتال میں مسلوں میں اس قسم کی بے قاعدگی کو غیر قانونی سمجھ کر جج موصوف سے جواب طلبی کرلی گئی اور دریافت کیا گیا کہ

آپ پرائیویٹ چٹھیاں شامل مسل کر کے فیصلہ کیوں دیتے ہیں۔ جج آپ ہیں۔ یا حضرت صاحب دین پوری ؟

عالم علی خاں مرحوم نے لکھا۔ میرے نزدیک حضرت صاحبؒ سے بڑھ کر اور کوئی سچا آدمی نہیں ہے۔ جب حضرتؒ کی چٹھی کسی ملزم کے حق میں آتی ہے تو میں بطور شہادت تحریری کے شامل مسل کر کے اس ملزم کے حق میں فیصلہ لکھ دیتا ہوں۔ اس کے بعد بھی جج موصوف کا عمل یہی رہا۔

حضرتؒ نے مولوی در محمد صاحب کو تین باتوں کی تلقین فرمائی۔

اوّل : نفع نقصان پہنچانے والا مالک حقیقی کو سمجھو۔ دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔

ثانیاً : رات کے کسی حصہ میں ذکر جہر (قادریہ طریقہ کے مطابق) ضرور کیا کرو۔ ذکر سے باطن منجھا رہتا ہے اور نیکی کی طرف دل جھکتا ہے۔

ثالثاً : دن میں آیت کریمہ تین سو بار اوّل و آخر تین تین بار درود شریف کے پڑھا کرو۔ تمام دینی اور دنیوی پریشانیوں سے بچے رہو گے۔

حضرتؒ کے ایک عزیز بہت عیال دار اور غریب تھے۔ تھوڑی سی اراضی میں گذر اوقات مشکل سے ہوتی تھی۔ ایک دفعہ آپ نے اُسے بلا کر پودینہ کے چند پودے دیئے اور فرمایا کہ ان کو کاشت کر لو۔ اس نے محنت سے ایک چھوٹی سی کیاری تیار کر کے وہ پودے اس میں لگا دیئے۔ بہت جلد پودینہ تیار ہو گیا اور اس میں اس قدر

ترقی ہوئی کہ وہ روزانہ شہر لے جاکر بیچتا تھا مگر ختم نہیں ہوتا تھا۔ بارہ مہینے یہ کھیتی سرسبز رہتی تھی۔ وہ حضرتؒ کے اس بتائے ہوئے عمل سے جلد ہی خوشحال ہوگیا۔

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لاہور میں ابتدائی ایام نہایت عسرت و تنگ دستی کے تھے۔ کئی کئی وقت فاقوں کی نوبت آجاتی تھی۔ مگر آپ نے کبھی اپنے مرشد و مربیوں کے سامنے کوئی شکایت نہیں فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت دین پوریؒ نے آپ سے فرمایا بیٹا! گھر کے برتن ہمیشہ دھو اور صاف کر کے رکھا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہت رزق عطا فرمائیں گے۔ حضرت شیخ التفسیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس فرمان پر عمل کے بعد ہم پر رزق کے دروازے کھل گئے۔

حضرتؒ فقراء سے فرمایا کرتے تھے کہ بیت المال میں سے اتنا کھاؤ جو تمہارے بقدر ضرورت ہو۔ زیادہ لوگے تو آگے اس کا حساب دینا ہوگا۔

نواب صادق محمد خان مرحوم (امیر آف بہاولپور) ہر سال ڈھنڈ گاگڑھی (علاقہججہ عباسیاں) میں اپنے انگریز یا دیسی دوستوں کے ساتھ مرغابیوں کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ نواب صاحب کے وزیر حضوری کرنل مقبول حسین جو حضرتؒ کے مرید تھے ایسے موقعوں پر حضرتؒ کے پاس آتے رہتے تھے۔ ان کے ہمراہ بعض اوقات انگریز مہمان بھی حضرتؒ سے ملاقات کے لیے آتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ساتھ ایک انگریز آیا جس نے نیکر پہنی ہوئی تھی۔ حضرتؒ نے اسے کرسی پر بٹھایا اور اپنا رومال اس کے

ننگے گھٹنوں پر پھیلا دیا۔ دوسری دفعہ وہ اپنی میم اور بچوں کو لے کر آیا۔ اب اُس نے پتلون پہن رکھی تھی۔ مگر میم صاحبہ ننگے سر تھی۔ حضرتؒ نے انگریز کو اپنا رومال دیا کہ وہ میم صاحبہ کا سر اس سے ڈھک دے۔ اس کے بعد وہ پھر کئی دفعہ حضرتؒ کی زیارت کے لیے آئے۔ مگر اس حال میں کہ صاحب بہادر نے پورا لباس پہنا ہوا تھا تو میم صاحبہ دوپٹہ سر پر لیے ہوئے تھیں۔ یہ حضرتؒ کی خاموش تبلیغ تھی۔
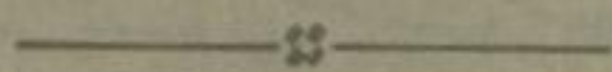
ایک دفعہ مولانا عبدالرزاق حجوی مرحوم نے حضرتؒ سے اپنا ذہنی و قلبی خلجان عرض کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضرتؒ فلاں مولوی صاحب (یہ حضرت کے استاد زادوں میں سے تھے) بڑے زمیندار اور اپنے علاقے کی با اثر شخصیت ہیں۔ اپنے مزارعین اور ہمسایوں پر بہت رعب ہے۔ ایک دنیا ان کے ظلم و ستم سے دبی ہوئی ہے جب کسی پر غصہ ہوتے ہیں تو اسے پٹوانے اور بوری میں بند کر کے کتوں سے کٹوانے تک سے دریغ نہیں کرتے۔ دنیاداروں والی تمام برائیاں تقریباً اُن میں موجود ہیں۔ مگر اُن کی زندگی کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ روزانہ نماز فجر کے بعد بلا ناغہ سوا پارہ تلاوت کلام مجید کرتے ہیں اور اس میں پورے دو گھنٹے صرف کرتے ہیں۔ جتنا ضروری کام کیوں نہ ہو۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آنے دیتے۔ تلاوت کے دوران اس قدر روتے ہیں کہ بعض اوقات ہچکیاں بندھ جاتی ہیں اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ جونہی ان کے رونے کا ذکر آیا، حضرتؒ بھی بے اختیار ہو کر رونے لگے۔ اب مولانا صاحب مرحوم نے حضرتؒ کی کیفیت دیکھ کر بات ختم کرنا چاہی۔ مگر حضرتؒ نے اشارے سے بات مکمل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کے

دیگر دینی مشاغل، ان میں انہماک اور سب سے بڑھ کر ان امور میں اُن کی خشیت و رقّت کے متعلق تفصیل عرض کی۔

دریافت طلب مسئلہ یہ تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی بندہ ایک دفعہ گناہ کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے دوسری دفعہ گناہ کرنے سے دوسرا نکتہ۔ اس طرح کثرت گناہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں مولوی صاحب کی کیفیت عجیب تھی کہ ایک طرف معاصی اور ظلم و جبر سے ان کی قساوت قلبی کا پتہ چلتا تھا۔ دوسری طرف ان کا تلاوت و عبادت کے وقت رونا ان کے دل میں نور ایمان کی علامت تھا۔ یہ متضاد کیفیات کیسی تھیں؟

مولانا عبدالرزاق صاحب مرحوم تو یہ حالات اور اپنا اشکال پیش کر کے خاموش ہو گئے۔ لیکن حضرتؒ دیر تک گریہ فرماتے رہے۔ مولانا مرحوم نے سمجھا کہ کیونکہ مولوی صاحب مذکور حضرتؒ کے استاد زادے ہیں اس لیے اُن کی حالت کے متعلق حضرتؒ کو سُن کر رنج ہُوا ہے اس لیے آپ رو رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بہت پریشان ہُوئے۔ حضرتؒ سے قدموں پر ہاتھ رکھ کر معافی مانگنے لگے کہ میں نے یہ ذکر چھیڑ کر خواہ مخواہ حضور کو دُکھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا، مولوی صاحب! بات یہ نہیں ہے، فقیر تو اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کو دیکھ کر رو رہا تھا کہ جب وہ کسی کو بخشنا چاہتا ہے تو رونا بھی سکھا دیتا ہے۔ (راستہ، فروری ۱۹۵۵ء)

—:—

محمد کبیر خان پٹھان پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ اس کی شادی ایک امیر گھرانے

میں ہُوئی تھی اور سُسرال سے اسے بہت امداد ملتی تھی۔ ملازمت محض مشغلے کے طور پر کر رکھی تھی۔ اس کی حسین و جمیل بیوی جس کے ساتھ اسے بے حد اُلفت و محبت تھی قضائے الٰہی سے فوت ہو گئی۔ کبیر خان مذکور بے حد صدمہ ہُوا۔ ایک دفعہ حضرتؒ کے پاس آکر اپنا حال بیان کرنے لگا اور شدتِ غم سے رو پڑا۔ حضرتؒ اس کا حال سُن کر اس سے بھی زیادہ گریہ فرمانے لگے۔ اور دیر تک روتے رہے۔ کبیر خان بہت پریشان ہوا کہ اس نے حضرتؒ کو اپنا دکھ سنا کر صدمہ پہنچایا۔

ایک دفعہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ دین پور شریف تشریف لائے تو حضرتؒ اس وقت جماعت کے ہمراہ جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ کر اور ان کے گٹھے بنا کر ڈھو رہے تھے۔ تمام فقراء ایک ایک گٹھہ اٹھائے ہُوئے تھے اور حضرتؒ کے سر پر بھی لکڑیوں کا بوجھ تھا۔ مولانا سندھیؒ نے بھی جا کر اپنے سر پر لکڑیاں اٹھالیں۔ مولانا مرحوم کے ہمراہ ایک مولوی صاحب بھی تھے۔ وہ بڑھ کر حضرتؒ سے بوجھ لینے لگے۔ حضرتؒ نے فرمایا! مولوی صاحب! بہت سی لکڑیاں پڑی ہُوئی ہیں۔ اگر جماعت کی خدمت کرنی ہے تو وہاں سے اُٹھالیں۔ فقیر اپنی خدمت نہیں لیا کرتا۔

ماسٹر مولوی عبد الحکیم صاحب مرحوم (بہاولپوری) نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرتؒ کے غسل کے لیے پانی گرم کیا جا رہا تھا۔ عبد التواب خادم کسی کام سے چلا گیا۔ پانی گرم ہو جانے پر میں نے اپنی انگلی ڈبو کر اس کی حرارت کا اندازہ کیا اور حضرتؒ سے عرض کی کہ پانی گرم ہے آپ غسل فرمالیں۔ آپ خاموش رہے۔

اتنے میں عبدالتواب خادم بھی آگیا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ میاں عبدالتواب! ماسٹر صاحب نے پانی میں انگلی ڈبو کر دیکھا ہے۔ پانی گرم ہے۔ اب اس سے غسل کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر خادم مذکور نے پانی نیچے انڈیل دیا۔ مگر آپ نے میری دل شکنی نہ ہونے اور تعلیم کے خیال سے فرمایا۔ میاں عبدالتواب! ماسٹر صاحب کے ہاتھ تو صاف ہوں گے اور یہ وضو سے بھی ہوں گے۔ پھر پانی کیوں انڈیلا ہے؟

اس سے میں سمجھا کہ میں باوضو نہ تھا اور میرے ہاتھ بھی صاف نہ تھے۔ اسلئے آئندہ مجھے طہارت اور صفائی کا خیال رکھنا ہوگا۔ یہ حضرتؒ کا طریق تعلیم تھا۔

قاری محمد ابراہیم صاحب راوی ہیں کہ ایک شخص اللہ دتہ سندھی، سندھ پولیس میں ملازم تھا۔ اسے کسی وجہ سے معطل کر دیا گیا۔ حضرتؒ کے پاس ایس۔ پی نواب شاہ کے نام سفارش کرانے کے لیے آیا۔ آپ نے حاکم مذکور کے نام چٹھی لکھی اور مجھے ہمراہ بھیج دیا کہ اسے جماعت کی طرف سے سلام کہوں اور چٹھی خود جا کر دوں۔ میں نواب شاہ پہنچا اور ایک تانگہ لے کر اس کی کوٹھی پر گیا۔ وہاں پہلے سے ماتحت پولیس افسران جمع تھے۔ جب صاحب باہر آیا تو میں نے جا کر چٹھی پیش کر دی۔ چٹھی پڑھ کر بولا کہ میں تو اس آدمی کو نہیں جانتا۔ اسی وقت ریکارڈ منگوایا تو اس میں اس کا ریکارڈ بھی مل گیا۔ فوراً اس کا کام کر دیا اور مجھے کہا کہ خلیفہ صاحب میرے وطنی ہیں (ضلع جھنگ کے ہیں) ان کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں دوسری گاڑی سے واپس خان پور آیا۔ رات کے بارہ بجے تھے۔ ریلوے اسٹیشن سے نکل کر دین پور شریف روانہ ہوا۔ مگر پلیٹ فارم سے باہر آتے ہی مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں کسی اجنبی شہر میں آگیا ہوں۔ ہر چند راستہ تلاش کیا اور شہر سے نکل

کر باہر بھٹکتا پھرا مگر دین پور شریف کا راستہ نہ ملا۔ مجبوراً پھر اسٹیشن پر چلا گیا۔ اور قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رات گذاری۔ صبح کو نماز فجر کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ تلاوت سے فارغ ہو کر مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ قدموں پہ ہاتھ رکھے تو فوراً چونک پڑے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ جلایا! ہم تو رات بھر تیرے لیے پریشان رہے ہیں کہ کہیں مر نہ جاؤ۔ اب بھی تیری فکر میں تھے۔

ایک دفعہ حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب مرحوم (سجادہ نشین بھرچونڈی شریف) کے دو چھوٹے صاحبزادے میاں عبدالرحیم صاحب (مرحوم) اور میاں عبدالکریم صاحب دین پور شریف تشریف لائے اور سیدھے الٰہی بخش ہمسایہ کے گھر چلے گئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ حضرتؒ کو صاحبزادگان کی آمد کا پتہ چلا تو تیار ہو گئے کہ وہاں چل کر ان کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ چونکہ ہمسایہ مذکور کا جماعت کے ساتھ برتاؤ اچھا نہیں تھا اس لیے جماعت نے مشورہ دیا کہ حضرتؒ اس کے گھر نہ جائیں بلکہ یہیں انتظار فرماویں۔ جب صاحبزادگان نماز کے لیے تشریف لائیں گے تو ملاقات ہو جائے گی مگر حضرتؒ نے یہ مشورہ سختی سے ٹھکرا دیا۔ باوجود ضعف اور بیماری کے دو آدمیوں کے سہارے چل کر ہمسایہ کے گھر گئے۔ (غم) میں خانۂ رقیب کو بھی سر کے بل گیا) اور وہاں صاحبزادگان کی قدم بوسی فرمائی۔ اور دعوت کے لیے عرض کی۔ باوجود صاحبزادگان کے اصرار کے ان کے قریب "گلیم" پر نہ بیٹھے بلکہ خاک پر دوزانو بیٹھ گئے۔ یہ حضور مرشد سید العارفینؒ اور آپ کے خاندان سے کمال عقیدت و محبت تھی کہ ان کی تیسری پشت کے بچوں کا بھی اس قدر ادب و احترام فرماتے تھے۔

حضرتؒ نے ایک دفعہ میاں جی خیر محمد صاحب مرحوم سے فرمایا۔ بھیک مانگ کر کھالینا، مگر ملاگیری (ملائیت) کا پیشہ اختیار نہ کرنا۔

عبدالرحمٰن (فتح محمد) جمعدار سے فرمایا کہ بندہ اپنے رب کے ہاں اس حالت میں پیش ہو کہ وہ مظلوم ہو۔ ظالم بن کر نہ جائے۔

فرمایا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے اندر کسی لالچی اور طمّاع حافظ کے قرآن سننے سے نہ سننا بہتر ہے۔

جماعت فقراء کو تاکید فرماتے تھے کہ صاحب دعوت سے کوئی چیز (نمک بھی) نہ طلب کریں اور اتنا کھائیں جس سے رشتۂ حیات قائم رہ سکے۔ اگر کسی کو حریصانہ طور پر زیادہ کھاتا ہوا دیکھتے تو فرماتے۔ میاں! کھیت پرایا ہے مگر کمبل تو اپنا ہے۔ (یعنی اتنا وزن نہ اٹھاؤ کہ کمبل پھٹ جائے)۔

خان پور شہر میں ایک مجذوب پھیرو فقیر نامی رہتے تھے۔ ایک ہندوانی ان کی خدمت کیا کرتی تھی۔ یہ مجذوب کسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتے تھے اور لوگوں کو پتھر روڑے مارتے تھے۔ حضرتؒ اکثر ان کو ملنے پیدل جاتے اور گھنٹوں ان کے پاس بیٹھے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کو مل کر واپس آرہے تھے کہ راستے میں حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ کی سواری کا جلوس پورے تزک و احتشام کے ساتھ گزر رہا تھا۔

آپ پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور دور ہی سے خواجہ صاحب کی زیارت کی۔
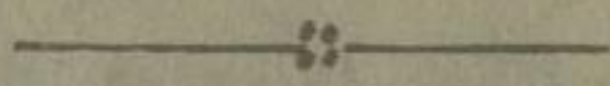
حضرت دین پوریؒ نے فرمایا کہ جس وقت حضور سید العارفینؒ علاقہ بلوچستان "سوری کا کنڈہ" درخت کاٹنے تشریف لے گئے تھے تو اس وقت وہاں جکھرانی بلوچوں کے چند کنبے حضرتؒ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بھی نہایت غریب اور خستہ حال تھے۔ حضور مرشد کی توجہ باطنی اور کرامت سے جب باقی بلوچ قبائل نے بھی اطاعت قبول کی تو اُن کے سرداروں نے حضرت سے کہا کہ ہم کو مرید کرو۔ حضورؒ نے فرمایا۔ بھائی! میں مرید نہیں کیا کرتا، البتہ میرے مرشدوں نے مجھے اللہ اللہ سکھایا ہے۔ لوگوں کو بھی وہی سکھاتا ہوں۔ کہنے لگے۔ ہم کو اللہ اللہ سکھاؤ مگر جکھرانی بلوچوں کی طرح نہیں کہ جس وقت وہ اللہ اللہ کرتے ہیں، عورتوں کی طرح روتے ہیں۔ رونا مردوں کا کام نہیں ہے۔ حضور مرشدؒ خاموش رہے اور ان کو ذکر کی تلقین فرمائی۔
حضرت دین پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ان کو بھی وہی ذکر نصیب ہوا جو جکھرانی بلوچ کرتے تھے۔
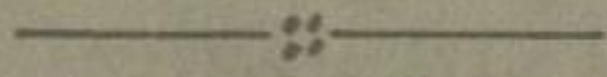
حضرت دین پوریؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ فقیر دریا خان (سندھی اور سرائیکی کا مشہور شاعر اور رند مجذوب) اپنے ساتھی فقیر خان محمد کے ہمراہ بھرچونڈی شریف جانے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ دونوں ساتھی جس وقت خیرپور ڈہر کی پہنچے تو اُن کے سامان میں "طبلہ سارنگی اور گھنگرو" دیکھ کر کسی نے کہا کہ تم وہاں جا تو رہے ہو مگر یہ خلاف شرع اشیاء دیکھ کر حضرت سید العارفینؒ تم لوگوں کا مُنہ کالا کر کے اور گدھے پر بٹھا کر بھرچونڈی شریف

سے نکال دیں گے۔ فقیر دریا خان نے اپنے ساتھی سے پوچھا، اب کیا کریں؟ فقیر خان محمد نے قدرے تامل کیا اور مراقبہ میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اوپر اٹھا کر بولا۔ دریا خان! آنکھ میں یہ جو چھوٹی سی سیاہی ہے یہ بھی نور ہے اور تمام عالم کو ہم اس سے دیکھتے ہیں۔ اگر فقیر سائیں (حضرت سید العارفینؒ) نے ہمارا منہ کالا بھی کیا تو اس نور سے خدا جانے ہم کو کتنا فائدہ ہوگا؟ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ بھرچونڈی شریف ضرور چلتے ہیں۔

بھرچونڈی شریف پہنچے تو حضرت سید العارفینؒ نے بہت زیادہ عزت و تکریم فرمائی اور ان کو بھرچونڈی شریف کے باہر اپنے کھجوروں کے باغ میں ٹھہرایا۔ نماز کا وقت ہوا تو حضرتؒ نے ایک فقیر کو بھیج کر کہلایا کہ نماز پر تشریف لادیں۔ دریا خان نے جواب دیا کہ حضرتؒ سے جا کر عرض کرو کہ فقیر ہر وقت نماز میں رہتا ہے۔ حضرتؒ نے دوبارہ فقیر کو بھیجا اور فرمایا کہ فقیر سے جا کر کہو کہ بدن کو بھی نماز پڑھاؤ۔ اس کے بعد وہ دونوں مسجد میں آئے اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد دریا خان نے حضرتؒ سے عرض کی کہ اجازت ہو تو فقیر گھنگھرو باندھ کر اور ناچ کر اپنا کلام حضور کو سنائے۔ حضرتؒ نے فرمایا فقیر سائیں! تیری کافیاں تو خود ناچتی ہیں۔ ان کو گھنگھروؤں کے رقص کی کیا ضرورت ہے؟ دریا خان نے بغیر رقص و موسیقی کے آپ کو اپنا کلام سنایا۔

ایک زمانہ بعد، بھرچونڈی شریف کا ایک فقیر حیدر آباد (سندھ) کی مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا تھا اور فقیر خان محمد مسجد سے باہر آ رہا تھا۔ فقیر کے کرتے اور ٹوپی کو دیکھ کر رک گیا اور دریافت کیا کہ کیا تم حضرت بھرچونڈی والے کے غلام ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگا۔ حضرتؒ کو اپنی گواہی پیش کرنا اور عرض کرنا کہ اسی دن سے نماز میرے گلے کا ہار بن گئی ہے۔

———:———

حضرتؒ کی جماعت کا کوئی حافظ یا عالم تعلیم دین۔ قرآن سنانے۔ یا تبلیغ کا کوئی صلہ یا حق الخدمت نہیں لیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرتؒ نے نواب بہرام خان صاحب مرحوم آف روجھان کی استدعا پر حافظ واحد بخش کو رمضان المبارک میں قرآن شریف سنانے کے لیے اُن کے ہاں بھیجا۔ حافظ صاحب مرحوم نے تمام مہینہ نماز تراویح میں ان کو قرآن مجید سنایا۔ فراغت کے بعد واپس آنے لگے تو نواب صاحب مرحوم نے ان کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کیا۔ حافظ صاحب نے لینے سے انکار کر دیا۔ ادھر نواب صاحب مرحوم نے بہت زیادہ اصرار کیا تو رونے لگ گئے۔ فرمایا، میں اس مقصد کے لیے تو نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ ہی میرا خیال تھا۔ آپ میرا تمام اجر ضائع کرنا چاہتے ہیں۔

ماسٹر مولوی عبد الحکیم صاحب مرحوم بہاولپوری نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ میں مولوی عبد العزیز صاحب بہاولپوری اور دیگر دو ——— دوستوں کے ہمراہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ وہ شوال المکرم کا پہلا عشرہ تھا اور جماعت مسنون چھ روزے رکھ رہی تھی۔ حضرتؒ نے ہم سے روزے کے متعلق دریافت فرمایا تو ہم نے جواب دیا کہ ہمیں روزہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرتؒ ہمارے لیے اپنے ہاتھ سے کھانا لائے۔ خود روزہ سے تھے مگر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ اور باتیں کرنے لگے۔ فرمایا۔ آج ہماری ایک بہت ضعیف اور بوڑھی "پیر بہن" نے وطن واپس جانے کی اجازت لی ہے۔ رخصت ہوتے وقت اس نے مسئلہ پوچھا کہ اگر ان چھ روزوں کے ان ایام کے بعد رکھنے میں فضیلت میں کمی ہو تو میں آج سفر میں بھی روزہ کی نیت کر کے جاؤں۔ ورنہ باقی روزے گھر میں جا کر پورے کروں گی۔"

حضرتؒ نے فرمایا۔ دیکھو، بوڑھی عورت کی کسقدر ہمت اور دین سے محبت ہے سفر میں حالانکہ فرض روزے بھی قضا کئے جا سکتے ہیں مگر وہ نفلی روزے بھی فقط فضیلت کی کمی کی وجہ سے مؤخر نہیں کرنا چاہتی۔

میاں اللہ بخش المعروف (باوا) مرحوم نے واقعہ نقل کیا کہ ایک دفعہ میں چولستان میں غیر قانونی طور پر ہرن کا شکار کھیلتے ہوئے پکڑا گیا۔ ذیلدار علاقہ نے مجھے میری بغیر لائسنس کی بندوق اور ہرن شکار شدہ کے ہمراہ حوالہ پولیس کر دیا۔ ذیلدار مذکور نے اپنے ایک دوسرے مخالف کو بھی میرے ساتھ شامل ظاہر کیا اور پولیس کو دے دیا۔ پولیس نے مقدمہ قائم کر کے ہم دونوں کا عدالت میں چالان کر دیا۔ اس زمانہ میں خان پور میں دھرم چند نامی ایک متعصب ہندو مجسٹریٹ تعینات تھا۔ میں نے توسیح بول کر اقبال جرم کر لیا۔ نیز اس کو اپنے دوسرے ساتھی کی بے گناہی کے متعلق بتایا۔ مگر اس کے باوجود اس نے میرے ساتھ اس کو بھی تین صد روپے جرمانہ اور تین ماہ کی قید سزا کا حکم سُنا دیا جبکہ مجھے ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی۔ میرے والد اور اس شخص کے ورثا نے ہماری سزا کے خلاف اپیل دائر کی۔ حضرتؒ کو معلوم ہُوا تو آپ نے سید محمد نواز شاہ چیف جج کو سفارشی چٹھی لکھی۔ الفاظ تھے ...... "اس نے کسی چوری نہیں کی۔ نہ کسی کا خون کیا ہے اور نہ ہی کسی بازو کا (عورت) کا اغوا کیا ہے۔ فقط سرکاری ٹیکس کے دس آنے نہیں دیئے۔ جس میں شرعاً یہ مجرم نہیں۔"

شاہ صاحب وہ سفارش نامہ پڑھتے بھی تھے اور ہنستے بھی تھے۔ ہم دونوں کو رہا کر دیا۔ اور جرمانہ کی رقم بھی واپس کر دی۔

ایک دفعہ میاں جی الٰہی بخش ترکھان نے دعوت کی۔ حضرتؒ نے تاکید فرمائی کہ جماعت کے لیے خالی پانی میں چنے (چھولے) ابال کر پکا لیے جائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور آپ نے بھی جماعت کے ساتھ مل کر وہ چھولے تناول فرمائے۔
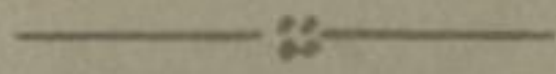
عام دستور تھا کہ اگر حضرت کسی مقام پر اصلاح و تبلیغ کی ضرورت محسوس کرتے تو وہاں ایک دو وقت کی بجائے قیام کے اوقات بڑھا لیتے مگر اس طرح کہ صاحب دعوت کو ذرا بھی بوجھ یا تکلیف محسوس نہ ہو۔ ایک دفعہ کسی سفر میں ایک ایسے ہی مقام پر جماعت کا قیام تھا۔ دن کی ایک وقت کی دعوت تھی۔ حضرتؒ نے لانگری سے فرمایا کہ کھانا تقسیم کرنے میں تاخیر کرنا۔ چنانچہ طعام ظہر کے بعد تقسیم کیا گیا۔ جماعت کے کھانا کھانے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ عصر کی نماز کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ چونکہ جماعت کو اب رات کے کھانے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے آج رات جماعت یہیں قیام کرے گی۔
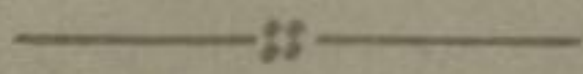
جماعت حضرتؒ کے ہمراہ ڈیرہ غازی خان کے سفر پر روانہ ہوئی تو بی بی صاحبہ نے حضرتؒ کو تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے دیدیئے۔ دریا کے کنارے پر کشتیوں کا مکمل انتظام تھا مگر حضرتؒ دریا پار نہیں گئے۔ اور رات وہیں دریا کے کنارے پر ڈیرہ ڈال دیا۔ جماعت میں وہی تھوڑے سے چنے جو نصف چھٹانک سے بھی کم فی کس ملے۔ تقسیم کر دیئے۔ دن بھر کی بھوک اور رات کو معمولی چنے کی غذا کے باوجود صبح کو تمام جماعت چاک و چوبند تھی۔ اور ہر فقیر ایک دوسرے سے حلفیہ بیان

کرتا تھا کہ اس کو قطعی بھوک نہیں لگی۔

اسی سفر (ڈیرہ غازی خاں) کا واقعہ ہے کہ صبح کو جب جماعت دریا کے پار پہنچی تو وہاں حضرتؒ کے استقبال کے لیے علاقے کے بڑے زمیندار اور معزز اشخاص جمع تھے اور بہت سے غریب لوگ بھی منتظر کھڑے تھے۔ ایک غریب آدمی نے سوچا۔ اتنے بڑے بڑے آدمیوں میں اس کو حضرتؒ سے مصافحہ تو کجا، خالی دُور سے سلام کا موقعہ بھی نہ ملے گا۔ اور یہی سوچ کر وہ دور مایوس کھڑا ہُوا تھا۔ حضرتؒ کی کشتی کنارے لگی تو سب بڑے آدمی آگے بڑھے مگر حضرتؒ اترتے ہی کسی سے نہ ملے اور سیدھے اس غریب آدمی کے پاس جاکر اس سے بغلگیر ہُوئے۔ بعد میں دیگر لوگوں سے مصافحہ فرمایا۔ یہ واقعہ اس غریب آدمی نے خود راؤ خیرا صاحب ذیلدار سے بیان کیا۔

حضرت سید جندوڈہ شاہ صاحب مرحوم (   ) نے بیان فرمایا کہ حضرتؒ نے جماعت کے فقراء کو تعلیم دے رکھی تھی۔ کہ کبھی اور کسی صورت میں دوسرے شخص کا معمولی نقصان بھی نہ کیا جائے۔ چنانچہ سفر میں جماعت کا معمول تھا کہ راستہ کی طوالت منظور کرتی مگر کسی شخص کی آبادی یا کھیت میں سے نہ گذرتی۔ ڈیرہ غازیخان کے سفر میں حضرتؒ نے پیدل جماعت کو پہلے بھیج دیا تھا۔ پیدل فقراء جس پگڈنڈی پر جارہے تھے آگے جاکر وہ دور مسافت پر ہو جاتی تھی مگر ایک مختصر راستہ گندم اور نخود کے کھیتوں میں سے ہو کر گزرتا تھا جو قریب پڑتا تھا۔ فقراء جب وہاں پہنچے تو سب نے ایک دوسرے سے کہا کہ درمیان میں سے کوئی نہ جائے کیونکہ اس طرح غریب

زمیندار کا نقصان ہو گا۔ اس طرح سب نے دوسرا لمبا راستہ اختیار کیا۔ اتفاق سے ان کھیتوں کے مالک کسان نے بھی ان کی باتیں سن لیں۔ وہ دوڑ کر ان کے پاس گیا۔ اور سلام علیک کے بعد بولا، کہ میں تمام دن لوگوں کو یہاں سے روک روک کر تھک جاتا ہوں۔ اور اُن سے لڑتا جھگڑتا اور فحش کلامی کرتا ہوں۔ مگر وہ پھر بھی اس راستے کو نہیں چھوڑتے۔ مگر آپ لوگ کون ہیں جو میری محنت اور نقصان کا آپ کو اتنا خیال ہے؟ فقیروں نے اسے بتایا کہ ہم ایک پیر صاحب کے مرید ہیں اور ان کا فرمان ہے کہ کسی کا نقصان نہ کیا جائے۔ اس لیے ہم خود تکلیف اٹھاتے ہیں مگر کسی دوسرے کو تکلیف نہیں دیتے۔ کسان نے پوچھا تمہارا وہ پیر کہاں ہے؟ فقراء نے بتایا کہ وہ بھی پیچھے آرہے ہیں۔ چنانچہ وہ کسان حضرتؒ کے انتظار میں کھڑا رہا۔ جونہی آپ کی سواری وہاں پہنچی کسان نے آپ کی گھوڑی کی لگام تھام لی اور کہا۔ پیر سائیں! مجھے بھی ان لوگوں جیسا بنا دے۔ جیسے آگے تمہارے مرید جا رہے ہیں۔ حضرتؒ گھوڑی پر سے اُتر پڑے اور اس کو اللہ اللہ سکھا کر شامل سلسلہ فرمایا۔

حضرتؒ سرگودھا (پنجاب) کے علاقے میں سفر پر تھے۔ ایک موقعہ پر "چاوا" شہر کے کسی آدمی نے دعوت کی اور آپ نے منظور فرمالی۔ جماعت میں سے بعض اصحاب نے کہا کہ حضرت! وہاں تو شہر میں چوروں اور بدمعاشوں کی کثرت ہے وہاں تشریف لے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ حضرتؒ نے جواباً فرمایا کہ بھائی! ہمارا کام بھی تو چوروں سے ہے اور چاوا تشریف لے گئے۔ ایک ہفتہ مکمل قیام فرمایا۔ کئی بڑے بڑے نامور چور حضرتؒ کے سامنے توبہ تائب ہوئے اور بیسیوں بدمعاشوں کی اصلاح ہو گئی۔ حضرتؒ کی

واپسی پر وہاں بدمعاشی کے اڈے بند ہو گئے اور مجالس ذکر برپا ہونے لگیں۔

حضرتؒ کی عادت مبارک تھی کہ بیوہ عورتوں یا مساکین سے ہدیہ اور نذرانہ نہیں لیتے تھے۔ اگر کوئی بہت زیادہ مجبور کرتا تو اس سے لے کر دوبارہ پھر اپنی طرف سے اس کو ھدیہ پیش کر دیتے۔ اسی طرح اکثر بڑے بڑے امراء اور دنیا داروں سے بھی یہی معاملہ فرماتے پنجاب کے اسی سفر میں فتح خان نمبردار چاوہ کی اہلیہ نے حضرتؒ کو طلائی کنگنوں کی جوڑی پیش کی۔ حضرتؒ نے قبول فرمالی اور پھر اپنی طرف سے اسے ہدیہ کر کے واپس کر دی۔

بعض اسفار میں قلت سواری کے باعث حضرتؒ باری مقرر فرماتے تھے۔ خود پیدل چلتے اور کسی فقیر کو اپنی سواری پر بٹھا لیتے۔ چنانچہ ڈیرہ غازی خان کے سفر میں ایک موقعہ پر جب آپ نے ایک غریب آدمی کو اپنی جگہ سوار کر کے خود پیدل چلنے لگے تو وہ شدت گریہ سے بیہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔

حضرتؒ اسفار میں ذاتی طور پر ایک ایک فقیر اور سواری کا خیال فرماتے تھے نیز سامان اٹھانے۔ ڈھونے وغیرہ تمام کاروبار میں جماعت کے ساتھ شامل رہتے تھے۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت میاں محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی کے ہمراہ سفر فرما رہے تھے نالہ ڈالس واہ سے جماعت کے گذرنے کا اتفاق ہوا تو بعض سواری کے اونٹ کشتی پر سوار نہ ہوتے تھے۔ فقراء پریشان ہو رہے تھے۔ حضرتؒ نے دیکھا تو اپنے برادر حقیقی میاں غلام رسول سے فرمایا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو۔ جماعت کو تکلیف ہو رہی ہے۔

تم کشتی میں جاؤ اور مَیں اونٹوں کو دھکیلتا ہوں۔ چنانچہ آپ ایک ایک اونٹ کی گوڑی کے نیچے اپنا کندھا دے کر ایسی چال سے زور لگاتے کہ اونٹ فوراً کشتی میں جا گرتا تھا اور وہاں میاں غلام رسول مرحوم اس کو سنبھال لیتا تھا۔ اس طرح تمام اونٹ کشتیوں میں سوار کر لیے گئے۔
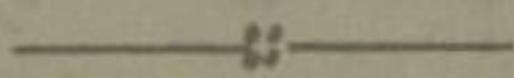
حضرتؒ تیراکی کے فن میں بھی خوب ماہر تھے۔ میاں جی خیر محمد فرماتے تھے کہ میرا جوانی کا زمانہ تھا اور تیرنے کے فن میں اپنے سے بڑھ کر کسی کو نہ سمجھتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بڑی جھیل میں حضرتؒ اور چند دیگر فقراء کے ساتھ تیرنے کا اتفاق ہُوا تو مجھے پتہ چلا کہ حضرتؒ مجھ سے بھی بہتر تیراکی جانتے ہیں۔ وہ جھیل کے پانی میں اس قدر دُور نکل گئے کہ خود مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ خدانخواستہ حضرتؒ کہیں پانی میں واصل بحق نہ ہو جائیں۔
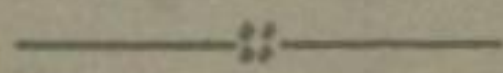
حضرتؒ بعض متعلقین کی دعوت پر ملتان تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں فقیر اللہ بچایا اللہ آبادی نے جماعت کو ٹھہرا لیا۔ عصر کی نماز کے بعد، آپ حسبِ دستور مولانا عبد القادر مرحوم سے بخاری شریف کا درس سُن رہے تھے اور مجلس میں مقامی تھانہ اور عدالت کے بعض حاکم بھی موجود تھے۔ اتفاق سے مسجد شریف کے باہر ایک چھوٹا لڑکا آ کھڑا ہُوا، جس کے سر پر مقامی رواج کے مطابق بالوں کی ایک چوٹی رکھی ہُوئی تھی۔ جاہل اور ناخواندہ مسلمان اسے فلاں پیر کی چوٹی سے موسوم کرتے ہیں اور بہت مقدس خیال کرتے ہیں۔ حضرتؒ کی جماعت کے ایک فقیر عبد الکریم رکھیر دھوتے، نے

دیکھا تو جاکر قینچی سے اس لڑکے کی چوٹی کتر لی۔ قریب ایک عورت یہ ماجرا دیکھ رہی تھی۔ اس نے شور مچاکر محلے کے مردوں کو بلا لیا۔ جنہوں نے آکر فقیر موصوف کی خوب پٹائی کی اور داڑھی کے بال تک نوچ ڈالے۔ فقیر مار کھاکر مجلس میں آبیٹھا۔ حکام نے حضرتؒ سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو مجرموں کو گرفتار کیا جائے۔ مگر حضرتؒ نے منع فرمادیا۔ فقیر عبدالکریم سے ہاتھ مبارک کے اشارے سے استفسار حال فرمایا۔ تو اس نے عرض کی۔ حضرتؒ! احوال زبانی عرض کروں یا جو کچھ گذری ہے، وہ حالت دکھاؤں! حضرتؒ متبسم ہوئے اور اشارہ سے فرمایا کہ حالت دکھاؤ۔ اس نے اپنی داڑھی کے بال جو اس کے ہاتھ آگئے تھے نکال کر خدمت میں پیش کیے۔ وہ کافی مقدار میں تھے۔ حضرتؒ نے دعا فرمائی۔ دوسرے دن وہ لوگ (مار پیٹ کرنے والے) حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی طلب کی۔ اکثر داخل سلسلہ ہوئے۔ اور ہمیشہ کے لیے غلط رسوم اور شرک و بدعت سے تائب ہوگئے۔

مولانا عبدالمنان صاحب راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرتؒ ریاست کے سفر پر تھے چونکہ صاحب دعوت کی بستی دور تھی۔ اسلئے راستے میں عصر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی وہاں کی چند عورتیں حضرتؒ سے ملنے کے لیے آئیں۔ جن کے بچوں کے سروں پر پیر کی چوٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرتؒ نے ان کے کاٹنے کے متعلق تبلیغ فرمائی۔ مگر وہ حیلہ تراشی اور بہانے کر کے چلی گئیں۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرتؒ مسجد سے باہر تشریف لے جا رہے تھے کہ وہ عورتیں دوبارہ حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ اچھا حضور، یہ چوٹیاں کاٹ لیں اب جو چوٹیاں کٹنے لگیں تو ڈیڑھ دو گھنٹے لگ گئے اور نماز مغرب بھی اسی مسجد میں پڑھی۔ تمام بستی کے لڑکوں کی چوٹیاں کاٹ دی گئیں۔ البتہ جب ایک لڑکا پیش کیا گیا

توحضرتؒ نے اس کی چوٹی کاٹنے سے منع فرمادیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لڑکا دو تین یوم کے اندر مرگیا۔

ملک حاجی اللہ دتہ مسن مرحوم نے ذکر کیا کہ اس کی انگلی میں پھوڑا تھا۔ جس کی وجہ سے شدید درد تھا۔ دین پور شریف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دیکھ کر اسی وقت درخت نیم کے پتے منگوائے۔ اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹہنی سے علیٰحدہ کیا۔ اور پھر ایک دستے میں ڈال کر خود ان کو رگڑا۔ فقیروں نے یہ کام کرنے کا اصرار بھی کیا۔ مگر آپ نے بہ ایں الفاظ انکار فرمادیا کہ تم کو کیا خبر؛ حاجی لانگری مرحوم کو فرمایا کہ پٹی کے لیے کوئی چھوٹا سا کپڑا لے آئے۔ کپڑا لانے میں کچھ دیر ہوئی تو اپنی نئی دستار سے کپڑا پھاڑ کر انگلی پر برگ نیم کی پٹی باندھی۔ حضرتؒ نے جونہی مرہم پٹی فرمائی۔ اسی وقت درد کافور ہوگیا اور ایک دو دن کے اندر پھوڑا بھی ختم ہوگیا۔

مولوی غلام رسول ساکن اونڑاں نے بتایا کہ اسے عرصہ تین ماہ سے سخت پیچش کی تکلیف تھی۔ بہت علاج معالجہ کرایا مگر کہیں سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم اللہ آبادی کے ہمراہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے خیریت دریافت فرمائی تو بیماری کا مفصل حال عرض کر کے رو پڑا۔ آپ نے دُعا فرمائی اور اپنا ہاتھ مبارک میرے پیٹ پر پھیرا۔ رات کو میں نے لنگر کا بھات اور سویرے (کوہل) چھولے کھائے حضرتؒ کی دُعا کے بعد مجھے ایک اسہال بھی نہ آیا اور تمام تکلیف جاتی رہی۔

فقیر جمال الدین مڑیچہ نے بیان کیا کہ ملتان میں حضرتؒ مولوی پیر بخش صاحب کی دعوت پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بیمار کتا دروازہ مکان کے باہر آبیٹھا۔ فقرا نے چاہا کہ اس کو دھتکار کر بھگا دیں۔ مگر حضرتؒ نے اشارے سے منع فرمایا۔ پھر صاحب دعوت کے پاس ایک آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا جائے۔ اس نے جواب میں عرض کیا کہ آپ مالک ہیں اجازت کی کیا ضرورت ہے چنانچہ آپ نے دو روٹیوں کے چار ٹکڑے کر کے اس کتے کو ڈالے۔

جب حافظ نور دین صاحب (چک رام درس والے) فوت ہوئے تو حضرتؒ کو معلوم ہوا کہ ان کے پسماندگان نے حافظ صاحب مرحوم کے جسد کو صندوق میں بند کر کے سپرد خاک کیا ہے نیز قبر پر پختہ تعمیر کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کا چہرہ انور غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ فرمایا کہ صندوق میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ قبر کی تعمیر کو منع کرا دیا اور اس کے لیے خرید شدہ سامان گارڈر وغیرہ فروخت کرا دیئے۔ اسی موقعہ پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بوقت وصال حضور مرشد نور اللہ مرقدہٗ فقیر بھی خدمت میں حاضر تھا۔ حضورؒ نے حضرت میاں محمد عبداللہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ میری قبر کا تعویذ بالشت سے اُونچا نہ بنوانا (اور بالشت کا اشارہ بھی اپنے ہاتھ مبارک سے فرمایا) نیز فرمایا کہ قبر پر سرکنڈوں کی معمولی چھپری بھی نہ ڈالنا۔ اگر تم نے ایسا کیا اور اللہ تعالےٰ کی رحمت ظاہری میں کوئی رکاوٹ ہوئی تو قیامت کے دن تمہارا دامن گیر ہوں گا۔ (یعنی جواب طلبی کروں گا)

حضرتؒ سے ایک خادم نے دریافت کیا کہ حضور حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا نماز میں رفع سبابہ فرمایا کرتے تھے؟ جواباً ارشاد فرمایا کہ فرضوں میں تو اس بات کی جانچ نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ سنتوں اور نوافل میں فقیر نے خود حضورؒ کو رفع سبابہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ حلقہ بنا کر رفع سبابہ فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات درمیانی انگلی کے تیسرے آخری جوڑ پر انگوٹھے کو رکھ کر حلقہ بناتے تھے۔

فقیر رحیم بخش خادم نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ ایک معمولی غریب آدمی نماز کے وقت حضرتؒ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ اس کو وضو کے لیے فلاں لوٹا (مٹی کا کوزہ) اٹھا دو۔ وہ لوٹا حضرتؒ کا تھا۔ مَیں نے سوءِ ادبی خیال کیا اور بھاگ کر ایک دوسرا لوٹا پانی سے بھر کر لے آیا اور اس کو دے دیا۔ حضرتؒ نے یہ دیکھ کر اپنا لوٹا توڑ دیا اور مجھے زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ دراصل حضرتؒ اپنے لیے کوئی مخصوص چیز نہ رکھتے تھے جو کسی دوسرے کو نہ دی جائے۔

حضرتؒ کی سواری کی گھوڑی بھی صرف حضرتؒ کے لیے مخصوص نہ تھی۔ بلکہ اس پر مہمانوں کے علاوہ دیگر لوگ بھی سوار ہوتے تھے۔ بعض اوقات لوگ عاریتاً بھی لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ صوفی نامی ایک شخص آپ سے گھوڑی عاریتاً لے گیا چونکہ گھوڑی اعلیٰ النسل کی اور بہت قیمتی تھی اس لیے اس کی نیّت خراب ہو گئی۔ پہلے تو واپس کرنے میں حیل وحجت کرتا رہا۔ آخر واپس کر دی۔ مگر چند یوم کے اندر سرقہ کر کے لے گیا۔ جماعت کی بھاگ دوڑ اور کوشش سے دوسرے دن گھوڑی اور چور پکڑے گئے۔

جماعت کا ارادہ تھا کہ چور کو حوالہ پولیس کیا جائے مگر حضرتؒ نے معاف فرما دیا اور چور کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔

حضرتؒ نہایت رحم دل تھے اور ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ آپ کی اسی کرم فرمائی اور رحم دلی کی وجہ سے بعض ہمسایہ مفسدوں اور اشرار کو جرأت ہو گئی تھی کہ وہ لنگر کا سامان وغیرہ چرا لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؒ کا جوتا مبارک لے گئے۔ ایک اور موقعہ پر جب آپ عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد شریف میں تشریف رکھتے تھے تو کمبخت ہمسایہ آپ کی قیام گاہ سے آپ کا سالم بستر معہ تسبیح وغیرہ لے کر رفوچکر ہو گیا۔ جماعت کے سرکردہ اصحاب نے بہت اصرار کیا کہ ہمیشہ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس کا انسداد ہونا چاہیئے۔ مگر حضرتؒ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ فقیر نے اس کو بخش کر دیا ہے جو کچھ وہ لے گیا ہے اب وہ اس کا مالک ہے۔

میاں خدا بخش لانگری نے ذکر کیا کہ ہمسایوں میں سے ایک شخص نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ وہ اپنے بچے کا ختنہ کرانا چاہتا ہے مگر برادری مجبور کر رہی ہے کہ اس تقریب ڈھول باجے ضرور ہوں۔ حضرتؒ نے جواباً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تو ان باتوں سے منع فرماتے ہیں۔ اب تمہاری مرضی ہے ان کو خوش کرو یا برادری کو راضی کرو۔ اُس شخص نے برادری کو راضی کرتے ہوئے تقریب ختنہ پر ڈھول بلجے بجوائے۔ حضرتؒ کے دل پر اس کے اس رویہ سے سخت رنج ہوا۔ دوسرے دن اُس کا ایک جوان لڑکا مر گیا۔

میاں خدا بخش لانگری مرحوم نے ذکر کیا کہ حضرتؒ ایک دفعہ نماز جمعہ پڑھانے کے لیے "نیّت" کر رہے تھے کہ اچانک پیچھے مُڑ کر دیکھا اور ارشاد فرمایا۔ بھائیو! تکلیف کر کے آتے ہو۔ نماز خاص خیال سے پڑھا کرو۔

ایک دفعہ حضرتؒ اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے۔ اور فقراء آپ کے گرد حلقہ کئے بیٹھے تھے۔ اتنے میں آپ نے اپنی پشت کی طرف بیٹھنے والوں سے فرمایا کہ میری پیٹھ پیچھے بیٹھ کر درود شریف نہ پڑھیں ذرا دوسری طرف سرک کر بیٹھیں۔

حضرتؒ بہ زمانۂ جوانی و صحت رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید سُنا کرتے تھے اور دو حافظ قرآن مجید نماز تراویح میں آہستہ اور ترتیل کے ساتھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ذکر جہر کی تسبیحیں بھی دیر تک ہوتی رہتی تھیں۔ چونکہ گرمی کے ایام ہوتے تھے گرمی کی شدّت اور مچھروں کی کثرت سے اس عبادت میں بہت زیادہ تکلیف اور محنت شاقہ ہوتی تھی جو نووارد مہمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک نووارد نے نماز تراویح کے بعد اپنے دوست سے کہا کہ آج تمام عمر کا حق دے دیا ہے رمضان فقیر سن رہا تھا۔ جواب دیا۔ تمام عمر کا حق دیا نہیں، لے لیا ہے۔ کسی ایسے ہی موقعہ پر ایک دوسرے نووارد نے کہا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ فقیر لوگ مُفت کی روٹیاں کھاتے ہیں اور عیش کرتے ہیں مگر آج معلوم ہُوا کہ ان کو تو بہت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔

مولوی خدا بخش صاحب سندھی نے ذکر کیا کہ میں ایک دفعہ شدّت پیاس کی وجہ

سے پانی جلدی اور ایک سانس میں پی رہا تھا۔ حضرتؒ نے دیکھا تو میرے ہاتھ کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ سُنت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ ہے کہ پانی آہستہ اور تین وقفوں میں پیا جائے۔
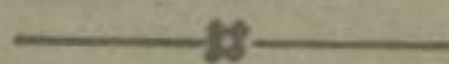
حضرتؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ حضور حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دور میں دودھ کی قدرے قلت تھی۔ بعض متعلقین و متوسلین نے آپس میں مشورہ کر کے باری مقرر کر لی اور باری باری سے لنگر میں دودھ دیتے تھے۔ آگے چل کر اس سے گیارہویں شروع ہوگئی۔ جو شخص اس کو ضروری سمجھ کر اور اس خیال سے کرے کہ اگر وہ نہ دے گا تو اسے نقصان ہوگا۔ ناجائز اور حرام ہے۔
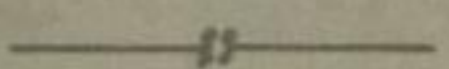
حضرتؒ کسی مخصوص یوم یا تاریخ کو خیرات ارواحی یا عرس مبارک حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بزرگان سلسلہ یا والدین مرحومین نہ کرتے تھے۔ عرس مبارک حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ دستور تھا کہ کبھی بارہویں ربیع الاوّل سے پہلے اور کبھی بعد میں کیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات ماہ ربیع الاوّل ختم ہو جانے کے بعد بھی بڑے اہتمام سے عرس کرتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ حسب مقدرت طعام تیار کراتے۔ جملہ حضارِ جماعت، طلبا اور مساکین کو لے کر اندر دولت خانہ پر جاتے۔ آفتابہ اٹھا کر تمام حاضرین کے ہاتھ دھلاتے اور پھر سب کے ساتھ بیٹھ کر ماحضر تناول فرماتے تھے۔ فراغت کے بعد بھی خود ہی جماعت کے ہاتھ دُھلاتے تھے۔

نور محل (جالندھر) کی نظر بندی سے واپس تشریف لائے تو ربیع الاوّل کا چاند نظر آگیا۔ ایک دن فرمانے لگے مولوی عبد القادر صاحب نہیں آئے۔ فقیر کو ان کا انتظار ہے۔

وہ آجائیں تو ہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک کریں گے۔ ایک خادم نے عرض کی۔ حضرت! خدا جانے مولوی صاحب کب آئیں۔ ربیع الاوّل کا مہینہ تو گذر جائے گا۔ فرمایا۔ ہم حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کرتے ہیں۔ ربیع الاوّل کے مہینے کا نہیں۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جونہی ربیع الاوّل کا چاند نظر آتا ہے۔ ہم لنگر میں تقسیم ہونیوالی ہر چیز از قسم طعام پانی وغیرہ و دیگر اشیاء کا ثواب روح پرفتوح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر گذارنے کی نیت کر لیتے ہیں۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔ ہمیں چند دوستوں کا انتظار ہے۔ وہ آجائیں تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک کریں گے۔ کسی فقیر نے عرض کی حضرتؒ! ربیع الاوّل کا مہینہ تو ختم ہونے والا ہے۔ اس پر چاچا الہندا فقیر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ چاچا! تم کو یاد ہے کہ ایک دفعہ اسی طرح کا سوال حضور مرشد رحمۃ اللہ علیہ (بھر چونڈی) سے بھی کیا گیا تھا۔ چاچا نے عرض کیا۔ حضرتؒ! یاد ہے۔ پھر واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ شام کو حضور مرشدؒ نے جانوروں کو ذبح کرنے کے لیے چھریاں اور دیگر سامان تیار کرا لیا کہ کل علی الصباح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک کیا جائے گا۔ اتفاقاً اسی شب جماعت کے ایک فقیر نے حضور مرشدؒ سے استدعائے دعوت پیش کی جو اعلیٰ حضرت نے از راہ غلام نوازی منظور فرمالی۔ اب علی الصبح "صاحب دعوت" کے ہاں جماعت کی روانگی ہونی تھی۔ خدام میں سے کسی نے عرض کی، حضرت! شام کو آپ نے عرس مبارک

کے لیے اہتمام فرمایا تھا کیا آج ارادہ تبدیل فرمایا گیا ہے؟ حضور مرشدؒ نے فرمایا کہ ہاں! شام کو ارادہ تھا مگر اب اس مسکین کی دعوت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ بوقت واپسی عرس مبارک کیا جائے گا۔ پھر فرمایا! ہم مہینے اور تاریخ کا عرس نہیں کرتے۔ ہم تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک کرتے ہیں۔

ختم کلام وطعام کے مروجہ طریقے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایصال ثواب کے لیے دل کی خالص نیت ہی کافی ہے۔

سردار خان کھوسہ نے ذکر کیا کہ حضرتؒ کے ساتھ میں نے بھی کھانا کھایا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ کھانا اکٹھے بیٹھ کر کھانا سنّت ہے۔ مگر بعض اوقات کھانے والے گناہگار بھی ہوتے ہیں۔ ثواب کی بجائے الٹا گناہ ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ جب دونوں کھانے والے ایک دوسرے کی رعایت نہ کریں۔ پھر فرمایا، صحابہ کرامؓ ہمیشہ اپنے ساتھی کا خیال فرماتے تھے۔ اچھی اچھی بوٹی یا سالن اپنے رفیق کو پیش کرتے تھے۔

منشی حسین بخش مرحوم (گھوٹکی والے) نے ذکر کیا کہ ایک عید قربانی کے موقعہ پر حضرت نے مجھے ساتھ کھانا کھانے کے لیے فرمایا۔ اور مجبور کیا۔ میں نے آپ کے ساتھ روٹی کھائی۔ پہلے مجھے بوٹی دیتے تھے اور پھر خود اٹھاتے تھے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو ہر وقت نیکی کی طرف دھیان ہونا چاہیئے۔ اور

کسی وقت بھی یادالہٰی سے غافل نہ ہو۔ جس طرح چیونٹی اپنے سے بھی بھاری بوجھ اٹھا کر لے جاتی ہے اور کبھی ہمت نہیں ہارتی۔ اسی طرح بندہ کو نیکی کے کاموں میں بھی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ یا تین دفعہ ناکامی ہوگی لیکن آخر منزل مقصود مل ہی جائے گی۔

مولانا عبدالواحد صاحب مرحوم (کوٹ سبزل) نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ سہراب فقیر رات کی گاڑی سے اتر کر لنگر میں آیا۔ حضرتؒ اس وقت سحری تناول فرما رہے تھے۔ اس کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لیے فرمایا۔ فقیر مذکور کو کھانسی اور دمہ کی شکایت رہتی تھی۔ ہر وقت ناک اور منہ سے بلغم خارج کرتا تھا۔ اور کسی مجلس میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ لوگ بھی اس بیماری کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس نے بہت انکار کیا مگر حضرتؒ نے اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔

مولانا عبدالواحد مرحوم (کوٹ سبزل) نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر اور میرے ساتھ دو تین اشخاص سادات پر ایک جھوٹا فوجداری مقدمہ عدالت میں دائر کیا۔ اور وہاں سے بغرض سرسری تفتیش کاغذات تھانہ پولیس کوٹ سبزل میں آئے۔ ان دنوں تھانے دار نہایت راشی اور سخت طمع تھا۔ مدعی نے اس کو رشوت دی اور ایک زبردست سفارش بھی کرائی۔ جس کی وجہ سے اس نے ہمارے خلاف ہماری عدم موجودگی میں چند جھوٹے گواہان پیش کر کے ثبوت بھی مکمل کر لیا۔ اب سوائے مواخذہ اور سزا کے دوسرا کوئی چارہ نہ تھا۔ ان دنوں جماعت سردار محمد فاضل خانصاحب مرحوم عباسی کی دعوت پر (بنہ و عباسیاں) تشریف فرما تھی۔ اس موقعہ پر میں اور ایک سید صاحب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سید صاحب نے مفصل حال عرض کیا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے فرمایا خداوند کریم بہتری فرمائے گا۔ سید صاحب نے کچھ دیر کے بعد دوبارہ دعا کے لیے التجا کی۔ حضرتؒ نے پھر وہی فرمایا جو پہلی دفعہ فرمایا تھا۔ سید صاحب مطمئن نہ تھے اور چاہتے تھے کہ حضرتؒ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیں۔ اس لیے کچھ وقفے کے بعد تیسری بار عرض کی۔ حضرتؒ! ہم کو بہت خوف ہے۔ ہمارے خلاف جھوٹا ثبوت مکمل کیا جا چکا ہے۔ اور تھانے دار بہت ظالم آدمی ہے۔ عنقریب ہماری گرفتاری کر کے بے عزتی کرے گا۔ یہ سن کر حضرتؒ کی طبیعت متغیر ہو گئی۔ جوش میں آکر فرمایا۔ کسی کی ماں کو طاقت ہے کہ تم لوگوں کو گرفتار کرے۔ میں نے حضرتؒ کا جلال دیکھ کر اشارہ سے سید صاحب کو خاموش رہنے کو کہا۔ دوسرے دن ہم گھر گئے۔ تھانے دار نے ہمیں بلایا۔ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور مقدمہ خارج کر دیا۔

مولانا عبد الحلیم مرحوم راجن پوری نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ حضرتؒ ہمارے غریب خانہ پر تشریف فرما تھے کہ خلیفہ کمال الدین جو درگاہ شریف کا غلام ہے اور فرق والی جماعت سے تعلق رکھتا ہے (یہ گروہ نماز و روزہ نہیں کرتا۔) وہاں آگیا۔ حضرتؒ اسے بڑی عزت و تکریم سے ملے اور اس قدر خاطر و مدارات فرمائی کہ ہم لوگ حیران رہ گئے۔ یہ سب کچھ جہت اور نسبت کی وجہ سے تھا۔

حضرت میاں عبد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سجادہ نشین بھرچونڈی شریف)

حضرتؒ کی دعوت پر جب خان پور جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تو حضرتؒ باوجود ضعف، بیماری اور کمزوری کے دو آدمیوں کے سہارے چل کر آپ کے استقبال کے لیے آگے گئے۔ جونہی حضرتؒ کی نگاہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی جوتا مبارک اتار دیا۔ دو تین گز کا فاصلہ رہ گیا تو بیٹھ گئے۔ اور آپ کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر ملے۔ اور پھر آپ کے پیچھے پیچھے مکان پر تشریف لے گئے۔

॥

سجادہ نشین سوئی شریف، حضرت میاں صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ریاست کے سفر پر تھے۔ جماعت کو الٰہی بخش ہمسایہ کی دعوت تھی۔ حضرتؒ کو علم نہ تھا۔ ایک دن پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اچانک تشریف لے آئے اور سیدھے صاحب دعوت کے ہاں چلے گئے۔ حضرتؒ اس وقت جماعت کے ہمراہ عید گاہ کے قریب کام کر رہے تھے۔ خبر سن کر فوراً تشریف لائے اور آپ بھی سیدھے ہمسایہ کے ہاں چلے گئے۔ پیر صاحبؒ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ حضرتؒ کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرتؒ نے کمال عقیدت و احترام کے ساتھ قدم بوسی فرمائی۔ پیر صاحبؒ نے اپنے ساتھ چارپائی پر بیٹھنے کے لیے فرمایا۔ مگر آپ نے معافی طلب فرمائی۔ اتنے میں پیر صاحبؒ کے ایک خلیفہ نے گلیم نیچے بچھا دی۔ پیر صاحبؒ نے اس پر بیٹھنے کے لیے فرمایا اور خود بھی اس پر بیٹھ گئے مگر حضرتؒ گلیم سے نیچے فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ اس پر پیر صاحبؒ پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ مبارک سے پکڑ کر گلیم پر بٹھانا چاہا مگر آپ نصف گلیم پر اور نصف کے قریب مٹی پر بیٹھ گئے۔ حضرتؒ نے دعوت کے لیے عرض کیا۔ پیر صاحبؒ نے فرمایا کہ بستی کا تو

میں دعوت ہے۔ وہ انتظار میں ہوں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہاں اطلاع بھیج دیتے ہیں۔ اب پیر صاحبؒ نے معافی کے لیے حضرتؒ کے آگے ہاتھ جوڑ لیے۔ اس پر حضرتؒ نے مؤدبانہ عرض کیا بس حضرت! جیسے منشاء مبارک ہو۔ پھر فرمایا۔ نماز عصر کا وقت ہے۔ نماز تو پڑھ لیں۔ پیر صاحبؒ نے فرمایا۔ ہاں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ وضو بنا کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ تو آپ سب سے پیچھے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ پیر صاحبؒ کے لیے ایک نیا مصلیٰ لنگر میں سے منگوا کر بچھوا دیا تھا۔ پیر صاحبؒ کو نماز پڑھانے کے لیے عرض کی۔ بعد از فراغت نماز پیر صاحبؒ نے حضرتؒ سے رخصت مانگی۔ حضرتؒ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک ان کے قدموں پر رکھ کر اپنے چہرہ منور پر پھیرے اور پیر صاحبؒ کو اونٹ پر سوار کرانے کے لیے مسجد سے باہر تشریف لائے۔ پیر صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم بستی سے باہر جا کر سوار ہوں گے۔ لیکن حضرتؒ نے بہ اصرار خود اپنے ہاتھ سے وہیں سے سوار کرایا۔ اونٹ اٹھا تو حضرتؒ نظر نہ آئے۔ پیر صاحبؒ نے دیکھا تو حضرتؒ اونٹ کے ہمراہ چل رہے ہیں اور اپنے رخسار مبارک پیر صاحب کے قدم مبارک سے مل رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر وہ چونکے اور فرمایا۔ خلیفہ صاحب! یہ کیا ظلم کر رہے ہو؟ اس پر حضرتؒ نے رکاب چھوڑ دیئے اور اونٹ کے آگے دوڑنے لگے۔ جب مسجد کے پچھلے راستے کے آخری کونے پر پہنچے تو پیر صاحبؒ نے ٹھہرنے کے لیے ہاتھ جوڑے۔ حضرتؒ ٹھہر گئے۔ اور تمام فقراء ادنیٰ و اعلیٰ کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر رخصت کیا۔
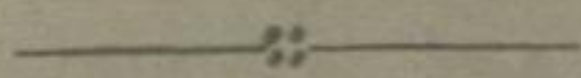
میاں رشید احمد صاحبؒ (خلف حضرت رحمۃ اللہ علیہ) نے بیان کیا کہ

ایک دفعہ میں نے حضرتؒ سے اپنی بیماری کی شکایت عرض کی - فرمایا - بیماری بھی رحمت ہوتی ہے - اس فرمان کے بعد میری تمام پریشانی اور تکلیف جاتی رہی - اور تندرستوں کی سی ہمت پیدا ہو گئی -

---

حضرتؒ مولانا محمد عبد اللہ صاحب رخواستی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب میں دین پور شریف میں پڑھتا تھا تو حضرتؒ ان ایام میں بھی مجھے گھر جاتے وقت سواری مرحمت فرمایا کرتے تھے -

---

مولوی محمد اسحاق صاحب نے حضرتؒ کی خدمت بابرکت میں لکھا کہ میرا فلاں عقدہ حل نہیں ہوتا تھا اور طبیعت میں سخت انقباض تھا - آپ تشریف لائے اور عقدہ حل فرما گئے - نیز تشریحاً لکھا کہ یہ خواب کا واقعہ نہیں ہے بلکہ بیداری کی حالت میں ایسا ہوا - اس پر حضرتؒ نے فرمایا، کہ ہم کو خبر بھی نہیں ہے - دراصل اللہ تعالیٰ جس بندے کی رہنمائی یا مشکل کشائی فرمانا چاہیں تو اپنا فرشتہ اس شخص کے مرشد یا معتمد کی صورت میں اس کے پاس بھیج دیتے ہیں -

---

انجمن خدام الدین لاہور کے پہلے جلسے پر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی دعوت پر حضرتؒ بھی تشریف لے گئے تھے - شیخ المحدثین صدر مدرس دار العلوم دیوبند حضرت محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس جلسہ میں تشریف لائے تھے جب دونوں بزرگوں کی الوداع ہوئی تو منظر دیدنی تھا - حضرت شاہ صاحب نے

تقبیل یدین الشریفین حضرتؒ کی فرمائی اور فرمایا کہ دارین کی بہتری کے لیے دُعا فرما دیں۔ رخصت کے وقت یہ بھی فرمایا کہ حضرت! اگر مقدرت ہُوئی تو دین پور شریف ضرور حاضر ہوں گے۔

اسی جلسہ کے موقعہ پر حضرتؒ نے چار یوم لاہور میں قیام فرمایا۔ حضرت شیخ التفسیرؒ نے لوگوں کے لیے حضرتؒ سے ملنے کا خاص اہتمام فرمایا ہُوا تھا۔ روزانہ کئی گھنٹے عام ملاقات ہوتی تھی۔ حضرتؒ نے آخری روز قدرے تأسف کے ساتھ حضرت لاہوریؒ سے فرمایا کہ بیٹا! سب اہل غرض دنیوی ضرورتیں لے کر آتے رہے اللہ اللہ سیکھنے والے بہت کم آئے۔

حاجی پور شریف (ڈیرہ غازی خان) کے سفر میں حضرت سید جندوڈہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرتؒ سے بیعت ہُوئے تو کسی شخص نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ کیا سیّد بھی اُمتی کا مرید ہو سکتا ہے؟ حضرتؒ نے جواباً فرمایا۔ کہ اگر کسی بادشاہ کا قیمتی ہیرا (موتی) گم ہو جائے اور وہ دوبارہ کسی چوڑھے (خاکروب) کے گھر سے دستیاب ہو تو کیا بادشاہ وہ اپنا گم شدہ موتی واپس نہ لے۔؟

حضرتؒ، خلاف مسلک بزرگان سے بھی نہایت ادب و احترام کا معاملہ فرمایا کرتے تھے اللہ آباد کے جلسے کے موقعہ پر حضرتؒ خواجہ ہوت محمد رحمۃ اللہ علیہ (رشیدانی شریف) سے ان کی قیام گاہ پر جاکر ملاقات فرمائی تھی۔ حضرت خواجہ در محمد صاحبؒ

گڑھی اختیار خان سے بھی اکثر غائبانہ دُعا و سلام کا تبادلہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنی سواری کی گھوڑی خواجہ درمحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجی کہ اس کو دیکھیں یہ ذرا بیمار رہتی ہے۔ حضرت خواجہ موصوفؒ گھوڑی کے مُنہ کے بوسے لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ گھوڑی بیمار تو نہیں ہے۔ دراصل خلیفہ صاحب نے اسے بھیج کر مجھے کہلایا ہے کہ تو بھی گھوڑیاں رکھتا ہے۔ ذرا ہماری گھوڑی بھی دیکھو۔

ایک دفعہ محمد خاں دشتی اپنے گھر گڑھی اختیار خاں سے مغرب کو واقع جا رہا تھا حضرتؒ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا مولانا محمد یار صاحب بھی تم کو ملتے رہتے ہیں؟ (مولانا مرحوم صوفی مشرب اور سرائیکی زبان کے بلند پایہ شاعر اور واعظ تھے) دشتی نے جواب دیا۔ جی ہاں! حضرت، وہ اکثر مجھے آتے جاتے ملتے رہتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا اس دفعہ ان کو فقیر کے سلام کہنا۔ دشتی نے ذکر کیا کہ جب میں گڑھی اختیار خان پہنچا تو مولانا موصوفؒ اپنے گھر سے باہر چارپائی پر بیٹھے تھے۔ میں نے جاکر اسلام علیکم کہا اور حضرتؒ کی طرف سے سلام پیش کئے۔ حضرتؒ کے سلام سنتے ہی ان پر ایک کیفیت سی طاری ہوگئی۔ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دین پور شریف کی طرف منہ کر کے کورنش کے انداز میں ہو گئے اور بار بار وعلیکم السلام! وعلیکم السلام! کہتے تھے۔

دوسرے جمعے جب میں دین پور شریف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ میاں! تم نے مولانا کو ہمارے سلام دیئے تھے۔ میں نے جواباً حضرتؒ کو تمام واقعہ سُنایا تو آپ متبسم ہوئے اور زبانِ مبارک سے کچھ نہ فرمایا۔

بھرچونڈی شریف کے شمالی سمت راجن پور ایک بستی ہے۔ وہاں ایک قدیمی مدرسہ تھا جس میں خلیفہ صاحب (حضرت دین پوریؒ) نے ابتدائی تعلیم پائی ہے۔ ایک دفعہ اس مدرسہ کے استاد مع جماعت طلباء بھرچونڈی شریف حاضر ہوئے۔ عصر کی نماز کا وقت تھا طلبا اور استاد جلد ہی وضو کر کے جماعت میں شامل ہو گئے لیکن حضرت خلیفہ صاحب نے کافی دیر کے بعد جبکہ جماعت ہو چکی تھی، آکر منفرد نماز ادا کی۔ مولوی صاحب نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا۔ طہارت کے لیے لوٹے کی ضرورت تھی اور نہیں مل رہا تھا۔ استاد نے فرمایا۔ کہ کنواں چل رہا تھا۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا کنوئیں کا پانی حضور شیخ اعظمؒ کے باغ میں جا رہا تھا۔ اس سے استنجا کرنا ادب کے خلاف سمجھا۔ لوٹے کی تلاش میں دیر ہو گئی۔ گویا نماز باجماعت کے ثواب پر نگاہ نہ کی لیکن اس نالی سے وضو کرنا بے ادبی سمجھا جو شیخ طریقت کے باغ میں جا رہی تھی۔ ادب کے اس مقام کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے کوچہ فقیر کی سیر کی ہو۔

کیمیا است عجب بندگیٔ پیر مغاں
خاک رُو گشتم و چندیں درجاتم دادند

(عباد الرحمٰن ص۲۱)

یکم مارچ ۱۹۲۶ء کو ۱۵ شعبان کی تاریخ تھی۔ صبح کا وقت تھا۔ حضرتؒ کو بہت تیز بخار تھا اور شدت بخار کے باعث غشی کے دورے پڑتے تھے۔ حجرہ حاضرین مجلس سے بھرا ہوا تھا۔ حضرتؒ ہوش میں آئے تو دریافت فرمایا کہ آج جماعت نے روزہ رکھا ہے یا نہیں؟ (یاد رہے ۱۵ شعبان۔ شوال کے چھ روزے۔ یوم الحج اور محرم الحرام کی ۹، ۱۰ تاریخوں میں حضرتؒ اور جماعت باقاعدگی سے روزے رکھتے تھے) مولانا عبدالقادر صاحب

مرحوم نے عرض کیا۔ حضور! سب جماعت نے روزہ رکھا ہے۔ اس پر حضرتؒ نے الحمدللہ فرمایا اور گریہ فرمانے لگے۔ فرمایا کہ صرف بندہ رہ گیا ہے۔ مولانا عبدالقادر صاحب مرحوم نے عرض کیا۔ حضرت! شاگرد جو نیک کام کرے، تو استاد کو۔ مرید نیک کام کرے تو مرشد کو اور امت جو نیک کام کرے تو رسول کو اس نیک کام کرنے والے کے برابر اجر ہوتا ہے۔ اس لیے اس روزہ دار جماعت کا ثواب آپ کو بھی ہوگا۔ یہ بات کہہ کر مولانا مرحوم نے بھی گریہ کیا۔

رائے صاحب میاں اللہ بچایا مرحوم کو فوت ہوئے ابھی تھوڑے دن ہوئے تھے۔ حضرتؒ بیمار تھے۔ ظہر کے وقت میانجی گل محمد نے آکر قدم بوسی حاصل کی تو آپ نے میانجی موصوف سے پوچھا کہ رائے صاحب کے پسماندگان نے ان کے بعد کیا معاملہ کیا؟ تو میانجی نے چند ایسی باتیں بیان کیں جو خلاف شرع تھیں۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ خیرات میں لاکھ روپے خرچ کر دیں یا کروڑ روپیہ صرف کریں اگر وہ خلاف شرع ہے تو اس کا کچھ بھی اجر نہیں ملے گا۔ بلکہ اُلٹا وبال ہوگا۔ نابالغ یتیم بچوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے۔

مولوی عبدالرحمٰن خان عباسی نے بیان کیا کہ بندہ اور پُنل فقیر گھر جانے کی اجازت لینے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ چارپائی پر آرام فرما تھے۔ موچ کی درد کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ حضرتؒ نے پُنل فقیر سے دریافت فرمایا۔ پنوں فقیر! تم ڈری عظیم خاں جاؤ گے یا گھر؟ فقیر نے عرض کی حضرت! فقیر کا نفس تو بالا بالا گھر جانے

کو کہتا ہے۔ اس پر مَیں نے حضرتؒ سے عرض کی۔ حضور! پنل فقیر بوڑھا آدمی ہے اور گاڑی رات کے وقت "ولہار" اسٹیشن پر پہنچتی ہے۔ وہاں سے اس کا گھر چھ سات کوس دُور ہے۔ رات کو اسے تکلیف ہوگی۔ بہتر ہے کہ یہ ہمارے ساتھ چلا جائے۔ حضرتؒ نے پنل فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہنوں فقیر! ابھی تک نفس کو ساتھ لیے پھرتے ہو۔ نفس کی خواہش پر خاک ڈالو اور سنگت (دوستوں) کے ساتھ جاؤ۔ جدھر مہینہ گیا۔ ایک دو دن اور سہی۔

دادا انور خان کورائی کو آشوب چشم کی تکلیف تھی اور درد کے مارے بُرا حال تھا۔ حضرتؒ کی خدمت میں آکر دُعا کے لیے درخواست کی۔ حضرتؒ نے دیکھ کر فرمایا کہ آنکھوں پر مرچیں باندھو۔ یہ فرمان سُن کر چلا گیا۔ دوسرے روز حاضر ہوا تو آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں۔ حضرتؒ نے فرمایا! کیا علاج کیا تھا؟ اس نے عرض کی حضرتؒ آپ ہی نے تو مرچیں باندھنے کا مشورہ دیا تھا۔ مَیں نے تھوڑی سی مرچیں آنکھوں میں بھی ڈالی تھیں اور اوپر بھی باندھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے شفا فرمادی۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ مرد وُہ ہے جو لڑائی جھگڑے کے موقعہ پر خود مار کھا کر آئے کسی کو مار کر نہ آئے۔

فرماتے تھے، عزیزوں، رشتہ داروں کے ہاں شادی یا خوشی کی تقاریب میں جانے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ جبکہ وہ منت سماجت کیوں نہ کریں۔ مگر مرگ وغم کے موقعوں پر بغیر دعوت اور بن بُلائے جانا چاہیئے۔ خواہ وُہ دھکے کیوں نہ دیں۔

مکاتیبؒ

اس وقت جبکہ اعلیٰ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس دنیا سے رخصت ہوئے بھی چالیس سال سے اوپر مدت گذر چکی ہے اور حضرتؒ کے صحبت و تربیت یافتہ چند نفوش رہ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرتؒ کے متعلق کوئی علمی، تحقیقی اور سوانحی کام نہیں ہوا۔ جن سے ہم مدد لے سکتے۔ ان حالات میں آپ کے مکتوبات یا خطوط کی تلاش کا کام گو سعیٔ لاحاصل معلوم ہوتا تھا۔ مگر جوئندہ، یابندہ کی مصداق، خوش قسمتی سے ہم کو وہ خطوط مل گئے جو بعض اہل عقیدت کے پاس بطور تبرک موجود تھے۔ جنہیں ہم زینت کتاب بنا رہے ہیں۔ گو یہ خطوط مختصر ہیں اور اکثر پرانے چھوٹے "پوسٹ کارڈز" پر لکھے ہوئے ہیں۔ مگر آپ ان کی ہر سطر سے حضرتؒ اور جماعت کی سیرت و کردار کی ہلکی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کا ابتدائی تعارف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "نقش حیات" کے کلمات طیبات سے ہوا ہے اور کتاب کا اختتام بھی آپ کے ایک غیر مطبوعہ نایاب و نادر مکتوب گرامی پر کر رہے ہیں۔ جو ہمارے لیے سعادت عظمیٰ اور نیک شگون ہے۔

منشی محمد ابراہیم صاحب چک نمبر ۲۰۴ (ضلع لائلپور) کے نام

بعد از سلام مسنون خیر الانام واضح باد۔ اس جگہ فقرا باب اللہ کو خیریت ہے اور خیر و عافیت آں محبیّ مدام مطلوب ہے۔ خط آپ کا پہنچا۔ کیفیت مندرجہ معلوم ہوئی۔ آپ نے جو واسطے سلسلہ قادریہ مفصل کے تحریر کیا ہے۔ سلسلہ آپ کے پاس بھیجا گیا ہے اور مفصل موجود نہیں۔ نہ اس کی یہاں ضرورت ہے نہ آپ کو ضرورت ہے۔ فقرا باب اللہ اور آپ کا مدعا اللہ جل شانہٗ یاد کرنے کا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس خیال سے برطرف ہو جاویں اور یاد الٰہی میں مشغول رہیں۔ ایسے خیالات میں منتشر ہونا موجب بہتری کا نہیں ہے۔ زیادہ والسلام

از مولوی عبد القادر صاحب اسلام علیکم

عید اضحیٰ جمعہ کو ادا کی گئی ہے۔

۱۱ ذی الحج ۱۳۲۷ھ

عاکفباب اللہ

الراقم

فقیر غلام محمد

از جماعت مسجد دین پور

کارڈ پر ۲۷ اور ۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء کی مہریں ہیں

حاجی محمد بخش خان صاحب (ضلع جھنگ) کے نام

از جماعت مسجد دین پور مورخہ ۵ محرم ۳۵ھ

مکرم مہربان رافت عطوفت نشان اخو میصاحب حاجی محمد بخش صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ میاں نور محمد کاریگر کے واپسی کے بعد آپ کے حالات کی نہبت انتظار رہی ۔ عین انتظار میں آپ کا خط موصول ہوا ۔ خورسندی ہوئی ۔ اللہ جل شانہٗ جانبین کو اپنی رحمت اور عنایت سے رکھے ۔ آمین ! آپ ہر وجہ مطمئن رہیں ، ہر حال اس کی عنایت شامل حال ہوگی ۔ اب ہمارے خطوط ڈاکی بالا بالا راہ راست اس جگہ آتے ہیں ۔ سنسر میں ملاحظہ کے لیے نہیں جاتے اور ہماری محدودی بدستور باقی ہے یعنی تاحال جماعت کو کہیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہے ۔ باقی ہر وجہ سے خیریت ہے ۔ فقط والسلام

عزیزم مولوی نور محمد صاحب و مولوی صادق محمد صاحب ، میاں اللہ بخش خان وغیرہ کو السلام علیکم ۔

عاکف باب اللہ الصمد
الراقم
فقیر غلام لعفی عنہ

از دین پور جماعت

بخدمت اقدس حضور پیر صاحب مدظلہ ، و پیر صاحب مکرم پیر صاحب محمود شاہ صاحب السلام علیکم مع ہزار

جناب سردار خان صاحب کھوسہ (ضلع ڈیرہ غازیخان) کے نام

حامداً و مصلیاً

از جماعت دین پور

مورخہ ۳ ربیع الاول ۷۳ھ

مخلص مہربان اخلاص الزمان رفیع مکان، عقیدت شان خانصاحب میاں سردار صاحب سلمہ اللہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ واضح رائے عالی باد۔ جملہ مراسلات آں مخلص جماعت وارد نمودند مگر بباعث شدت بیماری کہ زمرۂ جماعت با او مبتلاء بودند۔ جواب کافی وافی بہ تحریر پیوستہ کشیدہ خاطر نشوند۔ اکثر افراد جماعت بیرون، اندرون بعارضہ بیماری چندے تکلیف مزید مقید ماندند۔ چنانچہ از جماعت اندرون برخوردار میاں عبدالرحمٰن و والدہ میاں عبدالہادی رحلت گزین جنت بریں شدہ اند و از جماعت بیرون میاں مرید احمد و حافظ نورالدین صاحب در وطن اصلی خود انتقال دارندہ اند۔ و باقی بسیار کساں از خیر خواہاں ایں جماعت از قریب، بعید راہی جنت الفردوس شدہ اند۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جملہ احباب را بدعا طلبی مغفرت یاد فرمایند کہ خداوند تعالیٰ گذشتگان را مرحمت فرماید، آئندہ پسماندگان را از حوادثات دینی و دنیوی محفوظ و مامون دارد۔ آمین ثم آمین! فقط والسلام

از جملہ جماعت فقراء عبدالہادی۔ عبدالصمد۔ عبدالرشید و مولوی عبدالقادر صاحب و مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ احباب سلام مسنون عرض۔

مہربانم مکرم منشی صاحب، مخلص میاں غوث بخش صاحب و مکرمی میاں محمد مسعود خان بعد از سلام مسنونہ مضمون ہا شامل باد و از احوال خود اطلاع واقعی دادہ باشند۔

عاکف باب اللہ الصمد

الراقم

فقیر غلام محمد عفی عنہ

حاجی محمد بخش خان (ضلع جھنگ) کے نام

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - کارڈ آپ کا درباب مقرر تاریخ ۲۰ شعبان سرانجامی کار معلوم ہوکر باعث مسرت ہوا - فیاض من! جماعت ماہ گذشتہ میں بطرف ملتہ بہر ادائے ضیافت دوستاں روانہ ہوگئی تھی مگر وہاں برخوردار عبدالہادی زید عمرہٗ بعارضہ بیماری نمونیہ سخت بیمار ہونے کی خبر پہونچنے پر بتاریخ سیوم ماہ حال واپس لنگر پہونچے ہیں حالت ناامیدی تھی لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اب آرام ہے - ضعف کمال کے باعث ابتک نماز سوتے ہوئے ادا ہوتی ہے - آئندہ اللہ تعالیٰ رحم فرمادے -

انشاء اللہ تعالیٰ حسب مرضی مبارک آپ کے تعمیل کی جاوے گی - زیادہ والسلام

مورخہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ

از اینجانب و مولوی عبدالقادر صاحب و برخوردار عبدالہادی و عبدالصمد وغیرہ جماعت اندرون و بیرون برخوردار صادق محمد و مولوی نور محمد صاحب واللہ بخش خان و تمام جماعت اندرون و بیرون کو السلام علیکم مطالعہ ہو -

عاکفباب اللہ الصمد

الراقم

فقیر غلام محمد عفی عنہٗ

(۲۷ فروری ۱۹۲۰ء مہر ڈاکخانہ)

مولوی حاجی محمد بخش خان (ضلع جھنگ) کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا مسرت نامہ موصول ہو کر موجب مسرت کا ہوا مولوی نور محمد صاحب کے حق میں دعا کی گئی ہے۔ اللہ پاک بغایت خویش فایز بمرادات دوجہانی فرمائے۔ جماعت چند یوم سے سفر میں ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہم آغوش عافیت۔ مستقبل میں بھی اس کا کرم مطلوب۔ فقط والسلام مع الکرام یکم رجب ۳۸ھ ۲۲ مارچ ۱۹۲۰ء

میاں صادق محمد و اللہ بخش وغیرہ مخلصان آنجا کو سلام مسنون بیوم دوشنبہ

از جانب مولوی صاحب وغیرہ فقرائے حاضری سلام من مقام بندور

بخدمت ذی عظمت پیر محمود شاہ صاحب نیز سلام

عاکف باب اللہ الصمد
الراقم
فقیر غلام محمد عفی عنہ

مکرر آنکہ انشاء اللہ تعالیٰ جماعت عنقریب واپس لنگر جائے گی اور پھر ۱۱ رجب ۱۳۳۸ھ کو موقعہ شادی صاحبزادگان اطال اللہ عمرہما مع الحسنات پر مہر چونڈی شریف حاضر ہونا ہو گا چند یوم اس علاقہ میں بسر ہوں گے۔

جناب پیر سید محمود شاہ صاحب پیر کوٹ سدھانہ (ضلع جھنگ) کے نام

بعد سلام سنت خیر الانام و اشتیاق ملاقات مُسرت آیات شریف باد۔ الحمد للہ کہ مرور اوقات فقراء باب اللہ قرین خیریت و صحاح مزاج شریف مدام مطلوب ہے۔ خط عنایت نما ذات والا اعزا صدور لا کر مسرور اور ممتاز فرمایا کوائف مندرجہ سے آگاہی بخشی۔ فقراء کل بروز اربع مورخہ ۱۰ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ المقدس اعلیٰ اسٹیشن خان پور سے سوار ہو کر ڈہرکی سے اُتر کر مشرف بھرچونڈی شریف ہوئے ہیں۔ دیگر سب خیریت ہے۔ اطمینان فرماویں۔ بخدمت جمیع پیر صاحبان و صاحبزادہ صاحبان و جملہ احباب سلام مسنون پذیرا کرم۔ از مولوی صاحب و جماعت حاضرین سلام مسنون مقبول باد۔

کتاب ہیر وارث شاہ ارسال فرمانویں۔

برخوردار سعادت مند مولوی نور محمد صاحب بعد دعوات و سلام مسنون واضح باد کہ خط آپ کا پہونچکر کاشف حالات ہوا۔ خوشی حاصل ہوئی۔ مدرسہ عباسیہ بہاول پور میں اب میر سراج الدین صاحب کا چنداں دخل نہیں ہے۔ اس لیے سفارش کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بطور خود درخواست کریں جس طرح مشیت الٰہی ہوگی اسی طرح ہوگا اور سب خیریت ہے۔ جمیع جماعت کو سلام مسنون محصول باد۔

بخدمت اخویم صاحب مولوی محمد بخش صاحب سلام مسنون۔

مورخہ ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۸ ہجری المقدس — من مقام بھرچونڈی شریف

الراقم
عاکف باب اللہ الصمد
فقیر غلام محمد عفی عنہٗ

مولوی نُور محمد خان (ضلع جھنگ) کے نام

۴۸۶

۱۹ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

برخوردار سعادت اطوار عزیزی مولوی نُور محمد صاحب سلمہ الرحمٰن

السلام علیکم ۔ احوالم بخیر۔ صورت حال یہ ہے کہ جب روانہ ہُوئے تھے تو طبع میں آپ کو کچھ تقصیر تھا ۔ اس لیے آپ کے بخیریت پہونچنے اور علالت طبع سے خیریت پانے کے اطلاع نہ پہونچنے سے انتظار ہے ۔

جماعت معہ مولوی صاحب اور دو تین فقراء کے آج بروز شنبہ بنیا اخذ دعوت جناب ڈاکٹر صاحب نوشہرہ وارد ہے ۔ انشاء اللہ کل ہو کر اسٹیشن ساہجہ سے اُتر کر اقوام سرایاں کے دعوت ہائے لے کر دین پور شریف جانا ہوگا ۔ عالم اندرون بفضلہ تعالیٰ خیریت ہے ۔ آپ کی خیر و عافیت مطلوب ہے ۔ رسیدن خط ہذا جواب سے جلدی خوش کریں ۔

بخدمت اخویم حاجی الحرمین صاحب السلام علیکم

از جانب عبدالہادی و عبدالصمد السلام علیکم

الراقم از نوشہرہ

عاکف باب اللہ الصمد

فقیر غلام محمد عفی عنہٗ

حال از رحیم یار خان

(۸ مئی ۱۹۲۰ء کی مہر ہے)

صاحبزادہ صاحب میاں ظہیر الحق صاحب (دین پور شریف) کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷۸۶ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

برخوردار عزیزی ارشدی ظہیر الحق سلمہ اللہ طولعمرہٗ

السلام علیکم۔ خیریت جانبین مدعو من اللہ تعالیٰ۔ وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے دن ۱۲ بجے دن جمعہ کے دن کراچی اترے۔ جمعہ نماز صدر کراچی کی جامع مسجد میں گذاری۔ بعد ازاں سیٹھ صاحبان نے جماعت کو باغ اسماعیل ڈوسل قریب سرکاری باغ میں جگہ دی جو نہایت عمدہ جگہ ہے۔ جماعت کی نفری ۸۰ تک پہونچ گئی ہے۔ نماز اور ذکر یکجا ہوتا ہے۔ زیادتی جماعت روز بروز ہوتی جاتی ہے۔ دو جہاز ہمارے آنے سے پہلے تیار ہو چکے تھے۔ ایک جہاز پر ایں جانب کو ۱۱ آدمی کی جگہ ملی لیکن جماعت کا چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اس لیے دوسرے جہاز کی انتظار کی گئی ہے جو آنے والا ہے۔ ٹیکہ اور پاسپورٹ کا کام کرایا گیا ہے۔ مبلغ ۶۰ پیشگی کرایہ واپس جہاز کا فی کس داخل کرا رہے ہیں۔ تمام جماعت تندرست اور خوش ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ جو زیورات آنعزیزہ کی والدہ ماجدہ کے ملک ہیں امسال ان کی مال زکوٰۃ ادا ہوئی ہے یا نہ اگر نہیں ہوئی تو وزن کرا کر لنگر سے رقم لے کر اس کے پارچہ خرید کر کے اندر فقیرنیوں کو دیدینا۔ برخوردار عبدالرحمٰن کو بعد سلام مسنون مضمون واحد اندرون و بیرون جماعت اسلام علیکم۔

بخدمت میجی صاحبہ سلام ونیز مضمون واحد و طلب دعاء

مورخہ ۱۲ شعبان از کراچی
عاکفباب اللہ الصمد
فقیر غلام محمد عفی عنہ

مولوی محمد ابراہیم صاحب (ضلع گجراتؒ) کے نام

بخدمت مولوی صاحب محمد ابراہیم سلمہ رب العظیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیمار کو صحت اور آپ کو ترقی درجات عطا فرماوے ۔ آمین ! آپ اسم "یا مُغنی" کی گیارہ تسبیح بعد از نماز عشاء یا صبح پڑھا کریں بعدہٗ دعا "اللّٰھم اکفنی بحلالك عن حرامك و اغننی بفضلك عمن سواك" ایک تسبیح پڑھیں اور دعا مانگیں اللہ تعالیٰ رحم فرماوے اوّل و آخر درود شریف گیارہ گیارہ بار پڑھا کریں ۔ فقط والسلام

جملہ احباب کو السلام علیکم ۔

مورخہ ۲۳ رمضان شریف ۱۳۴۶ھ

عاکف باب اللہ الصمد

فقیر غلام عفی عنہٗ

۷۸۶

حامداً و مصلیاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، واضح

مشکلے نیست کہ آساں نشود مرد باید کہ ہراساں نشود

آپ کے حق میں دعا خیر کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ آپکے گناہ بخش فرماوے آمین ۔ آپ استقلال سے رہیں اور کثرت استغفار صبح و شام کرتے رہیں زیادہ کل خیر الحمد للہ جماعت فقراء خیریت سے ہے ۔

فقط ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

عاکف باب اللہ الصمد

فقیر غلام محمد عفی عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ خط آپ کا پہونچا۔ احوال سے آگاہی ہوئی۔ مریضہ کے حق میں دُعائے خیر کی گئی ہے۔ اللہ جل شانہٗ شفاء کاملہ عطاء فرماوے۔

جو مرضی مولیٰ ہے وہی از ہمہ اولیٰ ہے۔

جو مصیبت آتی ہے مولیٰ پاک اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔

از بڈھے خان وجماعت السلام علیکم

عاکف باب اللہ الصمد۔

فقیر غُلام محمد عفی عنہٗ

(۱۹ مئی سنہ ۱۹۳۲ء کی مہر ہے)

شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی

صاحبزادہ میاں ظہیر الحق صاحب دین پوری کے نام

محترم المقام جناب ظہیر الحق صاحب زید بعدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ اگرچہ عرصہ گذرتا ہے۔ آپ کی خیرو عافیت معلوم نہیں ہوئی مگر تاہم دور دور سے کچھ نہ کچھ علم ہوتا رہتا ہے۔ امید اینکہ آپ اور والدہ ماجدہ اور متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔

عزیزم! آپ کو اپنی بود و باش میں بہت زیادہ سمجھداری اور احتیاط سے کام لینا چاہیئے یوں تو جہاں چند آدمی رہتے ہیں طبعی طور پر بعض بعض غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں جن سے درگذر کرنا شرفاء اور اہل کرم کو ضروری ہے ہی مگر ایسے لوگ بہت زیادہ فی زمانہ پائے جاتے ہیں جو کہ افساد ذات البین کی ہر قسم کی کوششیں زیادہ سے زیادہ عمل میں لاتے رہتے ہیں اور بنے بنائے خاندان اور مجمع کو توڑ پھوڑ کر برباد کرنے کی پوری جد و جہد کرتے ہوئے اظہار ہمدردی میں ابلیس سے بھی پیش پیش ہوتے ہیں اُس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کس قدر زور دار طریقہ پر اظہار ہمدردی کیا تھا وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین۔ کیا وہ اس میں ادنیٰ شائبہ بھی صداقت کا رکھتا تھا؟ اس لیے مَیں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سب سے چھوٹے ہیں اپنے درجہ کا تحفظ کرتے ہُوئے بڑوں کی بالخصوص سجادہ صاحب کی اطاعت اور سب کی عزت و احترام اور اتفاق میں پوری جد و جہد فرماتے رہیں اور افتراق پیدا کرنے والی ہستیوں اور خبروں اور کوششوں سے پُورا احتراز رکھیں۔ غلط فہمیوں اور

غلط خبروں کے ہرگز شکار نہ بنیں۔ اصلاح کی طرف مائل اور افساد ذات البین سے محترز علیٰ وجہ الکمال رہیں۔ والدہ ماجدہ کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہوئے خاندان میں پورے اتحاد کے کوشاں رہیں۔ نیز اتباع شریعت اور احیائے سنّت میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھیں۔

والدہ صاحبہ اور اہلیہ محترمہ اور دیگر اعزہ سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرماویں۔

حضرت سجادہ صاحب اور منجھلے بھائی صاحب وغیرہ سے بھی سلام مسنون عرض کر دیں۔ نیز دیگر احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

از دارالعلوم دیوبند

۲۰ مئی ۴۷ء

۲۴ جمادی الثانی ۶۶ھ

اس کتاب کی ترتیب و تصنیف میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا

نمبر	کتاب	مصنف
۱ :	علماء ہند اوران کا شاندار ماضی	از حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ
۲ :	تحریک شیخ الہندؒ	〃 〃 〃 〃
۳ :	نقش حیات	از حضرت سید مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۴ :	سفرنامہ شیخ الہندؒ	〃 〃 〃 〃
۵ :	بیس بڑے مسلمان	مکتبہ رشیدیہ
۶ :	مولانا عبید اللہ سندھیؒ	پروفیسر محمد سرور
۷ :	ذاتی ڈائری	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
۸ :	شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک	〃 〃 〃
۹ :	شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ	〃 〃 〃
۱۰ :	انوار ولایت	از اخگر
۱۱ :	مرد مومن	عبد الحمید خاں
۱۲ :	پرانے چراغ	مولانا ابوالحسن علی ندوی
۱۳ :	مکاتیب سید احمد شہیدؒ	پیشکش مکتبہ رشیدیہ
۱۴ :	ملفوظات طیبات	حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۵ :	دار العلوم دیوبند نمبر	ماہنامہ الرشید لاہور

03008670818
بہولتگ لوپیس - امیر -

ید بیضاء
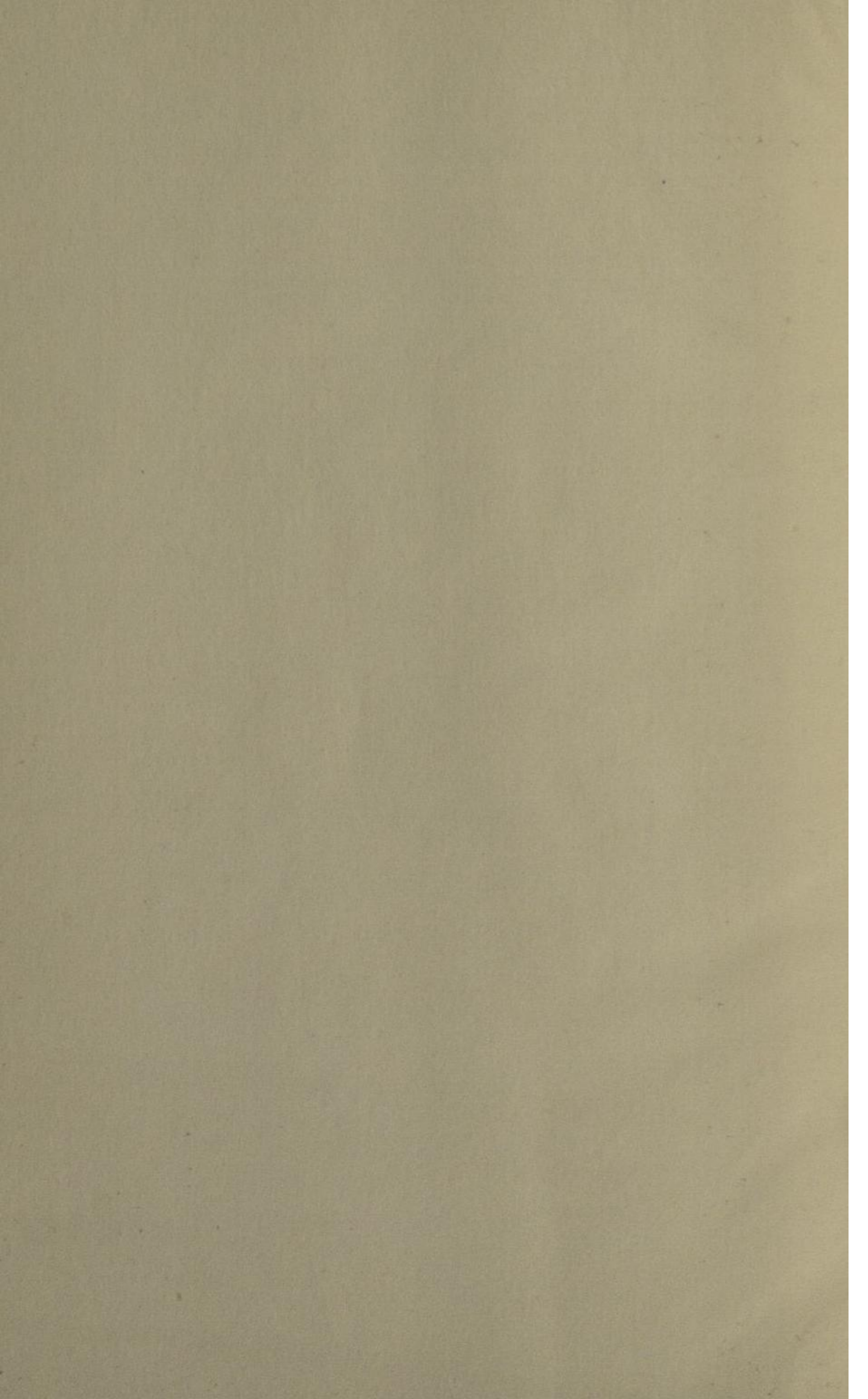
تاریک دلوں کو منوّر کرنے والی تحریر

ہدیہ -/۴۰

ملفوظاتِ طیّبات

حضرت لاہوری رح کی پیاری پیاری باتیں
کردار تعمیر کرنے والی کتاب ہدیہ ۱۴/

خطباتِ جمعہ (حصّہ اول)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح نے اپنے خطبات سے اہل لاہور کو ایک ولولہ تازہ عطا کیا۔ اور عقائد کی اصلاح فرمائی یہ خطبات رسول اللہ صلعم کے دین کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

ہدیہ -/۱۰

حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب

مودودی صاحب نے اپنے خود ساختہ نظریات کو جب اسلام کا نام دینا شروع کر دیا تو علماء نے ان کا سخت محاسبہ کیا۔ حضرت لاہوری رح نے علماء کے مودودی صاحب سے اختلاف کی وجہ کو بہت اچھے انداز سے بیان کیا ہے کہ یہ نظریات اسلام کے نہیں بلکہ مودودیت کے ہیں۔

قیمت -/۱۲